
بسم الله الرحمن الرحيم

تحقیقی مقالہ:

''پاکستان کے شمالی علاقوں (گلگت بلتستان و کشمیر) میں بیسویں صدی کے ممتاز بزرگانِ قادریہ کی دینی و علمی خدمات''

مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی

محقق

محمد اسرائیل خان

زیرِ نگرانی:

پروفیسر ڈاکٹر ناصر الدین صدیقی

شعبۂ قرآن و سنہ، جامعہ کراچی

2011ء

عنوان:

”پاکستان کے شمالی علاقوں (گلگت و کشمیر)میں بیسویں صدی کے ممتاز بزرگانِ قادریہ کی دینی و علمی خدمات“

تحقیقی جائزہ:

مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی

تحقیق کار: محمد اسرائیل خان

زیرِ نگرانی: پروفیسر ڈاکٹر ناصر الدین (صدیقی)

شعبہ قرآن و سنۃ، جامعہ کراچی

2011ء

تصدیق نامہ

میں تصدیق کرتا ہوں کہ یہ تحقیقی مقالہ "پاکستان کے شمالی علاقوں میں بیسویں صدی کے ممتاز بزرگانِ قادریہ کی دینی وعلمی خدمات" محمد اسرائیل خان ولد سید محمد خان نے میری نگرانی میں مطلوبہ شرائط کے تحت مکمل کیا ہے۔

دستخط:------ 11/05/2014

پروفیسر ڈاکٹر ناصر الدین (صدیقی)

نگران

جامعہ کراچی

اظہار تشکر

الحمدللہ اس مقالے کی تیاری میں اللہ رب العزت کا فضل و کرم شامل حال رہا۔ میں اپنے تحقیقی نگران اول **پروفیسر محمود حسین صدیقی صاحب** (جنھوں نے ایم فل تک مکمل کروایا) اور تحقیقی نگران دوئم **پروفیسر ڈاکٹر ناصر الدین صدیقی** (جنھوں نے پی۔ایچ۔ڈی کا مکمل کروایا) کا انتہائی شکرگزار ہوں کہ انہوں نے میرے اس مقالے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں بھرپور مدد کی اور بھرپور شفقتوں سے اس مقالہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں میری مدد کی اور اپنے مفید مشوروں سے نوازا۔

سربراہ انجمن قمرالاسلام/بانی و صدر شاہ ہمدان ٹرسٹ انٹرنیشنل **پیر سید عظمت علی شاہ ہمدانی** مہتمم دارالعلوم قمر الاسلام کراچی کا بے حد شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس مقالہ کی تیاری کے دوران اپنے کتب خانے سے استفادہ کا موقع عنایت فرمایا اور ہر مشکل میں میری حوصلہ افزائی فرمائی۔

اس تحقیق کے دوران ان مدارس اور خانقاہوں پر موجود حضرات کا شکر گزار ہوں جنہوں نے بھرپور مواد فراہم کیا۔

میں **محمد جاوید اقبال صدیقی صاحب** (**پروپرائٹر: المومل ملٹی سروسز**) کا بھی تہہ دہ سے ممنون ہوں جن کے تعاون سے مجھے اپنی تحقیقی مقالہ کی کمپوزنگ، پروف ریڈنگ، ایڈیٹنگ، بائینڈنگ وغیرہ کے سلسلے میں بھرپور تعاون حاصل رہا۔

محمد اسرائیل خان

C/O دارالعلوم قمرالاسلام، پنجاب کالونی۔

تاریخ: 05/04/11

انتساب

رب ذوالجلال کے عبد باکمال میرے محسن و مربی و معلم و بانی پرنسپل دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ مفسر قرآن ، عظیم سیرت نگار حضور ضیاء الامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری قدس سرہ العزیز کے نام جن کے حسن تعلیم و تربیت اور جن کی عنایات و فیوضات سے مجھے اس تحقیقی کاوش کی سعادت نصیب ہوئی اور یہ کاوش ثمر بار ہوئی۔

اور

اپنے والدین ماجدین مرحومین کے نام جن کی محبت و شفقت و ابتدائی تربیت خلوص و محبت بھری دعاؤں سے اس مشت خاک کو یہ توفیق ملی۔

محمد اسرائیل خان

C/O دارالعلوم قمرالاسلام، پنجاب کالونی۔

تاریخ: 05/05/11

فون نمبر: 0301-5047110

فہرست

☆☆☆

مقدمه

وان لو استقاموا علی الطریقة لا سقینهم مآءً غدقاًo

ترجمہ: اگر وہ قائم رہیں طریقت پر تو ہم ان کے لئے چھلکتے ہوئے پیمانے پیش کریں گے۔

(القرآن سورۃ جن آیت 14 پارہ 29)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو تخلیق کیا اور اسکو عقل و شعور سے نوازا تا کہ یہ انسان اپنے مالک حقیقی اور پروردگار کی پہچان کر سکے۔ شریعت و طریقت کو جمع کرنے سے ہی انسان اس معبودِ حقیقی کی معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

پاکستان کے شمالی علاقوں میں "بیسویں صدی کے بزرگانِ قادریہ وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جو شریعت و طریقت کی جامع تھیں جنہوں نے ذکرِ خداوندی کو اپنا شعار بنایا، خلقِ خدا کی خدمت کو وظیفہ حیات بنایا۔

باب اول: تعریف تصوف اور تاریخ تصوف

فصل اول: تعریف تصوف:

امت کی مقبول ترین شخصیات کی تعریفات کو جمع کیا گیا لفظ تصوف کے لغوی اور اصطلاحی معنٰی پر بحث کی گئی اور یہ ثابت کیا گیا کہ لفظ تصوف لفظاً قرآن میں موجود نہیں لیکن معناً جابجا موجود ہے۔

تاریخ تصوف سے یہ بات ثابت کی گئی کہ لفظ تصوف دوسری صدی ہجری سے امت میں عام ہو گیا لوگ اس کو بلا جھجک استعمال کرتے تھے صوفی کی اصطلاح فقیہہ، محدث، مجتہد وغیرہ سے قدیم ہے۔ اگر ان پر

اعتراض نہیں تو صوفی پر اعتراض بے محل ہے۔

باب دوم: تصوف قرآن وسنت کی روشنی میں اسکی دو فصلیں ہیں:

فصل اول: وہ اخلاق کریم جو صوفی کی صفات ہیں صرف بارہ صفات حمیدہ کا تذکرہ قرآن و حدیث کی روشنی میں کیا گیا:

فصل دوم: رزائل اخلاق: اس میں صرف سات رزائل اخلاق بیان کئے گئے ہیں جس سے اجتناب کے بغیر کوئی صوف تزکیہ نفس وتصفیۂ قلب کے مراحل سے نہیں گزر سکتا۔ یہ ثابت کیا گیا کہ احوالِ صوفی پورے طریقے سے قرآن وحدیث میں موجود ہے۔

باب سوم: شمالی علاقہ جات کی مذہبی، سیاسی، سماجی تاریخ ہے یہ علاقہ جنگ کے ذریعہ فتح کیا گیا اس لئے جنگی احوال کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔ اس مقالہ میں آزاد کشمیر کا رقبہ 4144 مربع میل جبکہ گلگت 29814 مربع میل کل 33958 مربع میل علاقہ شاملِ تحقیق ہے۔

باب چہارم: بزرگانِ قادریہ کی آمد اور معاشرتی حالات۔

اس میں ان حالات کو بیان کیا گیا جب بزرگانِ قادریہ یہاں آئے تو یہاں کی معاشرتی، سیاسی، سماجی کیفیت کیا تھی اور ان بزرگوں کے آنے سے ان میں کیا تبدیلی واقع ہوئی اور انہوں نے دینِ اسلام کی ترویج واشاعت کیلئے کس طرح مساجد، مدارس اور خانقاہوں کے نظام کو جاری رکھا۔

باب پنجم: بزرگان قادریہ کے حکمرانوں سے روابط اور اسکے اثرات۔

اس باب میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ بزرگانِ قادریہ کے حکمرانوں سے کیسے تعلقات تھے اور ان تعلقات کے ان کی سیرت وکردار اور عوام کی فلاح وبہبود پر کیا اثرات مرتب ہوئے اور وہ ان نفوسِ قدسیہ

کے فیضیاب ہونے کے بعد علاقے کو کس طرح مثالی اور فلاحی بنانے میں کامیات ہوئے۔

باب ششم: بزرگانِ قادریہ کی دینی و علمی خدمات کو پانچ ڈویژن میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) میر پور ڈویژن:

(الف) حضرت میاں محمد بخش ؒ جو کہ پنجابی زبان کے بہت بڑے قادر کلام شاعر گذرے ہیں سترہ کتب کے مصنف ہیں۔ ایک عالمِ دین، صوفی، شاعر، سجادہ نشین اور سماجی شخصیت ہیں۔

(ب) آستانہ عالیہ ڈھنگروٹ شریف کی دینی و علمی خدمات

(۲) کوٹلی ، آزاد کشمیر: اس میں سے صرف دو شخصیات کو لیا گیا ہے۔

(الف) آستانہ عالیہ َ ر شریف کوٹلی، خواجہ سلطان عالم (المعروف مسجدوں والے پیر) ان کی رفاعی خدمات بہت زیادہ ہیں اندازاً تین سو سے چار سو تک مساجد تعمیر کرائی اس میں با قاعدہ دینی ادارہ جات مساجد کا جمیع انتظام و انصرام احسن طریقے سے چلا رہے ہیں ہزاروں کی تعداد میں حفاظ کرام اور علماء کرام ان کے زیر اثر کام کر رہے ہیں۔

(ب) آستانہ عالیہ پناگ شریف: حضرت پیر حیدر شاہ صاحب قادر الکلام شاعر تھے آپ کی تصانیفی خدمات بھی ہیں آپ کی جہادی خدمات بھی تحریک آزادی کے نام میں آپ کے نام پر فرسٹ حیدری تھرڈ حیدری کے نام سے دو یونٹ قائم کی گئی۔

(۳) پونچھ: اس سے چار شخصیات شامل کئے گئے ہیں۔

(الف) آستانہ عالیہ نیریاں شریف اس آستانہ کی علمی خدمات بے شمار ہیں۔ محی الدین اسلامی یونیورسٹی کے بانی اور چانسلر اسی آستانہ کے سجادہ نشین ہیں اسکے علاوہ میر پور میڈیکل کالج، النور ٹی۔ وی چینلز وغیرہ

(ب) حضرت سائیں سید میر بادشاہ کی علمی، روحانی اور رفائی خدمات۔

(ج) حضرت سائیں جعفر خان کی روحانی خدمات۔

(د) آستانہ عالیہ قادریہ بدھال شریف۔ ان حضرات کا تحریکِ آزادی میں بھی بڑا کردار ہے اس کے علاوہ علمی اور روحانی خدمات بے شمار ہیں۔

(۴) مظفر آباد: مظفر آباد میں بے شمار اولیاء کرام ہیں جن میں سے حضرت الحاج مولانا برکت جھاگوی کی خدمات کو لیا گیا ہے۔ یہ وادئ نیلم کے رہنے والے ہیں ان کا بہت کام مظفر آباد میں بھی ہے۔ بہت سے دینی ادارے شرعی عدالتیں و دیگر خدمات ہیں۔

(۵) گلگت:

(الف) مولانا محمد صدیق برکتی کو مولانا برکت جھاگوی نے وہاں سلسلہ عالیہ کی خدمت کے لئے تعینات کیا اور وہاں ہی وصال ہوا۔

(ب) مولانا عین اللہ چیلاسی، انہوں نے بھی سلسلہ عالیہ کی طرز پر دینی و اسلامی خدمت کرتے رہے۔

(ج) مولانا نجم الدین اخوندزادہ کی دینی علمی اور جہادی خدمات شامل ہیں۔

مقالہ نگار: محمد اسرائیل خان

شعبہ قرآن وسنۃ، جامعہ کراچی

☆☆☆

خلاصہ

شمالی علاقہ جات سے مراد گلگت بلتستان اور کشمیر کا وہ علاقہ (یعنی آزاد کشمیر) جو پاکستان کے ساتھ الحاق یافتہ ہے اس خطہ میں بیسویں صدی کے بزرگانِ قادریہ کی دینی و علمی خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس کے پہلے باب کی فصل اول میں تصوف کی تعریفات، مادھائے تصوف حروف تصوف کے معنیٰ ومفاہیم بیان کئے گئے ہیں اور تصوف کی ضرورت اور اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ فصل دوم میں تصوف کی تاریخی حیثیت کو زیرِ بحث لایا گیا ہے دوسری ھجری میں تصوف باقاعدہ مروج تھا۔

باب دوئم میں تصوف کو قرآن وسنت کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے۔ متقین، صابرین، صادقین وغیرہ ہی اہلِ تصوف ہیں انکی اوصاف حمیدہ پر بحث کی گئی ہے مثلاً توکل، عدل وغیرہ۔ اور رزائل اخلاق جن سے محفوظ رہنا ایک صوفی کے لئے ضروری ہے مثلاً تکبر، ریا، جھوٹ، غیبت وغیرہ۔

فصل اوّل میں اوصاف حمیدہ بیان کی گئی اور فصل دوئم میں اخلاق رزیلہ بیان کی گئی ہیں۔

اس مقالہ کے باب سوم میں گلگت بلتستان جو کہ 29814 مربع میل علاقہ پر مشتمل ہے اور آزاد کشمیر جو 4144 مربع میل علاقہ پر مشتمل ہے کل 33958 مربع میل علاقہ کی مذہبی، سیاسی، تاریخ بیان کی گئی ہے۔

اس مقالہ کے باب چہارم میں بزرگانِ قادریہ کی آمد کے وقت کے ساجی اور معاشرتی سیاسی حالات کو زیرِ بحث لایا گیا اور بتایا گیا ہے کہ ان نفوسِ قدسیہ کے آنے سے کیا تبدیلی رونما ہوئی، دینِ اسلام کو کتنی تقویت ملی۔

اس مقالہ کے باب پنجم میں بزرگانِ قادریہ کے حکمرانوں پر پڑنے والے اثرات بیان کئے گئے ہیں۔ بزرگانِ قادریہ کی وعظ اور نصیحت سے حکمرانوں میں جو تبدیلیاں رونما ہوئی وہ بیان کی گئی ہیں۔

اس مقالہ کے باب ششم میں ممتاز بزرگانِ قادریہ کی دینی وعلمی خدمات تحریر کی گئی ہیں۔ ممتار بزرگانِ قادریہ کے قیام مدارس، مساجد، تصانیف وغیرہ کے متعلق تحقیق کی گئی ہے۔

مقالہ نگار: محمد اسرائیل خان

شعبہ قرآن وسنۃ، جامعہ کراچی، کراچی

ABSTRACT

Northern areas mean Gilgit, Baltistan and that area of Azad Kashmir which is affiliated to Pakistan. In this thesis the religious and academic services of Quadri Saints are high lightened.

In its first chapter in the first unit the construction definitions of the word tasawway are described and its necessity and importance is also high lightened.

In the second unit History of Tasawway is described. The word Tasawway and its teachings were introduced in the second century after Hijrat.

In its second chapter Tasawway is proved under the light of Quran & Sunnah "Muttaqeen", "Sabireen". Sadiqeen" etc are called All-e- Tasawway their qualities like "Tawakkal" and Adl" are discussed. The bad qualities by which they live away like "Takabbar," (provider), "Ria" (show off), "Ghoot" (lie), "Gheebat" (back biting), etc are also discussed.

In its first unit good qualities and in the second unit bad qualities are described.

In the third chapter the religious, political and historical background of Baltistan. Gilgit, which is 29814 square miles, Azad Kashmir which is 4144 square miles and total area 33958 square miles, are described.

In the fourth chapter the social and political conditions of that period are discussed in which the Quadri Saints came into that area. It is also told that what change came into being due to their efforts for Islam.

In the fifth chapter those impacts were described by which the rulers of these area were changed postively due to the preaching of Quadri saints.

In the sixth chapter the religious and academic services of Quadri saints were described specially research work is done on their service to build institutions, mosques and the book written by them.

Mr.Israel Khan
Department of Quran & Sannah
University of Karachi

باب اوّل:

فصل اوّل: (تعریف تصوف)

تعریف تصوف:

لغوی طور پر علماء باطن نے لفظ "تصوف" کے لئے چھ مادے بیان کئے ہیں۔

۱۔ "الصفا" یعنی کسی شئے کو صاف کر دینا۔

۲۔ "الصفو" یعنی محبت میں اخلاص۔

۳۔ "الصوف" یعنی اون یا یکسو ہونا۔

۴۔ "الصفہ" اوصاف اصحاب صفہ کے قریب ہونا۔

۵۔ "الصف" یعنی صف اول میں ہونا۔

۶۔ " شیوصوفیاء" یونانی کلمہ جس کے معنی حکمت الٰہی کے ہیں۔

مندرجہ بالا مادہ ہائے اشتقاق میں یہ بات مشترک ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ ایسی محبت کا پیدا ہونا تصوف ہے۔ جس کے باعث سالک کی نیت اور عمل میں اخلاص راسخ ہو جائے۔

"تصوف" کا معنی "اس نے اونی لباس پہنا" یا "اس نے پاکیزگی اختیار کی" ہیں۔

تصوف کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ انسان کا ظاہر و باطن پاک صاف ہو۔ اس کے اعمال و افکار اطاعت الٰہی اور اتباع رسول ﷺ سے مزین ہوں۔ اور اس کا مقصود رضائے الٰہی کا حصول ہو۔ (۱)

حضرت سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش علیہ الرحمتہ نے اپنے شہرہ آفاق تصنیف "کشف المحجوب" صفحہ (۳۱) پر یہ حدیث نقل فرمائی ہے۔

من سمع صوت اهل التصوف فلايومن على دعائه كتب عند الله من الغافلين.

ترجمہ: جس نے اہل تصوف کی ندا سنی اور اس پر کان نہ دھرا تو اس کا شمار اللہ کے نزدیک غافلوں میں ہوگا۔

حضرت سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ نے اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۴۰ پر تصوف کی اصطلاحی تعریف یوں کی۔

التصوف اقامة الاحوال مع الحق.

ترجمہ: تصوف احوال کو حق کے ساتھ قائم رکھنا ہے۔

ابوالقاسم امام قشیری رحمتہ اللہ مختلف آراء نقل کرنے کے بعد اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

ولا یشهد لهذا لا سم اشتقاق من جهة العربیه و قیاس و الظاهر انه لقب.

ترجمہ: یعنی کہ صوفی کے لفظ کا ماخذ اشتقاق عربیت کے لحاظ سے قواعد صرف کی رو سے معلوم نہیں ہوتا۔ سیدھی صاف بات یہ ہے کہ یہ اس فن کا لقب ہے۔(۲)

۳۔ مقدمہ کشف المحجوب میں پیر محمد کرم شاہ الازہری رقمطراز ہیں۔

علامہ ابن خلدون نے بھی امام قشیری کی اس رائے کو پسند کیا۔ حوالہ ایضاً

تصوف کا مفہوم:

علامہ ابن خلدون اپنے مقدمے میں اس کی توضیح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

اصل التصوف وزینتها والزهد علی العبادة والا نقطاع الی الله تعالیٰ ولا غراض عن زخرف الدنیا و زینتها فیها یقبل الیه الجمهور من لذة و مال وجاه وکان ذالک عاماً فی الصحابة والسلف.

ترجمہ: تصوف کا معنیٰ ہے عبادت پر ہمیشہ پابندی کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف ھمہ تن متوجہ ہونا۔ دنیا کی زیب و زینت کی طرف سے روگردانی کرنا لذت مال وجاہ جس کی طرف عام لوگ متوجہ ہیں اس سے کنارہ کش ہونا۔ یہ طریقہ صحابہ کرام سلف الصالحین میں عام مروج تھا۔

اکثر حضرات تصوف کی تعریف میں اخلاقی پہلو کی طرف زیادہ توجہ کرتے ہیں۔اور یہ نظریہ حلقہ صوفیاء میں بھی مقبول ہے۔اس نظریہ کے مطابق جن حضرات نے تصوف کی تعریف کی ہے چند ایک درج ذیل ہیں۔

ابوبکر الکتانی (المتوفی ۲۳۳ھ) فرماتے ہیں۔

"التصوف خُلق ومن زاد علیک فی الخلق فقد زاد علیک فی الصفا"

ترجمہ: یعنی "تصوف خُلق کا نام ہے جو خُلق میں تجھ سے برتر ہوگا وہ صفائی میں تجھ سے بڑھا ہوا ہوگا"۔

ابومحمد (المتوفی ۳۱۱ھ) سے کسی نے تصوف کے بارے میں سوال کیا۔آپ نے فرمایا۔

"الدخول فی کل خلق سنی والخروج من کل خلق دنی"

ترجمہ: یعنی ہر اعلیٰ اور عمدہ خُلق میں داخل ہونا اور ہر رزیل عادت سے باہر نکلنا تصوف ہے۔

ابوالحسین النوری تصوف کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیس التصوف رسما و علما و لکنه خُلق.

تصوف نہ رسم ہے نہ علم بلکہ یہ خُلق کا نام ہے۔

دوسرے مقام پر انہیں کا ارشاد ہے:

التصوف الحریه والکرم و ترک التکلف والسخاء .

ترجمہ: تصوف حریت، کرم، بے تکلفی اور سخاوت کا دوسرا نام ہے۔

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے پیر محمد کرم شاہ الازہری رقم طراز ہیں۔

اگرچہ اخلاقی نقطہ نظر سے تصوف کی یہ تعریفیں شرق وغرب میں مشہور بھی ہیں۔اور مقبول بھی۔لیکن اسے تصوف کی صحیح تعریف نہیں کہا جا سکتا۔یہ بات مسلمہ ہے کہ تصوف کی بنیاد اخلاق کریمہ پر ہے۔اور صوفی کے لئے ناگزیر ہے کہ وہ اخلاق کریمہ سے متصف ہو۔لیکن اسے تصوف کا حقیقی مفہوم نہیں قرار دیا جا سکتا۔

تصوف کی تعریف میں دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ اس کا معنیٰ زہد ہے۔ یعنی دنیا کی زیب وزینت اورلذات سے کلیتہ کنارہ کشی۔ یہ بجا ہے کہ صوفی کا دل دنیا سے بیزار ہوتا ہے۔ لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ زہد وتقشف اور چیز ہے اور تصوف اور چیز ہے۔ بعض لوگوں نے عبادت گزار کو صوفی کہا ہے۔ لیکن ان کا یہ قول بھی حقیقت سے بہت دور ہے۔ ایک شخص عبادت میں سرگرم رہتا ہے۔ لیکن پھر بھی اس کو صوفی نہیں کہا جاسکتا۔ ابن سینا اپنی کتاب ''الاشارات'' میں بڑی وضاحت سے زاہد، عابد، صوفی میں جوفرق ہے وہ واضح کرتے ہیں۔

زاہد: جوشخص دنیا اور اس کی لذتوں سے منہ موڑ لے اسے ''زاہد'' کہتے ہیں۔

عابد: جوشخص ہرلمحہ عبادت میں مصروف ہے۔ ''عابد'' کہتے ہیں۔

عارف، صوفی:

والمنصرف بفکره الی القدس الجبروت مستديما لشروق نور الحق فی سره يخص باسم العارف.

یعنی جوشخص ہروقت اپنی فکر کو قدس جبروت کی طرف متوجہ رکھتا ہے اور ہرلحظہ اپنے باطن میں نورحق کی تابانی کا آرزومند ہوتا ہے اسے عارف کہتے ہیں۔ اور ابنِ سینا کے نزدیک عارف ہی صوفی کہلانے کا مستحق ہے۔

زاہد اور عابد زہد اور عبادت کو اس لئے اختیار کرتے ہیں کہ انہیں دوزخ سے نجات ملے اور نعیم جنت کی سرمدی نعمتیں انہیں نصیب ہوں۔

صوفی بھی دنیا کی لذتوں اور زینتون سے دامن کش رہتا ہے۔ ہمہ وقت مصروف عبادت رہتا ہے۔ لیکن اس کے پیش نظر کوئی خوف یا طمع نہیں ہوتا۔ وہ فقط اس لئے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے۔ کہ وہ اس کا محبوب ومطلوب ہے۔ اور ہرقسم کی عبادت اور نیازمندی کا مستحق ہے۔

حضرت رابعہ بصری رضی اللہ تعالیٰ عنھا کا ارشاد اس حقیقت کو واضح کرنے لئے کافی ہے۔ کہ ایک

روزانہوں نے بارگاہ الٰہی میں یوں عرض کیا۔

اللھم ان کُنت اعبدک من نارک فالقیٰ فیھا.

اے اللہ! اگر میں تیری عبادت آتش دوزخ کے خوف سے کرتی ہوں۔تو تُو مجھے اس میں جھونک دے۔

وان کنت اعبدک طمعا فی جنتک فاحرم منھا.

اور اگر جنت کے لالچ کی وجہ سے تیری عبادت کرتی ہوں تو اے میرے محبوب تو مجھے اس جنت سے محروم کردے۔

وان کنت اعبدک لوجھک الکریم فلا تحرمنی من رویته.

''اور اگر میں صرف تیری ذات کے لئے تیری عبادت کرتی ہوں تو اے میرے محبوب مجھے اپنے شرف دیدار سے محروم نہ رکھیو''

معلوم ہوا کہ تصوف نہ صرف اخلاق حسنہ کا نام ہے، نہ صرف دنیا کی لذتوں اور مسرتوں سے کنارہ کشی کا نام ہے، نہ صرف شب و روز مصروف عبادت رہنے کا نام ہے۔ اگر چہ وہ ان تمام چیزوں کو شامل ہے۔لیکن وہ ان کے ماسوا کوئی اور چیز ہے۔(۳)

اس لئے چند تعریفات اور پر بحث مقصود ہے تا کہ صحیح تعریف تک رسائی ممکن ہو سکے۔

ابوسعید الجزائر (المتوفی ۲۶۸ھ) سے ''صوفی'' کے بارے میں پوچھا گیا۔آپ نے فرمایا۔

''من صفیٰ ربه قلبه فا متلا قلبه نوراً من دخل فی عین اللذة بذکر اللّٰہ''

یعنی جس کے دل کو اسکا رب پاک صاف کردے اور اس کا دل نور الٰہی سے لبریز ہو جائے اور جو شخص ذکر الٰہی شروع کرتے ہی لذت و سرور میں کھو جائے۔

حضرت جنید بغدادیؒ تصوف کی تعریف ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

''التصوف:ھو ان یمیتک الحق عنک و یحییک به''

یعنی تصوف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے تیری ذات سے فنا کردے اور اپنی ذات کے ساتھ تجھے زندہ کردے۔

ابوبکر الکتانی کی تعریف اگرچہ دو الفاظ پر مشتمل ہے لیکن ایجاز و جامعیت کا عظیم شاہکار ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

لتصوف:۔ صفا و مشاهد:

تصوف صفا یعنی تزکیہ اور مشاہدہ کا نام ہے۔

ان دو میں سے پہلی بات (صفاء) سبب ہے اور دوسری بات (المشاہدہ) غایت اور مدعا ہے۔ یہ تعریف بڑی جامع ہے۔ اس میں سالک کی منزل کا بھی ذکر ہے اور اس راستے کا بھی جو سالک کو منزل تک لے جاتا ہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں اس حقیقت کو ذرا تفصیل سے بیان فرمایا ہے، لکھتے ہیں۔

الطریق: تقدیم المجاهدة و محو الصفات المذمومة و قطع العلائق کلها و الاقبال بکنه الهمة علی الله تعالیٰ و مهما حصل ذالک کان الله المتولی لقلب عبده المتکفل بتنو یره با نوار العلم.

اس منزل کا راستہ یہ ہے کہ پہلے مجاہدہ کرے۔ صفات مذمومہ کو مٹائے۔

تمام تعلقات کو توڑ ڈالے اور پوری طرح اللہ کی ذات کی طرح متوجہ ہو جائے۔ جب یہ سعادت حاصل ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے دل کا متولی بن جاتا ہے تو علم کے انوار سے اس کو منور کرنے کا ذمہ دار بن جاتا ہے۔

یہ تصوف کا وہ مفہوم ہے جسکو اولیاء اللہ اپنا مقصد حیات بناتے ہیں۔ ان کی ساری زندگی صفا اور تزکیہ کے کٹھن مرحلوں کو صدق دل سے طے کرنے کے لئے وقف رہتی ہے۔ تا کہ آخر کار وہ مشاہدہ کی منزل

میں خیمہ زن ہونے کی سعادت حاصل کریں۔ اس طرح وہ انسانیت کے مقام رفیع کو پالیتے ہیں۔ جہاں "نفخت فیہ من روحی" کا سرنہاں عیاں ہوتا ہے۔ اور "خلیفہ فی الارض" کی مسند جلیل پر متمکن ہوتا ہے۔ (۴)

حضرت سید علی ہجویری کشف المحجوب صفحہ ۹۴ پر حضرت جنید بغدادیؒ کو قول نقل فرماتے ہیں۔

التصوف مبنی علی ثمان خصال (۱) السخاء (۲) والرضاء (۳) والصبر (۴) ولاشاراة (۵) والغربة (۶) لبس الصوف (۷) السياحة (۸) والفقر اما السخاء فلا براهيم الرضاء فلا اسمٰعيل واما الصبر فلايوب ولااشارة فلذ كريا والغربة فليحيى فاما لبس الصوف فلموسى فاما السياحته فلعيٰسى واماالفقر فلمحمد صلى الله عليه وسلم اجمعين.

یعنی تصوف کی بناء آٹھ خصائل پر ہے (جو آٹھ پیغمبروں کی اقتداء ہے) سخاوت ہے حضرت ابراہیمؑ کے انہوں نے اپنے بیٹے کو ذبحہ کیا۔ برضا میں حضرت اسماعیلؑ کہ انہوں نے بررضائے خداوندی اپنی جان پیش کی۔ صبر میں حضرت ایوبؑ کہ انہوں نے خداوندی پر صبر کیا۔ اور کیڑوں کی مصیبت برداشت کی۔ استارات میں حضرت ذکریاؑ کے جن کے لئے باری تعالی نے فرمایا:

"الاتكلمو الناس ثلثة ايام رمزا"

تین دن تک لوگوں سے بات مت کرو مگر استارہ سے مزید فرمایا:

" اذا اشاره نادىٰ نداءً خفيا."

جب اس نے اپنے رب کو چپکے سے پکارا۔ غربت میں حضرت یحیٰ علیہ السلام کے اپنے وطن میں اپنوں سے بیگانے ہو گئے۔ صوف پوشی میں حضرت موسیٰ کہ ان کا تمام لباس صوف کا تھا۔ سیر میں میں حضرت عیسیٰؑ کے وہ راہ خدا میں اتنے مجرد اور تنہا تھے کہ سامان میں صرف ایک پیالہ اور کنگھی رکھتے تھے اور جب دیکھا

کہ ایک آدمی ہاتھ سے پانی پی رہا ہے تو پیالہ پھینک دیا۔ اور جب دیکھا کہ ایک آدمی ہاتھ سے بال بنا رہا ہے تو کنگھی بھی پھینک دی۔ فقر میں حضرت محمد ﷺ کے اللہ جل شانہ، نے روئے زمیں کے سب خزانوں کی چابیاں عنایت فرمائی اور حکم دیا کہ محنت و مشقت چھوڑ شان و شوکت سے زندگی بسر کرو مگر حضور ﷺ نے عرض کی باری تعالیٰ میں خزانہ نہیں چاہتا مجھے ایک روز سیر ہو کر کھانے کو دے اور ایک روز بھوکا رکھ۔ (۵)

''تذکرہ خواجگان چشت اھل الھشت'' میں صاجزادہ مقصود احمد صابر، نوری کتب خانہ جامع مسجد نوری بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور، ص ۱۲۶۱۔

اہل اسلام کے نام ایک پیغام میں صوفی کی پہچان کے امور درج کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

۱۔ صوفی برگزیدہ حق ہوتا ہے۔

۲۔ صوفی اصحاب صفہ سے مشتق ہے۔

۳۔ صوفی کا دل اغیار سے منقطع ہوتا ہے۔

۴۔ صوفی کی نظر میں سونا اور مٹی یکساں ہوتا ہے۔

۵۔ صوفی وہ ہوتا ہے جو قدرت بشریت سے صاف ہو چکا ہو کیونکہ صفائی قلب ہی اولیاء کی صفت ہے۔

۶۔ صوفی کے لقب سے پہلے مقبولین پکارے جاتے تھے مگر اب !

۷۔ صوفی کا لقب سب سے پہلے دنیا میں ہاشم نے اختیار کیا۔

۸۔ صوفی کا بولنا صوفی کا چپ رہنا دونوں عبادتیں ہیں۔

۹۔ صوفی نفس کی ہر لذت سے مجتنب رہتا ہے۔

۱۰۔ صوفی وہ ہے جس کی ملک میں کوئی چیز نہ ہو۔

۱۱۔ صوفی کا باطن مخالف حق سے محفوظ رہتا ہے۔

۱۲۔ صوفی غیر اللہ کو نہیں دیکھتا۔

۱۳۔ صوف آج صرف نام بے حقیقت ہے کل حقیقت بے نام تھا۔(۶)

تصوف کی ضرورت اور اھمیت:

۱۔ علمی و دینی نقطہ نظر سے۔

۲۔ عملی نقطہ نظر سے۔

۳۔ سائنسی نقطہ نظر سے۔

۱۔ علمی و دینی نقطہ نظر سے:

دین اسلام کے پورے نظام کو اگر مختلف شعبوں میں تقسیم کرنا مقصود ہو تو اس نظام کے اہم اور بڑے تین شعبے ہیں۔

۱۔ علم العقائد۔

۲۔ علم الاحکام۔

۳۔ علم الاخلاص۔

۱۔ علم العقائد:

اس مراد اسلام کا وہ شعبہ جس کا تعلق ایمانیات وعقائد سے ہے۔یعنی وجود باری تعالیٰ توحید اور ذات وصفات میں اس کے یکتا اور بے مثل ہونے پر ایمان لانا۔انبیاء اور رسل، ملائکہ، کتب وصحف آسمانی تقدیر کہ ہر خیر وشر اس کی مشیت سے ہے۔قیامت وحشر ونشر جنت ودوزخ، میزان صراط وغیرہ اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اُٹھنے پر ایمان لانا وغیرہ ایسے امور ہیں جنہیں ہم ایمانیات کہتے ہیں۔یہ شعبہ دین کی

اصل ہے۔ یہی شعبہ جب باقاعدہ صورت میں آگے بڑھتا ہے تو اسلامی عقائد و فکری اور نظریاتی کجروی کے عوارض سے محفوظ رکھتا ہے۔ اور اس ٹکرانے والے ہر نظریے کا بطلان کرتا ہے تو یہ ایک باقاعدہ فن یعنی ''علم العقائد'' کہلاتا ہے۔

اور یہ حقیقت ہے کہ عقائد کے بغیر عمل نامقبول ہے۔

۲۔ علم الاحکام:

دین کا دوسرا شعبہ علم الاحکام ہے جس کا مقصد عقائد کی استوار بنیادوں پر عمل اور رویہ حیات کی تشکیل و تعمیر ہے۔ یہ عمل انسان کی عملی زندگی سے بحث کرتا ہے۔ جس سے اسے اللہ اور اسکے رسول ﷺ نے کن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے یا اجازت مرحمت فرمائی ہے اور کن چیزوں سے منع فرمایا ہے۔ اور جب یہ علم ایک فن اور سائنس کی صورت میں فروغ پاتا ہے۔ اور اوامر و نہی کے درجات پر فائز کر کے انہیں فرائض، واجبات، سنن اور حرام مکروہ وغیرہ کی اصطلاحات کے تحت بیان کیا جاتا ہے تو اس علم الاحکام کو اھل علم اصطلاح میں علم الفقہ کا نام دیتے ہیں اور یہ شریعت مطہرہ کا قانونی شعبہ ہے۔

۳: علم الاخلاص:

جب عقائد و نظریات اور احکام سے متعلق حقائق آشکارہ ہو جائیں تو تیسرے شعبے یعنی علم الاخلاص کے لئے راہ ہوبار ہوتی ہے۔ اور ہر شعبہ کو سمجھنے کیلئے احادیثِ نبوی ﷺ ہر دم پیشِ نظر رہنی چاہیئے۔ (۷)

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

انما الاعمال بالنیات. (الحدیث)

بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ (۸) (مشکوٰۃ ج ا صفحہ ۲)

گویا جس طرح اعمال کیلئے صحت عقائد لازمی ہے۔ اسی طرح اعمال و افعال کے قبولیت کے لئے نیت کا درست ہونا ضروری ہے۔ اعمال اسی وقت مقبول ہوتے ہیں۔ جب نیت درست ہو اعمال خالصتاً اللہ رب العزت کے لئے ہیں۔ کیونکہ دل کی بات کا راز دان صرف معبود حقیقی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ان اللہ علیم بذات الصدور :(۹) (آل عمران پ۳، ۱۱۹)

ترجمہ: بے شک اللہ رب العزت دلوں کے رازوں سے خوب آگاہ ہے۔ یہی سبب ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

"ان اللہ لا ینظر الی صور کم و اموالکم ینظر الی قلوبکم و اعمالکم"(۱۰)

(صحیح مسلم ج ۱، ۳۱۷)

ترجمہ: بے شک اللہ تمہاری شکلیں اور تمہارے مال نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں کی کیفیت اور اعمال کو دیکھتا ہے۔

ان تینوں شعبوں کا باہمی ربط و تعلق اتنا فطری اور مضبوط ہے کہ اس میں رخنے ڈالنے سے دین کا تصور ناقص ہو جاتا ہے۔

جب انسان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان کے شعور سے بہرہ ور ہونے کے بعد اس حقیقت سے آگاہ ہوتا ہے کہ پروردگار نے مجھے روزانہ پانچ وقت نماز ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور میرے آقاء مولا علیہ السلام نے اس نماز کو ادا کرنے کا یہ عملی اور علمی طریقہ سکھایا ہے تو اسے (علم العقائد اور علم الاحکام) تک رسائی ہو جاتی ہے۔ جب وہ نماز ادا کرنے کے لئے صاف ستھرے کپڑے زیب تن کر کے پاک صاف پانی کے ساتھ از ابتدا تا انتہا اہتمام کے ساتھ وضو کرتا ہے اور پھر قبلہ رخ ہو کر باقاعدہ نماز کی ادائیگی کا آغاز کرتا ہے۔ جملہ فرائض و واجبات سنن و مستحبات تک کا لحاظ رکھتے ہوئے نماز ادا کر لیتا ہے تو اس نے علم

العقائد اور علم الاحکام تک اپنی ذہنی رسائی کے تقاضوں کو عملاً پورا کر دیا ہے۔ کیونکہ اسکی نماز فقہ کے تمام اصولوں پر پوری اترتی ہے۔

ظاہری صورت کے اعتبار سے نماز مکمل ہے لیکن یہ امر محل نظر ہے کہ آیا اسے نماز نے وہ کچھ دیا جو نماز دے سکتی ہے؟

عین ممکن ہے کہ نمازی کا چہرہ تو قبلہ کی جانب ہو رہا ہو لیکن اس کا دل خیالات فاسدہ سے بھرا ہوا ہو۔ جس میں بیوی، بچوں، گھر، دفتر یا کسی اور جگہ کے خیالات سے بھرا ہوا ہے۔ جس میں دل بیوی بچوں گھر دفتر یا کسی اور جگہ کے خیالات کا مرکز ہو جو کچھ زبان سے ادا ہو رہا ہے وہ دل کا نہیں زبان اور حلق کا ہے۔(۱۱)

قابل توجہ امر یہ ہے کہ اللہ دلوں کے معاملات سے آگاہ ہے۔ تو ایسی نماز کی بارگاہ خداوندی میں کیا اہمیت ہوگی۔ کہ دل عین حاضری کے وقت بھی اللہ کی بارگاہ کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ جب کہ اس نے ظاہر کے تقاضے پورے کر دئے یہ نماز علم الفقہ کے اعتبار سے مکمل ہے۔ لیکن علم الاخلاص کی نظر میں سرے سے نماز نہیں ہوتی۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے اگر حدیث نبوی ﷺ کی طرف رجوع کیا جائے تو حضور ﷺ کی معروف حدیث جو اہل علم میں حدیث جبریل کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس کا حصہ یہ حقائق واضح کرتا ہے۔

یا رسول اللہ احسان کیا ھے؟

ترجمہ: تم اللہ کی عبادت اسطرح کرو گویا تم اسکو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ کیفیت قائم نہ ہو تو یہ کیفیت رہنی چاہیئے کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے اسی کو تصوف کہتے ہیں جو دین کا تیسرا اہم شعبہ ہے۔ (۱۲)

اسکا احسان کھنا:

اور یہی احسان تصوف ہے۔ علم الاخلاص یا علم طریقت احسان کا لفظ چونکہ صحیح حدیث شریف سے

ثابت ہے۔ گویا تصوف بھی احادیث صحیح کی روح سے ثابت ہے۔

لفظ تصوف ازروئے مادہ اشتقاق:

تصوف کے مادہ اشتقاق اور لفظ صوفی کی وجہ تسمیہ کے باب میں علماء کبار کے مختلف اقوال ہیں۔ اہل علم نے تصوف کے درج ذیل مادہ اشتقاق بیان کئے ہیں۔

قول اول الصفاء:

بعض علماء کے نزدیک تصوف کا مادہ اشتقاق الصفاء ہے۔ جس کے معنی صفائی اور پاکیزگی کے ہیں۔ اس مادہ اشتقاق کی روح سے کسی شے کو ہر طرح کی ظاہری و باطنی آلودگی سے پاک وصاف کر کے اُجلا اور شفاف بنادینا تصوف ہے۔

شیخ ابوالفتح بستی تصوف کے معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ان التصوف کلمته اشتقت من الصفاء. (الشیخ ارسلان الامشقی)(۳۹)

ترجمہ: تصوف وہ کلمہ ہے جو صفا سے مشتق ہے جس کا معنی صفائی ہے۔

صاحب المنجد لفظ تصوف کی شرح بیان کرتے ہیں۔

صفی تصفیه الشییء وْ جعله صافیاً۔ (المنجد تحت مادہ صفا)

ترجمہ: صفا سے مراد کسی شے کو صاف اور اُجلا بنادینا ہے۔

حضرت داتا گنج بخش مخدوم علی ہجویری نے اپنی شہرہ تصنیف کشف المحجوب میں شیخ حصری" کا یہ قول کیا ہے:

التصوف صفاء انس من کدورة المخالفة (کشف المحجوب)

ترجمہ: باطن کی مخالفت حق کی کدورت اور سیاہی سے پاک وصاف کر دینے کا نام تصوف ہے۔

قول ثانی "الصفوا"

تصوف کا دوسرا مادہ اشتقاق "الصفوا" بیان کیا جاتا ہے۔جس کے معنی "محبت اور دوستی میں اخلاص" کے ہیں۔جیسا کہ:

الصفوا هوا اخلاص فیٰ المودهالصفیٰ هوا الصدیق المخلص (المنجدتحت مادہ صفو)

ترجمہ: الصفو کے معنی محبت میں اخلاص کے ہیں۔

قول ثالث:

تصوف کے بارے میں تیسرا قول اسکے "صوف" سے مشتق ہونے کا ہے۔جسکے معنی "اون" کے ہیں۔تفعل کے وزن پراس کا معنی ہے اس نے اُونی لباس پہنا۔

امام ابوالقاسم القشیر ی فرماتے ہیں۔

تصوف اذالبس الصوف کما یقال تقمص اذالبس القمیص.

ترجمہ: تصوف (اس وقت کہا جائے) جب کسی نے صوف کا لباس پہنا جیسے کسی کے قمیص پہننے پر تقمص بولا جاتا ہے۔

بعض مردان حق نے اظہار تزلل، مجاہدہ اور غائت عجز و نیاز کی خاطر کھر درا اونی لباس پہنا۔چنانچہ اس اونی لباس کی مناسبت سے ان کو صوفی کا لقب ملا۔

علامہ ابن خلدون اسی موقف کی تائید ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

ترجمہ: تصوف صوف سے مشتق ہے۔ کیونکہ اونی لباس اہل تصوف سے مختص تھا۔ کہا گیا ہے کہ اُون سے نسبت اس اعتبار سے ہے کہ لباس اسلاف مقربین کو زیادہ مرغوب تھا کیونکہ وہ زہد اور تواضع کے زیادہ قریب تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ انبیاء کا لباس بھی رہا ہے۔

قولِ رابع الصوف:

الصوف سے اشتقاق کے حوالے سے ایک معنیٰ "یکسو شدن" بھی بیان کیا گیا ہے یعنی کسی طرف پوری یکسوئی سے متوجہ ہو جانا۔ اس اعتبار سے تصوف کا مقصد و مطلوب ذات الٰہی کے ذکر و محبت میں اسقدر یکسوئی اور محویت حاصل کرنا ہے کہ ماسوائے اللہ کی طلب اور خواہش کہ ہر شئے سے دھیان بالکل ہٹ جائے اس کی تائید سورۃ مزمل میں ہوئی ہے۔

واذ کر اسم ربک تبتل الیه تبتیلا .(المزمل ۸)

ترجمہ: اے محبوب اپنے رب کے اسم کا ورد کرو اور ہر طرف سے کٹ کر صرف اس کے ہو جاؤ۔

علامہ غیاث الدین فرماتے ہیں:

ترجمہ: ہوسکتا ہے کہ تصوف صوف سے مشتق ہو جس کا معنٰی ہے یکسو ہو جانا اور ہر طرف سے منہ پھیر لینا چونکہ اللہ سے وصل کرنے والے ہر طرف سے کٹ کر اسی کے واصل ہوتے ہیں۔ اور ماسوائے اللہ سے روح گردانی کرتے ہیں۔ اس لئے ان کے احوال کو تصوف کہا جاتا ہے۔

غیاث اللغات، صفحہ ۱۱۳ غیاث اللغات، علامہ غیاث الدین، لکھنو، ۱۲۷۲ھ

قول خامس "الصفه"

بعض علماء نے تصوف کا مادہ اشتقاق صفہ سے بھی کیا ہے۔ جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شیخ ابو

بکر بن اسحاق بخاریؒ فرماتے ہیں۔

قال انما سموا ا مرفية لقرب او صافهم من او صاف اهل الصفه الذی کا نوا فی عهد رسول الله ﷺ (ایفاظالهم فی شرح الحکم ۱ :۲)

ترجمہ: ایک گروہ کا کہنا ہے کہ صوفیہ کی وجہ تسمیہ ان کا اعتبار اوصاف اصحاب صفہ سے قریب تر ہونا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں موجود تھے۔

اس قول کی تائید میں شیخ احمد الحسینیؒ فرماتے ہیں:

انه من الصفة. اذا جملہ الصاف بالمحامد و ترک الاوصاف المذ مومة شرح التصرف لمذ اهب (التصوف : ۲۱)

ترجمہ: یہ صفہ سے ماخوذ ہے کیونکہ تصوف تمام تر خوبیوں سے متصف ہونے اور اوصاف مذمومہ کے ترک کردینے پر مبنی ہے۔

قولِ سادس "الصف"

بعض علماء تصوف کو الصّف سے مشتق قرار دیتے ہیں۔

اس سلسلہ میں امام ابوالقاسم القشیری فرماتے ہیں۔

انه مشتق من الصف فعا نما فی الصف الاول بقلو بهم من حیث المحاضرة من الله تعالیٰ.

التصوف صف سے مشتق ہے گویہ کہ صوفیہ کے قلب باری تعالیٰ کے حضوری کے اعتبار سے صف اول میں ہوتے ہیں۔

تصوف کے لغوی پہلوؤں سے مشترک نکتہ:

لغوی اعتبار سے تصوف معانی ومطلب مذکورہ سطور میں بیان کیے گئے ہیں۔ان سب میں ایک بات مشترک ہے۔اوروہ یہ کہ تصوف اللہ رب العزت سے ایسی بے لوث اور بے غرض دوستی اور محبت کا نام ہے۔جو نہ صرف دنیاوی لالچ بلکہ اُخروی طمعہ سے بھی یکسر پاک ہواوراس راہ کے سالک کا قلب تعلق باللہ میں ہمہ نوع دینوی وآخروی منفعتوں مصلحتوں اور ہر قسم کے اندیشہ وخطرے سے کلیتاً بے گانہ ہوجائے۔جس کے نتیجے میں اخلاص فی النیۃ والعمل (نیت وعمل میں اخلاص) کا جذبہ ظاہر وباطن میں اس قدر راسخ ہوجائے کہ انسان کی بندگی خالصۃً متوجہ اللہ ہوجائے نہ دنیا وآخرت میں انعام وجزا کی آرزو بندے کے دل میں متحرک رہے اور نہ سزا اور عبادت کا خوف۔

الغرض تعلق باللہ کی لذت وحلاوت اور محبت الٰہی کی چاشنی وشرینی کو اس طرح حرز جان بنالیا جائے کہ بارگاہ صمد میں حاضری کے وقت اس کہ غیر کا موہوم سا خیال بھی بندے کے دل کے کسی گوشے میں راہ نہ پاسکے اور پھر اس طرح اسے ہمہ وقتی بندگی نصیب ہوجائے بس یہی حقیقت تصوف ہے۔(۱۳)

تصوف کے بارے میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی تشریح:

آپؒ حروف تصوف کے حوالے سے تصوف کی حقیقت یوں عیاں کرتے ہیں:

و یم یمسو اهل التصو ف الا لتصفية باطعنهم بنور المعرفة و التوحيد او لا انهم انتبو الا صحاب الصفة او اللبسهم الصوف للمبتدى صوف الغنم للمتوسط صوف المعز و لمنتهى صوف المرعز و هو صوف المرقع و كذ احا لاتهم فى الباطن على حسب مراتب احوالهم و كذابا لا طعمة و المطعم و المشرب قال صاحبالتفير المجمح يليق با هل الذها كل خشن من المبلس و المطعم و المشرب با هل المعر فة كل لبن منها فان انزال الناس منازهممن السنة لى لا تتعدى احد طوره لانهم فى الصف

الاول فی الحضرة الا حديه ملفظ التصوف اربعة احرف تاء وصاد ، وواؤ ، وفاء .

ترجمہ: صوفیاء کرام کا اھل تصوف کے نام سے تصوف موسوم ہونا ان وجوہات کی بناء پر نور معرفت اور توحید کے ذریعے اپنے باطن کو جملہ الائشوں سے پاک وصاف کرنے کی بناء پر ہے یا اس لئے کے اصحاب صفہ کی طرف منسوب ہیں۔ یا صوف اون پہننے کے اعتبار سے کیونکہ سلسلہ تصوف میں یہ مبتدی (جو تصوف کے ابتدائی مراحل میں ہو) بکری کا کھردرا صوف (لباس) پہنتے ہیں متوسط اوسط درجے کا صوفی) بکری کا صوف جو نہ زیادہ نرم ہو اور نہ زیادہ سخت اور منتہی (کامل جو تصوف کے مدراج طے کر چکے ہو) نرم اون کا لباس یعنی صوف کا مرقع (صوف کا لباس جس میں پیوند لگے ہوں) اور اسی طرح باطن میں ان کے احوال ان کے مراتب کے حسب حال ہوتے ہیں۔اوران کا کھانا پینا بھی ان کے حالات اور مراتب کے مطابق ہوتا ہے۔صاحب تفسیر مجمع نے لکھا ہے کہ اہل زہد کو چاہیے کہ وہ کھردرالباس پہنیں اور چھوٹھا موٹھا کھائیں اہل معرفت بہترین لباس پہنیں اور بہترین کھانا کھائیں لوگوں کو اپنی منازل میں اپنے حسب حال سنت نبوی ﷺ کے مطابق ہے۔ (تا کہ کوئی اپنی حد سے تجاوز نہ کرے) کیونکہ وہ (یعنی اہل معرفت) بارگاہ ایزدی میں اعلیٰ مراتب والوں میں سے لفظ تصوف چار حروف پر مشتمل ہے۔تا،صاء،واؤ،اور فاء۔

فالتاء:

مـن الـتـوبه و هو علي و جهين توبه الظاهر و توبه الباطن فتوبه الظاهر يه فهي ان يـر جـع لـجـمـيع اعضا يه الظاهريه من الذ نوب الذمانم الى الطاعات و من المخالفات الـى الـمـو افـقات قولا و فصلا اما التوبه فهي ان پر جع الى المو افقات بتصفيته القلب فاذا حصل تبديل الذميمته لحميدة فقد تم مقام التاء.

ترجمہ: ''ت'' سے مراد توبہ ہے۔اور وہ دو طرح کی ہے۔توبہ ظاہری اور توبہ باطنی توبہ ظاہری یہ ہے کہ

انسان قولاً فعلاً اپنے تمام اعضاء ظاہری کو گناہوں اور برائیوں سے ہٹا کر اطاعت شریعت اعمال سے توبہ کر کے اس کے اعمال کے مطابق عمل کرے توبہ باطنی یہ ہے کہ انسان دل کو آلائشوں سے پاک رکھے اور شریعت کے مطابق اعمال صالحہ کی طرف توجہ کرے پھر جب برائی نیکی میں بدل جائے تو ''ت'' کا مقام مکمل ہو گیا یعنی اس کو کامل توبہ نصیب ہوگی۔

"والصاد"

من الصفا و هو الضيا على و جهين صفاء القلب وصفا دالر الصلائق الى تحصل فى القلب من كثره الا كل الشرب و لنحام و الكلام و الملاحظات الدنيويه . مثل حب ذياده الجماع و زياده ححبته اولده واهله و نحوذ الك و الصفينه من هذه الحصال المذكورة لا يحصل لا ملا زمه ذكر اللّٰه تعالىٰ جهر افى الابتداالى ان يبلغ مقام الحنفيه كما قال اللّٰه تعالىٰ انما المومنون الذين اذا ذكر اللّٰه و جلت قلوبهم اى حسبت والخشيه لا يكون الا بعد انتها والقلب من كرم الفضيلته و تصفينه فينقش فيه صورة الغيب من الخبر والشر كما قال عليه الصلوة والسلام العالم ينفش والعارف يققل صفاء السر فهو بالا جستنات عما سوى اللّٰه تعالىٰ و ححبته بملازمته اسماء التوحيد بلسان الرفى سره فاذ ا احصل له هذه الصفنه فقد تم مصتام الصاد.

ترجمہ: ''الصادؔ''

صاد سے مراد صفائی ہے اسکی دو قسمیں ہیں:

ا۔ قلب کی صفائی اور مقام سر کی صفائی۔قلب کی صفائی یہ ہے کہ دل ان بشری کدورتوں اور الائشوں سے پاک ہو جائے جو عموماً دل کے اندر پائی جاتی ہے۔مثلاً بکثرت کھانے پینے، سونے سے اور

گفتگو کرنے کی خواہشات سے دینوی رنجشیں مثلاً زیادہ کسب اور کثرت جماع اور اپنے اہل وعیال سے حد سے زیادہ محبت وغیرہ ان مذکورہ عادات ذمیمہ سے دل کو پاک وصاف کرنیکا ایک ہی طریقہ ہے کہ ابتدا میں شیخ کامل کی تلقین سے ذکر جہر بالا التزام کیا جائے۔حتیٰ کہ مقام ذکر خفی ہوئے جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو انکے دل ڈھل جائیں اور عظمت الٰہی کا خوف کہ اس وقت پیدا ہو جب قلب غفلت کے نیند سے بیدار ہو جائے۔اور آئینہ دل صیقل ہونے کے بعد اس قدر شفاف ہو جائے کہ اس میں خیر وشر ایک غیبی صورت میں منقش ہو جائے۔یعنی نیکی اور بدی صاف نظر آنے لگے چنانچہ حضورﷺ کا ارشاد ہے کہ عالم نقش ونگار کرتا ہے اور عارف صیقل کرتا ہے۔یعنی عالم خیر وشر کی خوبیاں وخامیاں واضح کر کے عمل کی تلقین کرتا ہے اور عارف دلوں کو زنگ اُتارتا ہے۔

مقام سر کی صفائی اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے روگردانی اور اس کی محبت اور اسماء توحید کا زبان پر (باطنی زبان) سے دائمی ذکر کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔پس انسان جب اس صفت کا حامل ہو جاتا ہے تو مقام صاد مکمل ہو جاتا ہے۔

واؤ:

واما الواو فهو من الولاية وهي ترتيب على التصفية كما قال الله تبارک تعالىٰ الا ان اولياء الله لا خوف عليهم ولا هم يخزنون ہ لهم البشرىٰ في الخيوة الدنيا و في الاخرة و نتيجة الولاية ان يتخلق باخلاق الله تبارک تعالىٰ كما قال عليه الصلوة والسلام تخلقوا با خلاق الله تبارک تعالىٰ و يتلبس خلع صفات البشرية كما قال تبارک تعالىٰ اذا احببت عبد ا كنت لها لها وا لصبر اولسانا ديدار جللفي يسمع و بي يبصر وى ينطق و بي يبطش وبي يمشي فتنهذ بوا بما اتته تبارک تعالىٰ كما قال جل و

علا قل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا محصل مقام الواو .

ترجمہ:۔ واؤ سے مراد ولائت ہے یہ ایک مرتبہ ہے جو تصفیہ صفائی قلب کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے خبردار بے شک اللہ تعالی کے دوستوں کے لئے نہ کوئی خوف ہے اور نہ غم ان کے لئے دنیا اور آخرت میں خوشخبری ہے۔ ولائت ماحصل یہ ہے کہ انسان اپنے اندر اخلاق الٰہیہ پیدا کرے جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا اپنے اندر خدائی اخلاق پیدا کرو اور جامہ صفات بشریت اُتار کر صفات الٰہیہ کا لباس پہنے حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ جب میں کسی بندے کو دوست رکھتا ہوں تو میں اُس کے کان، آنکھ، ہاتھ، زبان اور پاؤں بن جاتا ہوں۔ پھر وہ میرے ہی واسطے سے سنتا، دیکھتا، بولتا، پکڑتا اور چلتا ہے۔ ماسوا اللہ اپنے باطن کو پاک کرو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اے محبوب! فرما دیجیے حق آیا اور باطل کو مٹاتا ہے۔ پس مقام واؤ حاصل ہو گیا۔

الفاء:

واما الفاء فهوا لفناء فى الله جل جلاله فاا فى صفات البشريه يبتى صفات الاحديه و هوسبخانه لا يغنى ولا يزول فبقى العبد الفانى مع الرب الباقى و مر ضياته و يبقى القلب الفانى مع السر الباقى و نظيره، كما قال الله تعالىٰ كل شيً مالك الا وجهه يجتمل ان بالرضاء الى مايوجه اليه من الاعمال الصالحته لوجهى و رضاته فيبقى المرضى مع الراضى و نتيجه العمل الصالح حيوته حقيقته الانسان المسمى يطفل المعافى كما قال الله تبارك و تعالياليه يمعن الكلم الطيب ولعمل الصالح يرفع فكل عمل يكون بغير الله تعالىٰ فيه شركه فهو هالك لعامله فازاتم الفناء فيه وحصل البقاء فيالعالم القرية كما قال الله فى مقصد صدق عند مالك مقتدر و هو مقام الانبياء

الاولیاء فی العالم اللھھوت کما قال اللہ تبارک و تعالیٰ واللہ مع الصادقین.

فالحادت اذاقتران بالقدیم لم یبق الصوفی مع الحق سبحانہ تعالیٰ اصحاب الجنتہ ھم فیھا خلدون و کما قال اللہ تعالیٰ واللہ مع الصابرین. (سورۃ الاسرا ۸۸تا ۹۹)

ترجمہ: ''ف'' سے مرادفناء فی اللہ ہے۔ جب صفات بشری فناء ہو جاتی ہے تو صفات باری تعالیٰ باقی رہ جاتی ہیں۔ کیونکہ اس ذات پاک کو نہ زوال ہے اور نہ ہی فناء لہذا عبد فانی کو غیر فانی ذات کے ساتھ اور اس کی پسندیدگی اور قبولیت سے باقی باللہ کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے اور قلب فانی کو سر باقی کے ساتھ بقا حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کی مثال جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا اس ذات کے سوا ہر چیز فانی ہے۔ لہذا اسکی ذات اور خوشنودی کے لئے اعمال صالحہ کی کوفت برداشت کرے۔ جب بندہ اللہ تعالیٰ کی رضا پالیتا ہے۔ تو اس کی برگزیدہ و پسندیدہ بندے کو راضی ہونے والی ذات (یعنی اللہ تعالیٰ) کے ساتھ بقاء حاصل ہو جاتی ہے۔ اور اعمال صالحہ کا ماحصل ہے کہ وہ انسان حقیقی (جو اس کے باطن میں ہے) جیسے طفل قلب فانی المعانی کہتے ہیں۔ زندہ ہو جاتا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے اسی کی طرف چڑھتا ہے پاکیزہ کلام اور جو نیک کام ہے وہ اسے بلند کرتا ہے ہر وہ عمل جس میں شرکت غیر اللہ جو عامل کی ہلاکت کا باعث ہے۔ مکمل فناء کے بعد عالم قرب میں بقاء حاصل ہو جاتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے سچ کی مجلس میں قدرت والے بادشاہ کے حضور یعنی اس کی بارگاہ کے مقرب ہیں۔ اور یہ مقام ھوت میں انبیاء علیھم السلام اور اولیاء کرام کیلئے مخصوص ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ صادقوں کے ساتھ ہے۔

بس حادث جب قدیم سے ملتا ہے تو اسکا اپنا وجود باقی نہیں رہتا جب فقر مکمل ہو جاتا ہے تو صوفی کو ہمیشہ کیلئے بقا ہے۔ الحق کا مقام حاصل ہو جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اہل جنت ہمیشہ اس میں رہیں گے نیز فرمایا اللہ تعالیٰ ہمیشہ صابروں کے ساتھ ہے۔ (۱۴)

فصل دوم:(تاریخِ تصوف)

تصوف تاریخ کیا ھے اس لفظ کی ابتدا کب ھوئی؟

اورصوفی کا آغاز اورارتقاء کب ہوااس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ لفظ صوفی قرآن میں موجود نہیں۔

اس کے علاوہ عہد رسالت ﷺ اور عہد صحابہ رضوان اللہ اجمعین تک یہ دونوں اصطلاحات غیر مستعمل اور غیر مروج تھیں۔گوان کا باقائدہ استعمال دوسری صدی ہجری کے اوائل میں شروع ہوا لیکن دوسری صدی لے کر آخر تک یہ اصطلاحات زبان زد خاص وعام تھی عوام وخواص اس سے مانوس ہو چکے تھے۔اور شب وروز مجمع میں تنہائی میں ہر جگہ اس کا تذکرہ جاری تھا۔گویا صحابہ وتابعین کے بعد لقب صوفی اہل اللہ کیلئے معروف تھا۔عرب وعجم میں جہاں اسلام کی روشنی تھی وہاں لفظ صوفی موجود تھا۔

تصوف کے بارے میں شکوك و شهبات:

چونکہ یہ لفظ منزل من اللہ نہیں نہ ہی جناب رسالت مآب ﷺ کے دور میں اور نہ ہی جناب صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین کے دور میں تصوف کی اصطلاح کا باقاعدہ وجود تھا۔

اس بناء پر عصر حاضر کے بعض علمی وادبی حلقوں میں عام مغالطہ پایا جاتا ہے کہ تصوف بنیادی طور پر عجم سے درآمد شدہ فلسفہ روحانیت ہے۔بعض نے اس کی نسبت عیسائیت کی طرف کی اور بعض نے یہودی راہبوں کی طرف کی اور بعض نے ہندومت کو اس کی بنیاد قرار دیا اس بناء پر کہ اس کا اسلامی الاصل ہونا ثابت نہیں نیز تصوف کی تمام مصطلحات غیر اسلامی اور عجمی فکر وفلسفہ کی پیداوار ہیں۔بنا بریں یہ لوگ بعض سطحی اور یک طرفہ مطالعہ کی بنا پر تصوف کو بدعت اور اسلام میں نوارد اجنبی فلسفہ خیال کرتے ہیں۔اور اسے ایک

متوازی دین قرار دیتے ہیں۔

لیکن اگر بنظر غائر اسلام کی حقیقی تعلیمات اسلام کے مطلوب کے معنوی اور صوری حسن و جمال کے حصول کے منہاج کا کھوج لگایا جائے تو تصوف کے بارے میں مصلحت کی بنا پر پیدا شدہ یہ تصور یقیناً نقش برآب ثابت ہوتا ہے۔ اور اس کا عجمی یا غیر اسلامی عیسائیت سے اخذ شدہ یہودیت سے مستعار لیا ہوا تصور ہونے کے الزام کی سطح اور غیر حقیقی حیثیت بھی از خود واضح ہو جاتی ہے یہ ایک بدیہی اور علمی طور پر تسلیم شدہ حقیقت ہے۔ دین، تفسیر، حدیث اور فقہ اور اسلام کے ماخذ سے متعلق ہزاروں اصطلاحات جو فی زمانہ مروج اور مستعمل ہیں جنہیں ہر دور کے اہل علم اور صاحب فکر ونظر بلا تکلف استعمال کرتے چلے آرہے ہیں۔ اکثر و بیشتر دور مابعد نبوت کی پیداوار ہیں۔ حتیٰ کہ یہ اصطلاحات اگر تاریخ میں غور وفکر کیا جائے تو عہد صحابہ بلکہ عہد تابعین کے ادوار میں علمی دنیا میں ناپید اور غیر مروج نظر آتی ہیں۔ ان اصطلاحات کی ترتیب و تدوین دوسری اور تیسری صدی ہجری سے شروع ہو کر چوتھی اور پانچویں صدی ہجری تک پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اسلامی علوم و فنون کی تدوین کا کام تدریجی بنیادوں پر آئمہ امت، ماہرین، محدثین محققین، مفسرین نے تسلسل سے جاری رکھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ علمی وفنی ضروریات کے تحت نئی نئی اصطلاحات معرض وجود میں آتی رہیں۔ اور دامنِ علم بتدریج ان سے بھرتا گیا۔

کسی اصطلاح کی حیثیت صرف عنوان کی ہوتی ہیں:

ان اصطلاحات کو وضع کرنے میں کون سا مقصد کارفرما ہوتا ہے۔ اس ضمن میں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اصطلاح کی حیثیت محض عنوان کی ہوتی ہے۔ جس کا مقصد ایجاز و اختصار کے ساتھ ابلاغ موضوع کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی اسے اصل مضمون کے مساوی یا ہم پلہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس حقیقت کو ایک مثال کے ذریعے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ کہ ایک شخص ایک کتاب تصنیف یا تالیف کرنا چاہتا

ہے جب کتاب شروع کرتا ہے تو یقیناً! اس کا نام تجویز کرتا ہے۔ اگر وہ کسی پرانی کتاب کا نام تجویز کرے تو قاری کو شائبہ ہوتا ہے۔ کہ یہ کتاب وہ پہلے پڑھ چکا ہے۔ اس لئے اسے ایک نیا نام تجویز کرنا پڑھتا ہے ۔ جب وہ کتاب لکھنا شروع کرتا ہے۔ تو کتاب کے مندرجات اور شمولیت کو مدنظر رکھ کر اس کا ایک عنوان تجویز کرتا ہے۔ جس کا مقصد فقط اس بات کا اظہار و بیان ہوتا ہے۔ کہ کتاب فلاں موضوع پر ہے۔ اس کے اندر زیر بحث آنے والے مضامین اور مندرجات کا دائرہ بحث یہ ہے ۔ گویا کتاب کے مندرجات **(Contents)** مباحث کتاب کی نشاندہی اور نمائندگی کرتے ہیں۔ اور کتاب کا عنوان اس کے مندرجات پر دلالت کرتا ہے۔ کتاب کے مضامین میں اور عنوان کتاب میں ایک قریب اور گہرا رابطہ پایا جاتا ہے۔

بنابریں عنوان کا جدید یا قدیم ہونا وقتی ضروریات اور مصالح کے تحت عنوان کا بدلتے رہنا یا کتاب کی تصنیف کے بعد عنوان تجویز کیا جانا فی نفسہ اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ کتاب کا نفس مضمون اور مرکزی خیال تو صدیوں پرانا ہو لیکن مصنف نے قارئین کی سہولت و آسانی اور بعض مصالح کی بنا پر جدید عنوان تحریر کر دیا ہو۔ جیسے صحیح بخاری۔ صحیح مسلم، مشکوٰۃ، ترمزی وغیرہ ان کا حدیث رسول ﷺ سے تعلق محض عنوان کا ہے۔

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ عنوانات و مصطلحات کے پس منظر میں پائے جانے والے مختلف افکار و نظریات اور تصورات کا وقت اور زمانے کے ساتھ ہے۔ جو بجائے خود تسلسل سے عبارت ہے۔ جو قدیم و جدید تمام زمانے کو محیط ہے۔ لہذا اگر کوئی تصور فی الواقع قدیم ہے اس پر دلالت کرنے والی اصطلاح نے قدیم یا جدید ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور اس کی واقعیت یا اصلیت ہرگز ہرگز محل نظر نہیں ٹھہرتی اس حقیقت کو اقبال کی زبان حقیقت ترجمان یوں آشکارا کرتی ہے۔

زمانہ ایک حیات ایک کائنات بھی ایک
دلیل کم نظری قصہ قدیم و جدید

چنانچہ صاحب عقل ودانش جب غواصی بحر کیلئے غوطہ زن ہوتے ہیں تو ان کا مطلوب ومقصود گہر اہوتا ہے نہ کہ صدف۔

علوم اسلامیہ میں اصطلاحات کی نا گزیر ضروریات:

آیئے: ہم مختلف علوم اسلامیہ کے لحاظ سے اصطلاحات کی افادیت، اہمیت ونا گزیریت اور قدیم وجدید تصور کا ایک اہم نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں۔

قرآن کے معارف ومطالب اور مفاہم بیان کرنے کو علم تفسیر کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ جب یہ علم ایک باقاعدہ فن کا درجہ اختیار کر گیا تو اس کی تفہیم کرنے کے لئے اصطلاحات کی حیثیت محض عنوان کی ہے۔اور یہ اپنی جگہ ایجاز واختصار اس اعجاز کی حامل ہیں۔کہ دریا بہ حباب اندر کی شان رکھتی ہے۔گویا اصطلاحات عنوانات ہی کا دوسرا نام ہے۔

اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو کیا دور بعد نبوت میں وقتاً فوقتاً تدریجی عمل کے نتیجے میں وضع ہونے والی ان اصطلاحات کو محض نیا ہونے کے اعتبار سے قرآنی علوم کے دائرے سے خارج کر دیا جائے گا۔اور ان کی اہمیت وافادیت کو محض اس لئے محل نظر نہیں ٹھہرایا جائے گا۔کہ یہ دور نبوی ﷺ یا دور صحابہ میں مستعمل نہیں تھیں۔ہرگز نہیں۔اس لئے کہ ایسا ممکن تسلیم کر لیا جائے تو پھر اسلام کے دامن میں کون سا علمی سرمایا باقی رہ جائے گا۔جس کی صداقت وحقانیت پر فخر کیا جاسکے گا۔

فی الواقع یہ انداز فکر علم اور تاریخ علم پر ایک سنگین ظلم ہوگا۔

یہی حال علم حدیث کا ہے۔محدثین حدیث کے ردو قبول کے مدارج کے اعتبار سے متعدد اقسام میں تبدیل کیا ہے۔پھر کسی کو ضعیف کسی کو مرسل۔کسی کو منقطع، کس کو خبر واحد، کسی کو خبر عزیز، کسی کو غریب، کسی کو مفرد۔کسی کو مرفوع، اور کسی کو صحیح قرار دیا پھر اس کی مزید درجہ بندی کرتے ہوئے کسی کو صحیح لذاتہ، کسی کو حسن

لغیرہ کے عنوان سے منسوب کیا۔ ردوقبول کے ان مختلف معیارات کے تعین پر مستزاد یہ کہ کتب حدیث کی بھی ان کے اسلوب ترتیب کی بنا پر جامع، سنن، مسند، اربعین اور دیگر اصطلاحات کے تحت درجہ بندی کی گئی۔ اس طرح حدیث کے ردوقبول کے اعتبار سے بیسیوں اصطلاحات وضع ہوئیں۔

پھر اسماء رجال جو ایک مستقل فن معرض وجود میں آیا۔ جو علم حدیث کا ایک مستقل موضوع ہے۔ جس کی افادیت و اہمیت سے انکار فی زمانہ ممکن نہیں۔ اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ علم حدیث کے فن میں جتنی بھی اصطلاحات فی زمانہ مروج و مستعمل ہیں۔ عہد نبوی ﷺ اور دور صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین میں اس کا کوئی وجود نہیں ملتا۔

یہ ایک نا قابل تردید حقیقت ہے کہ ایک عرصہ بعد جب علم حدیث ایک باقاعدہ فن اور سائنس کی صورت میں مرتب و مدون ہونا شروع ہوا تو یہ اصطلاحات ضرورت علمی کے تحت بتدریج وضع ہوتی چلی گئی۔ علی ھذ االقیاس علم فقہ جو سراسر قرآن وسنت پر مبنی علم ہے اس کی جملہ اصطلاحات جو آج مسائل شرعیہ کی تحقیق وتعین میں مستعمل و مروج ہیں۔ حضور ﷺ اور صحابہ کے ادوار میں کہیں دکھائی نہیں دیتیں۔ نہ قرآن مجید میں ان کا ذکر کہیں دکھائی دیتا ہے۔ نہ حضور ﷺ نے اس حوالہ سے کبھی گفتگو فرمائی۔ اس کی ضرورت اس وقت پیش آئی جب علم فقہ کو ایک مستقل فن کی حیثیت سے مدون و مرتب کرنے کا مرحلہ پیش آیا۔ چنانچہ قرآنی آیات سے احکام و مسائل کا استنباط کرنے کیلئے کسی کو محکم، کسی کو مجمل، کسی کو مفسر اور کسی کو متشابہ کہا جاتا ہے۔ اس طرح نظام عبادات کو علمی اصطلاحات کے تحت منظم کرنے کیلئے فرض، واجب، مستحب، مباح، مکروہ تنزیہی، مکروہ تحریمی۔ خلاف اولی۔ ایصار اور حرام جیسی اصطلاحات وضع ہوئی۔

ان تمام اصطلاحات کا مقصد و مدعا سوائے اس کے کچھ نہیں کہ احکام و مسائل کو بغیر کسی اشتباہ و التباس کے کھول کھول کر بیان کر دیا جائے۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ کوئی اصطلاح بھی فی نفسہ کبھی مقصود نہیں ہوا کرتی اصل مقصد نفس مضمون کا

مفہوم کا ابلاغ (Communication) یعنی بات کو ذہین میں اچھی طرح راسخ کرنا ہوا کرتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا محض اصطلاحات کی اس جدت کی بنا پر قرآن وسنت سے ماخوذ پورے تشریع نظام کو رد کریں گے؟

کوئی بھی اہل علم، عقل ودانش کا اہل شخص اس بنا پر اس کو رد نہیں کرسکتا۔

"تصوف "قرآن و سنت پر مبنی ھے:

مندرجہ بالا توضیحات کی بنا پر اگر عمیق دیکھا جائے تو حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ تصوف تزکیہ نفس اور قلب وباطن کی صفا اور جلا کا نام ہے۔ جس کا خمیر علوم قرآن وسنت نبوی ﷺ سے اٹھا ہے۔ ایک تصور فلسفہ روحانیت اور ضابطہ زندگی کی حیثیت سے تصوف کا رشتہ عہد رسالت ﷺ اور عہد صحابہ سے استوار ہے۔ بالالفاظ دیگر روح تصوف صوفی اور اس کی عملی کیفیات حضور وسرور قلوب واذھان اس دور باسعادت میں متموج تھیں۔ اگرچہ تصوف صوفی اور اس نظام روحانیت سے متعلقہ دوسری اصطلاحات دیگر اسلامی علوم و فنون کی طرح وقت کے ساتھ ساتھ حسب ضرورت وضع ہوتی چلی گئیں۔ گزشتہ صفحات میں پیش کردہ استدلال کے پیش نظر محض اصطلاحات کے جدید ہونے کی بنا پر کسی علم و فن کی مطلقاً Naegation کسی بھی صاحب علم اور سلیم الفطرت اور انصاف پسند شخص کو زیب نہیں دیتا۔

چنانچہ اصطلاحات کے حوالے سے تصوف کو ایک متوازی ذہن بدعت وضلالت یا عجمی فلسفہ وتصور قرار دینا سطح بینی کا کرشمہ ہوسکتا ہے۔ یا پھر بقول متنبیؔ:

وکم من غائب قولاً صحیحا
وآفتہ من الفھم السقیم

ترجمہ: اور کتنے ہی ایک صحیح بات سے عیب نکالنے والے ہوتے ہیں۔ حالانکہ ساری آفت سقم زدہ فہم کی ہوتی ہے۔

المختصر **تصوف** کی اصطلاحات جس طرح قرآن وحدیث کے علوم میں ایجاد ہوتی گئیں۔اس طرح اس میں بھی ہوئیں۔لیکن اس کی اصل قرآن وسنت ہی ہے۔اس لئے یہ اعتراضات قابل توجہ نہیں۔

تصوف اور صوفی کی اصطلاحات کے رواج کی تاریخ:

تصوف اور صوفی کی اصطلاحات کو جیسے کہ قبل ازیں اشارۃً ذکر کیا جا چکا ہے۔حضور نبی کریم ﷺ کے وصال کے کم وبیش سو سال بعد دوسری ہجری میں رواج پزیر ہوئیں۔تاہم اس کی شروعات حدیث تفسیر اور فقہ کی اصطلاحات کے باقاعدہ رواج سے پہلے ہو چکی تھیں۔جب کہ ابھی تابعین کا مبارک دور تھا۔جسے حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے ارشاد پاک میں اس طرح واضح کیا کہ:

خیر الناس قرنی ثم الذین یلونھم.(١٥) (صحیح بخاری، ج ا ،صفحہ ٣٦٢)

ترجمہ: بہترین لوگ میرے زمانے کے ہیں۔پھر جو ان کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔

شیخ شہاب الدین سہروردی کا قول:

واللّٰہ تعالیٰ ذکر فی القران طوائف الخیروا الصلاح فسمی قوما ابرار و اخرین مقربین ومنھم الصابرون والصادقون والذاکرون والمحبون واسم الصوفی مشتمل علی جمیع المتفرق فی ھذا الاسماء المذکورة و ھذا الاسم لم یکن فی زمن رسول اللّٰہ ﷺ وقیل کان فی زمن التابعین و نقل عن الحسن البصری انہ قال رائت صوفیاً فی الطواف فاعطیتہ، شیئاً فلم یاخذ وقال معی اربع دو انیق یکفینی ما معی و یشید ھذا ماروی عن سفیان انہ قال لو لا ابو ھاشم الصوفی ما عرفت د قیق الریا ء وھذا یدل علی ان ھذا الاسم کان یعرف قدیما و قیل لم یعرف ھذا الاسم الی الما ئتین من الھجرة

والعربيه لان فی زمن رسول الله ﷺ كان اصحاب رسول الله ﷺ يسمون الرجل صحا بيا اشرف صحبة رسول الله ﷺ و كن الا شارة اليها اولی من كل اشارة و بعد العراض عهد رسول الله ﷺ من اخذ منهم العلم مسمی تابعيا ثم لما تقادم زمان الرسالة و بعد عهد النبوة و انقطع الوحی المساوی و تواری النور المصطفوی واختلف الآ راء وتنوعت الانحاء وتفرد كل ذی رای يزايه وكد ا شرب العلوم شوب الاهوية وعزعت ابنية المتقين و اضطربت عزائم الزاهدين وغلبت الجهالات و كشف حجا بها و كثرت العادات و تملكت اربابها الز خر فت و كثرت خطاياها تفرد طائفة باعمال صالحة واحوال سنية و صدق فی العزيمة و قو .ة فی الدين و زهد وافی الدنيا و محبتها واغتنمو العزلة والواحدة واتخذ و والنفوسهم زوايا يجتمعون فيها تارة وينفردون اخری ،اسوة باهل الصفة تاركين للا سباب متبتلين الی رب الارباب فاثم لهم بعد اللسان لسان و بعد العرفان وبعد العرفان عرفان وبعدالايمان ايمان كما قال حارثة اصبحت مومن حقاحيث كشف برتبة فی الايمان غير ما يتعا هد ها فصارلهم بمقتضی ذالک علوم يعرفونها واشارات يتعاهدونها،فخر روا لنفوسهم اصطلاحات تشير الی معان يعرفونها وتعرب من احوال يجدو نها فاخذ ذالک الخلف عن السلف حتی صار ذالک ربما مستمراوخبر ا مستقرا فی كل عصروزمان مطهر هذا الاسم بينهمم و سمو ابه فالا سم سمتهم والعلم بالله صفتهم والبا دتهم حليهم والتقوی شعارهم و حقائق الحقيقة اسرارا هم نزا ع القبائل واصحاب الفضائل مكان لباب الغيرة و قطان ديار الحيرة لهم مع الساعات عن امداد فضل الله مزيد و لهيب مشو قهم يتا حج و يقول هل من مزيد اللهم احشر نا فی زمر تهم و رزقنا حلا تهم.(١٦)

(بحوالہ عارف المعارف از شہاب الدین سہروردی۔ص ۲_۵۲۰۴)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بھلائی اااور اصلاح والے گروہ کا تذکرہ کیا کسی کو ابرار کہا کسی کو مقربین کہا اور کسی کو صادقین کہا اور کسی کو ذاکرین کہا اور کسی کو محبین کے اسم سے نوازا اسم صوفی ان تمام گروہوں پر منطبق ہوتا ہے۔ جو ان اسماء کے تحت مذکور ہیں۔ اور یہ اسم دور نبوی ﷺ میں موجود نہ تھا۔ تاہم یہ کہا جاتا ہے کہ یہ اسم دور تابعین میں موجود تھا۔ اور حضرت حسن بصری تابعی سے منقول ہے کہ میں نے ایک صوفی کو کعبے کا طواف کرتے دیکھا۔ اور اسے کوئی چیز دی لیکن اس نے نہ لی۔ اور کہا میرے پاس چار دوانیق ہیں۔ اور قول تائید کرتا ہے اس بات کی جو سفیان ثوریؒ سے روائت کی گئی ہے۔ کہ اگر شیخ ابو ہاشم صوفی نہ ہوتے تو میں ریاء کی باریکیوں کو جان نہ پاتا۔ یہ بات اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ دور قدیم میں اسم (صوفی) معروف تھا۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہ اسم ہجرت نبوی ﷺ کے بعد دو سو سال تک معروف نہ تھا کیونکہ نبی کریم ﷺ کے دور میں آپ ﷺ کے صحابہ اس آدمی کو صحابی کا نام دیتے جو آپ ﷺ کی صحبت سے مشرف ہوتا۔ کیونکہ اس میں صحبت رسول اللہ ﷺ کی طرف اشارہ تھا۔ جو ہر اشارے سے بہتر تھا۔ اور عہد رسالت مآب ﷺ کے بعد جس نے صحابہ سے علم حاصل کیا اسے تابعی کا نام دیا گیا۔ پھر جب عہد رسالت اور آسمانی وحی کو منقطع ہونے کا عرصہ گزر گیا اور نور مصطفوی ﷺ پوشیدہ ہو گیا۔ اور لوگوں کی آراء مختلف ہو گئی۔ ہر صاحب رائے اپنی رائے میں منفرد ہو گیا اور اور علمی فضاء کو نفسانی خواہشات سے مکدر کر دیا۔ متقین کی بنیادیں ہل گئیں۔ اور زاہدوں کے عزائم متزلزل ہو گئے۔ جہالتوں کا غلبہ ہونے لگا۔ اور اس کے پردے دلوں پر گہرے ہو گئے۔ عادات بگڑ گئیں۔ اور ارباب دنیا خرافات دنیا میں کھو گئے۔ اور خطا کاریوں میں مبتلا ہو گئے۔ تو ایک گروہ نیک اعمال اور روشن احوال اور عزیمت میں صدق اور دین میں قوت کے ساتھ الگ ہو گیا۔ انہوں نے دنیا اور اس کی محبت سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ اور عزلت اور تنہائی کو غنیمت جانا۔ اور انہوں نے اپنے لئے الگ گوشے بنا لئے جہاں وہ کبھی جمع ہوتے اور پھر الگ ہو جاتے۔ ان میں اصحاب صفہ کا نمونہ موجود تھا۔ انہوں

نے اسباب کو ترک کر دیا۔ اور ہمہ تن اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ تو ان کے نیک اعمال ان کے لئے روشن اور منور احوال کا پھل لائے۔ اور علوم الٰہیہ کے قبول کرنے کے لئے فہم کی صفائی مہیا کی، اس طرح ان کی ظاہری زبان کے ساتھ باطنی زبان اور عرفان حوصلہ کے بعد ایک اور عرفان اور ایمان ظاہری کے ساتھ ایمان باطنی سے بھی بہرہ ور ہو گئے۔ جس طرح کہ حضرت حارثہ نے فرمایا کہ جب مجھے ایمان کے غیر معمولی مرتبے کا کشف ہوا جو عام لوگوں میں نہیں پایا جاتا تو میں حقیقی اور صحیح معنوں میں مومن بن گیا۔ بس جب ان علوم نے ان گوشہ نشینوں کو نئے علوم سے واقف کرایا تو انہوں نے ان علوم جدیدہ کے لئے اصطلاحات وضع کیں۔ جو ان خیالات کی ترجمانی کر سکیں۔ جو ان کے وجدان و باطنی کیفیات کو ظاہر کر سکیں پھر اخلاف نے اپنے اسلاف سے اس کی تعلیمات حاصل کرنا شروع کی اور یہ سلسلہ جاری و ساری ہو گیا۔ یہاں تک کہ زمانہ مابعد میں اس نے ایک باقاعدہ علم اور مستقل اسم کی صورت اختیار کر لی تو یہ اسم صوفی ان میں رائج ہو گیا۔ اور یہ لوگ خود بھی اس نام سے موسوم ہو گئے۔ بس اس وقت سے یہ اسم ان کی نشانی ہے۔ اور علم الٰہی ان کی صفت ہے۔ عبادت الٰہی ان کا زیور ہے۔ اور تقویٰ ان کا شعار اور حقیقت الٰہیہ کے حقائق ان کے اسرار ہیں یہ حضرات قبیلوں کو چھوڑ کر غیرت کے قبوں میں رہتے ہیں۔ اور حیرت کی دنیا میں آباد ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے لحظہ بہ لحظہ ترقی کی طرف رواں ہیں۔ اور محبت الٰہی کی آگ ان کے دلوں میں شعلہ زن ہے۔ اور پھر بھی تشنگی کے عالم میں محبت الٰہی کے عالم میں ھل من مرید کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔

اے اللہ ہمارا اس گروہ کے ساتھ کرنا اور ان کے باطنی حالات کو نصیب فرما۔ آمین۔

(عوارف المعارف، صفحہ ۲۰۴۔۲۰۵)

یہ اقتباس اصطلاح تصوف (صوفی) کے آغاز، ارتقاء، تاریخ و رواج کی بطریق احسن وضاحت کرتا ہے۔ اور اصحاب صوفیاء کے ہوس، نفس پرستی و ذہنی آلودگیوں استحوان گیری کے دور میں عشق الٰہی اور خالص دینی شمعیں جلانے کی دلیل ناطق ہے۔ اور ان اصطلاحات مدلولات کا بے مثال بیان ہے۔ اس

اقتباس پر جس قدر غور وفکر کیا جائے اہل تصوف بطور فلسفہ روحانیت عبادت وریاضت کا مقصد مدعا ٹھرتا ہے۔

شیخ ابونصر سراج طوسی نے ''کتاب اللمع'' میں لکھا ہے کہ

ان هذا الاسم ليس بمحدث لان الحسن البصرى الذى ادرك جماعة من الصحبة راى صوفيا يطوف بالكعبة .(١٧)

(الشیخ ارسلان دمشقی صفحہ ۲۵)

ترجمہ: بیشک یہ اسم (صوفی) نیا نہیں ہے۔ کیونکہ حسن بصری جنہوں نے صحابہ کی ایک جماعت کو پایا ایک صوفی کو کعبہ کے طواف میں مشغول دیکھا۔

لفظ صوفی کا بے ساختگی سے استعمال اس حقیقت کا غماز ہے کہ حضرت حسن بصریؒ کے زمانے میں کسی کو صوفی کے نام سے پکارنے کا رواج اس قدر عام تھا کہ لوگ اس اصطلاح سے بخوبی آشنا اور مانوس ہو چکے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے کمال بے تکلفی سے اس اصطلاح کی تفصیل میں جائے بغیر کہہ دیا کہ میں نے ایک صوفی کو کعبے کا طواف کرتے ہوئے دیکھا ظاہر ہے کہ یہ بات وہی کہہ سکتا ہے کہ جس کو یقین ہو کہ جو کچھ وہ کہے گا اس کا سامع بلا تامل سمجھ لے گا۔

حضرت امام سفیان ثوریؒ اور شیخ ابو الھاشم اورصوفی کی پھلی خانقاہ کی تاریخ:

اسی دور میں ایک اور صاحب حال بزرگ ہوئے جو امام حنیفہؒ کے استاد بھی ہیں اور شاگرد بھی۔ آپ اپنے وقت کے بہت بڑے متقی، پرہیزگار، محدث، مؤرخ، اور جلیل القدر امام جن کو سفیان ثوریؒ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ آپ کا شمار ممتاز تابعین میں ہوتا ہے۔ ابوعبدالرحمٰن السلمی آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

ترجمہ: سفیان بن سعید بن مسروق بن حبیب رافع ثوریؒ آپ عبد مناۃ کے قبیلہ ثور سے ہیں۔ اور کہا گیا ہے

کہ آپ ہمدان کے قبیلہ ثور سے آپ ابوعبداللہ الکوفی۔ان آئمہ میں سے ہیں جو علم کے سمندر تھے۔اور آپ کوئی بات نہ سنتے تھے۔مگر یہ کہ آپ کو حفظ ہو جاتی۔

خطیب کہتا ہے کہ امام ثوری آئمہ مسلمین میں بڑے جلیل القدر امام تھے اور دین مبین کی نشانیوں میں سی ایک نشانی ہے۔آپ کی امامت ضبط، حفظ اور معرفت پر سب متفق ہیں۔آپ کا ۱۶۱ھ میں بصرہ میں انتقال ہوا اور ۷۷ھ میں آپ پیدا ہوئے۔(۱۸)

(بحوالہ طبقات الصوفیہ (تذہیب الکمال) صفحہ ۱۲۳)

مولانا عبدالرحمن جامیؒ نے سفیان کے بارے میں لکھا ہے کہ:

حضرت ابوہاشم صوفی اپنی کنیت سے مشہور ہیں۔شام میں آپ بہت بڑے شیخ کامل تھے۔اور اصل میں آپ کوفی تھے ۱۶۱ھ میں بصرہ میں آپ سفیان ثوری کے ساتھ تھے۔حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ اگر ابوہاشم صوفی نہ ہوتے تو میں ریاء کاریوں کی باریک باتوں سے واقف نہ ہوتا۔

حضرت سفیان ثوری یہ بھی فرماتے ہیں کہ جب تک میں نے شیخ ابوالہاشم کو نہیں دیکھا تھا مجھے پتا نہ تھا کہ صوفی کیسے ہوتے ہیں؟ ہر چند کہ آپ سے پہلے ایسے بہت سے بزرگ گزرے ہیں۔جو زہد و تقویٰ ،توکل اور محبت اور معاملات میں باکمال اصحاب تھے۔لیکن یہ انفرادیت اور وصف آپ ہی کے ساتھ خاص ہیں۔کہ آپ کو صوفی کہا گیا ہے۔آپ سے پہلے کسی شخص کو اس نام سے پکارا نہیں گیا۔اسی طرح سب سے پہلے صوفیوں کے لئے آپ ہی نے رملہ شام، میں پہلی خانقاہ قائم کی اور اس کا سبب یہ تھا کہ ایک دن ایک امیر جو آتش پرست تھا شکار کے لئے باہر گیا ہوا تھا۔راستے میں اس نے دیکھا کہ دو شخص آپس میں بغلگیر ہوئے اور اسی جگہ بیٹھ گئے اور جو کچھ ان کے پاس زادراہ تھا نکالا اور باہم کھانے لگے۔اور پھر روانہ ہو گئے امیر کو ان کا یہ باہمی خلوص اور دوستانہ بہت پسند آیا۔تو اس نے ان میں سے ایک سے پوچھا کہ تمہارا دوسرا ساتھی کون تھا اس نے کہا میں نہیں جانتا۔کیا تجھے اس سے کوئی کام تھا؟ امیر نے کہا نہیں پھر امیر نے پوچھا وہ

کدھر سے آ رہا تھا؟ اس نے کہا مجھے یہ بھی معلوم نہیں پھر امیر نے کہا تمہارے درمیان یہ محبت اور خلوص کیسا؟ اس درویش نے کہا ہمارا طریقہ یہی ہے امیر نے دریافت کیا تمہارا کوئی ٹھکانہ ہے جہاں تم ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہو؟ درویش نے جواب دیا ہمارے پاس ایسی کوئی جگہ نہیں امیر نے کہا میں تمہارے لئے ایک مکان تیار کروا دیتا ہوں جہاں تم ایک دوسرے سے مل سکو۔ پس امیر نے ایک خانقار ملہ (شام) میں تعمیر کرادی۔ (۱۹) (نفحات الانس)

گویا سفیان ثوری جیسے بزرگ بھی اقرار کرتے ہیں۔ کہ اگر شیخ الہاشم صوفی جیسے عارف کامل نہ ہوتے تو ریاکاری کے بارے میں بہت سی باریک اور پیچیدہ باتوں کو ہم نہ جان پاتے اور ان کے عرفان سے محروم رہتے۔ یعنی یہ پتا ہی نہ چلتا کہ کیا کیا افعال خفیہ اور خواطر قلب ہیں جس سے ریاکاری فکر و عمل میں در آتی ہے ان معرفتوں کا علم کتابوں کے ذریعے نہیں بلکہ شیخ ابوالہاشم صوفی کی معرفت اور فیض صحبت سے حاصل ہوا گویا شیخ ابوالہاشم وہ پہلے بزرگ تھے جن کو شیخ ابوالہاشم صوفی کے لقب سے پکارا گیا۔ پیشتر مذکور ہے کہ حضرت سفیان ثوریؒ جلیل القدر تابعی تھے آپ کی وفات ۱۶۱ھ میں ہوئی۔ اب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ تابعین اور تبع تابعین کے دور میں بڑے بڑے علماء اور محدثین صوفی کے لقب سے پکارے جانے لگے تھے۔ جیسا کہ نفحات الانس کے طویل اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے۔

اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے شیخ ابوالہاشم نے رملہ (شام) کے مقام پر باقاعدہ پہلی خانقاہ تعمیر کروائی تھی۔ یہ گویا نبی اکرم ﷺ کی اس سنت کی پیروی تھی کہ آپ ﷺ کے زمانہ اقدس میں مسجد نبوی ﷺ سے متصل صفہ کی خانقاہ صوفیاء صحابہ کی پہلی تربیت گاہ تھی جس کے معلم خود سرکار ﷺ تھے۔

تصوف اور شریعت سے متعلق امام مالک کا فتویٰ:

اسی دور سعادت کے ایک نامور بزرگ امام مالکؒ بھی ہیں۔ جو نابغہ روزگار، برگزیدہ، امام و مجتہد فقہ مالکی کے

بانی ہیں۔آپ سال پیدائش باختلاف روایت ۹۳ھ،۹۴ھ،۹۵ھ، بتایا جاتا ہے۔اور سال وفات ۱۷۹ھ ہے۔امام مالکؒ نے اگرچہ زیادہ زمانہ تبع تابعین کا پایا لیکن اکتساب فیض تابعین سے کیا امام موصوف کا یہ قول مشہور ہے۔

من تفقة و لم يتصوف فقد تفسق و من تصوف و لم يتفقه فقد تزندق و من جمع بينهما فقد تحقق. (۲۰)(مرقاة المفاتيح ج ۱ ،صفحه ۲۵۶)

ترجمہ: جو فقہ میں ماہر ہوا اور تصوف سے نابلد رہا، یقیناً فسق کا مرتکب ہوا اور جو تصوف میں ڈوب گیا اور فقہ سے بے بہرہ رہا وہ زندیق ہو گیا اور جس نے فقہ اور تصوف دونوں کو اپنے اندر جمع کر لیا وہ حقیقت کو پا گیا۔

امام مالک کے فرمان کی روح سے جس نے فقہ کے ظاہری علم کو اپنایا لیکن تصوف کو نظر انداز کر کے اس جذبے و محرک سے محروم رہا جو محبت الٰہی ہے۔اور عمل پر اخلاص فی العمل کا سبب ہے وہ فسق و فجور کی راہ پر چل نکلا۔اس کے برعکس جس نے تصوف کو اپنایا۔لیکن شریعت کے ظاہری احکامات کو پس پشت ڈالا، وہ ملحد اور زندیق ہو گیا۔اور ایمان اور عمل دونوں سے محروم ہو گیا۔لیکن جس خوش نصیب نے فقہ اور تصوف دونوں کو اپنی ذات میں جمع کیا یعنی شریعت کے ظاہری احکامات کی بجا آوری کے ساتھ طریقت کے باطنی آداب بھی بجالایا اس نے حق پالیا۔دراصل علم فقہ و علم طریقت کو ایک ساتھ دامن میں لپیٹنے والا ہی جادہ حق کا رہرو اور واصل الی المطلوب ہے۔اور جس نے دونوں میں تفریق روا رکھی اور صرف ایک کو اختیار کیا وہ گویا صراط مستقیم سے بھٹک گیا۔

امام مالک کا یہ ارشاد بڑی صراحت کے ساتھ تصوف کی اصلیت اور مفہوم اور معنیٰ کی وضاحت کرتا ہے اور اس قول سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تصوف کی یہ تمام اصطلاحات دوسری صدی ہجری میں مروج اور مستعمل تھیں۔اور اہل علم بلا تامل اپنی گفتگو اور تصنیفات میں ان کا استعمال کرتے تھے۔اور یہ سب اصطلاحات ان کے لئے مطلقاً اجنبی **(allen)** نہ رہی تھی۔

''تصوف کے بارے میں مولانا عبدالماجد دریا آبادی کی تحقیق''

مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے تصوف کے بارے میں اپنی کتاب ''تصوف اسلام'' میں جامع بحث کی ہے۔ وہ اخبار مکہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ لفظ صوفی عہد اسلام سے پہلے بھی رائج تھا۔ اور عابد اور برگزیدہ اشخاص کے لئے مستعمل تھا۔ بمقام دیگر رقم طراز ہیں۔ مسلمانوں میں ابتداء سے ایک گرو ایسا موجود تھا جس نے تمام مقاصد دنیاوی سے قطعہ نظر کر کے اپنا نصب العین محض یاد خدا ذکر الٰہی کو رکھا۔ اور صدق وصفاء سلوک واحسان کے مختلف طریقوں پر عامل رہا۔ شروع شروع میں یہ گروہ دوسرے ناموں سے ملقب رہا۔ ایک طویل عرصہ گزر جانے کے بعد رفتہ رفتہ اس مسلک کا نام مسلک تصوف پڑ گیا۔ اور یہ گروہ ''صوفیا'' کہلانے لگا۔ (تصوف اسلام صفحہ نمبر ۴)

آگے چل کر رقم طراز ہیں۔ یہاں کہنا صرف یہ ہے کہ اس گروہ کے اکابرین پہلے مسلمان تھے پھر صوفی و تصوف کو اسلام کے سامنے ایک جداگانہ مسلک کی حیثیت سے نہیں لاتے تھے۔ بلکہ اسلام کے ماتحت اس کی پاکیزہ ترین صورت کو تصوف کہتے تھے۔ وہ اپنے اسلام کو اپنے تصوف پر مقدم رکھتے تھے۔ اور تصوف کو محض اس لئے عزیز رکھتے تھے کہ وہ ان کے نزدیک اسلام کی خالص ترین و پاکیزہ ترین تعبیر تھی۔

تصوف کے بارے میں مزید لکھتے ہیں۔

ان حضرات کے نزدیک تصوف کا مفہوم محض اس قدر تھا کہ اتباع کتاب وسنت میں انتہائی سعی کی جائے۔ اسوہ رسول ﷺ وصحابہ کرام کو دلیل رکھا جائے۔۔ اور اوامر ونواھی کی تعمیل کی جائے۔ طاعات و عبادات کو مقصود حیات سمجھا جائے۔ قلب کو محبت و تعلق ماسوا سے الگ کیا جائے، نفس کو خشیت الٰہی سے مغلوب کیا جائے۔ اور صفائے معاملات و تزکیہ باطن میں جدوجہد وسعی کی کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ

ہونے پائے۔

(تصوف اسلام صفحہ نمبر ۴،۵)

جناب عبدالماجد دریا آبادی کتاب اللمع کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں۔ منکرین تصوف میں سے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ قرآن وحدیث کے سارے دفتر میں نہ کہیں تصوف کا ذکر آیا ہے نہ کہیں گروہ صوفیاء کا اس لئے اس مسلک کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن حضرت مصنف جس تصوف کے قائل ہیں اس کے تذکرے سے کلام مجید بھرا پڑا ہے۔

فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں ایسی عبارات والفاظ بکثرت آئے ہیں جن سے مراد اہل تصوف ہی ہے۔ مثلاً:

صادقین و صادقات ،قانتین،قانتات،خاشعین،موقنین، مخلصین،محسنین ،خائفین،عابدین،ذاکرین، صابرین، راسخین، متوکلین،محبین اولیاء مصطفین ،ابرار مقربین،مقتدین،مسارعین الی الخیرات ،مشاھدین اصلاً اس آیت میں (او القی السمع و ھو شھید) اور مطمئنین(مثلاً اس آیت میں الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب)

حقیقت یہ ہے کہ تصوف روح دین ہونے کے ناطے قرآن حکیم میں جا بجا معناً مذکور ہے جب کہ علمی سطح پر دیگر اصطلاحات کی طرح روحانی نظام کے لئے تصوف کی اصطلاح بعد میں رائج ہوئی۔(۲۱)

اصحاب صفه:

شیخ احمد رفاعی بنوصفہ اور اصحاب صفہ کو ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

الفقیر علی الطریق مادام علی السنة حاد عنها زل من الطریق قیل لهذا الطائفة الصوفیه واختلف الناس فی سبب التسمیه وسببها غریب لا یعرفه الکثیر من الفقراء و

هو ان جماعة من مضريقال لهم بنو الصوفه و هو الغوث بن مربن اد بن طابخة الر بيط كانت امه لا يعيش لها الولد فنذ رت ان عاش لها ولد لتر بطن بر اله صوفة و تجعله ربيط الكعبة و قد كانو البخيز ون الحاج الى ان من الله بظهور الاسلام فاسلمو او كانو اعباد ا ونقل عن بعضهم حديث رسول الله ﷺ فمن صحبهم سمى بالصوفى و كذالک من صحب من صبهم البرهان المويد (ص صفحه نمبر ۲۹، ۳۰)

ترجمہ: فقیر صحیح راستے پر ہے۔ جب تک سنت پر رہے اور جب اس سے منحرف ہو جائے تو راستے سے بھٹک گیا اس گروہ کو صوفیاء کہا گیا ان کی وجہ تسمیہ میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ اور سبب اس کا عجیب ہے جسے اکثر فقراء نہیں سمجھتے۔ اور وہ یہ کہ قبیلہ مضر میں ایک جماعت تھی۔ جنہیں بنو صوفہ کہا جاتا ہے اور وہ تھا غوث بن مر بن اد بن طابخہ الربیط۔ اس کی ماں کا کوئی بیٹا زندہ نہ رہتا تھا پس اس نے نذر مانی کہ اگر اس کا کوئی بیٹا زندہ رہا تو وہ اس کے سر پر صوفہ باندھے گا اور اس کعبے کے لئے وقف کرے گی۔

پھر یہ جماعت حجاج کی خدمت میں انعامات پیش کرے۔ تا انکہ اللہ تعالیٰ نے ظہور اسلام کا احسان فرمایا اور وہ لوگ اسلام لا کر عبادت گزار بن گئے۔ بعض نے رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا ہے کہ جو ان کی صحبت میں رہے صوفی کہلانے لگے۔ اس طرح جو صوفی کہلانے والوں کی محبت میں رہے وہ بھی صوفی کہلانے لگے۔

گویا بنو صوفہ سے اکتساب فیض کرنے والے ہر بزرگ کو صوفی کہا جانے لگا تھا۔ ''اخبار مکہ'' اور ''البرہان المویذ'' کہ ان ہر دو حوالوں میں قابل غور نکتہ یہ ہے کہ رحمت عالم ﷺ کی بعثت مبارکہ کے بعد جب یہ لوگ حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ تو انہی بنو صوفہ میں سے وہ لوگ جو حضور ﷺ کی غلامی سے مشرف ہوئے انہیں مسجد نبوی کے چبوترے صفہ پر رسول اللہ ﷺ سے براہ راست فیض اور تربیت پانے کا موقع ملا۔ اور وہ اصحاب صفہ کے معزز لقب سے ملقب ہوئے۔ رحمت اسلام کو اپنے دامن میں سمیٹنے سے پہلے

موقع ملا۔اور وہ اصحاب صفہ کے معزز لقب سے ملقب ہوئے۔رحمت اسلام کو اپنے دامن میں سمیٹنے سے پہلے یہ کلی الاصل لوگ پیشہ تجارت یا کسی اور روزگار سے منسلک نہ ہونے کی وجہ سے زمرہ غرباء اور فقراء میں سے تھے۔ہجرت کے بعد یہ مدینہ میں چلے آئے۔اور ان میں سے اکثر و بیشتر حضور ﷺ کے غلاموں کے زمرے میں شامل ہو کر شب و روز تربیت وصحبت مصطفوی ﷺ سے فیض یاب ہونے لگے۔ان درویش صفت متقی اور پرہیز گار لوگوں نے جن کا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا۔اپنی سرگرمیاں مکمل دین اسلام کی خاطر وقف کر دی۔اور اسلام کی اولین تربیت گاہ صفہ میں براہ راست معلم انسانیت کی نظر کیمیاء اثر کی بدولت ظاہری اور باطنی تربیت سے بہرہ ور ہوئے۔(۲۲)

اصحاب صفہ قرآن کی نظر میں:

انہیں اصحاب صفہ کے بارے میں قرآن کی متعدد آیات نازل ہوئی۔مثلاً:

للفقرآء الذين احصروا فى سبيل الله لا يستطيعون ضربا فى الارض يحسبهم الجاهل اغنياء من التعفف تعرفهم بسيماهم لايسئلون الناس الحافا.(البقره ب ۲ ۲۷۳ آیت،(۲۳)

ترجمہ: خیرات ان فقراء کا حق ہے جو اللہ کی راہ میں رکے ہوئے ہیں۔وہ زمین پر چل پھر نہیں سکتے۔(کسب معاش کے لئے) ناواقف ان کے سوال نہ کرنے کے باعث تونگر اور دولت مند سمجھتے ہیں۔(حالانکہ ان کا دست سوال دراز نہ کرنا ان کے زہد اور خلق سے لا پرواہی کے سبب ہے) تم ان کو ان کے چہروں سے پہچان لیتے ہو۔وہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔

علامہ ثناء اللہ پانی پتی نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے۔یہ حدیث نقل کی ہے:

اخرج ابن المنذر عن ابن عباس هم اهل الصفه كانو انحو من اربع ما ئة رجل

المسجد یتفرقون اوقاتھم بالتعلم والعبادۃ و کانو یخرجون فی کل سریۃ یبعثھا رسول اللہ ﷺ (تفسیر المظھری، ج ۱، صفحہ ۳۹۲)(۲۴)

ترجمہ: ابن المنذر نے ابن عباس سے روایت کیا کہ اہل صفہ تقریباً چار سو افراد تھے جو فقراء مہاجرین میں سے تھے۔ مدینہ طیبہ میں ان کے پاس نہ تو رہنے کی جگہ تھی نہ وہاں ان کا قبیلہ تھا وہ مسجد نبوی کے چبوترے میں رہتے تھے۔ اور ہمہ وقت تعلیم حاصل کرتے تھے اور عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ اور ہر لشکر کے ساتھ جہاد کے لئے نکلتے تھے جسے رسول اللہ ﷺ بھیجتے۔

یہ آیت جہاں اصحاب صفہ کی شان فقراء کو آشکارہ کرتی ہے۔ وہاں روحانیت کے اثرات انسانی شخصیت پر عملی صورت میں بھی پیش کرتی ہے۔ ان غریب مفلوک الحال اور عبادت گزار بزرگ صحابہ کا ذکر قرآن حکیم میں دوسرے مقام پر یوں ہوا۔

واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغدٰوۃ والعشی یریدون وجھہ.(۲۵)(الکھف ۲۸)

ترجمہ: اور اپنے آپ کو روکے رکھیں ان لوگوں کے ساتھ جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے رہتے ہیں اور صرف اسی کے مکھڑے کے طلبگار ہیں۔

صاحب فتوحات الٰہیہ اس آیت کے شان نزول کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وقیل نزلت ھذہ الایۃ فی الاصحاب الصفہ و کانو سبعمائۃ فقراء فی المسجد رسول اللہ ﷺ لا یخرجون الی تجارۃ ولا زرع و ضرع یصلون صلوۃ و ینتظرون اخری فلما نزلت ھذا الایۃ قال النبی الحمد للہ الذی جعل فی امتی منان اصبر نفسی معھم.(۲۶)(الفتحات الھیہ صفحہ ۲۰)

ترجمہ: اور کہا گیا کہ یہ آیت اصحاب کے بارے میں نازل ہوئی اور وہ سات سو افراد تھے۔ جو مسجد نبوی

شریف میں رہنے والے فقراء تھے۔ وہ نہ تو تجارت کے لئے نکلتے اور نہ ہی کھیتی باڑی کرتے وہ ایک نماز ادا کرتے اور دوسری نماز کے منتظر رہتے۔ پس جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ تمام تعریفیں اللہ رب العزت کے لئے ہیں جس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا کئے کہ میں اپنے آپ کو ان کے ساتھ رکھوں۔

علامہ ابن کثیر اس آیت کا شان نزول ایک حدیث کے حوالے سے بیان کرتے ہیں۔ جس سے ضمناً اصحاب صفہ کی ایک تصویر کھنچ جاتی ہے۔

عن عبدالرحمن بن سهل بن حنيف قال نزلت على رسول الله ﷺ و هو في بعض ابياته واصبر نفسک مع الذين يد عون ربهم با لغد ا و والعشي يريد ون وجهه يخرج يلتمسهم فوجد قوما يذ کرون الله تعالىٰ منهم تاثر الراس الجلد و ذ والثوب الواحد فلما راهم جلس هم وقال الحمد الله الذى جعل في امتى من امرني ان اصبر نفسي معهم .(۲۷)(تفسير ابن کثير ۳: ۸۱)

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن سہل بن حنیف سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ حضور ﷺ پر یہ آیت (واصبر نفسک) نازل ہوئی جب آپ گھروں میں سے کسی گھر میں تشریف فرما تھے تو آپ ان کی تلاش میں باہر تشریف لائے پس آپ نے ایسے لوگوں کو پایا جو اللہ رب العزت کے ذکر میں محو تھے۔ ان کے سر کے بال پراگندہ تھے۔ جلدیں خشک تھیں۔ اور ایک ہی کپڑا پہنے ہوئے تھے۔ پس آپ نے انہیں دیکھا تو ان کے پاس تشریف فرما ہوئے اور فرمایا کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔ جس نے میری امت میں وہ لوگ پیدا فرمائے کہ میں اپنے آپ کو ان کے ساتھ روکے رکھوں۔

اس آیت سے اصحاب صفہ کے باب میں نبی اکرم ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ اے نبی ﷺ وہ فاقہ مست اور خستہ حال لوگ جو صبح و شام اپنے اللہ کو پکارتے ہیں۔ اور اس کے مکھڑے کے طلبگار رہتے ہیں۔ جب وہ تیری معیت میں آئیں اور تیری صحبت میں بیٹھتے ہوں تو ان سے صرف نظر نہ فرمایئے بلکہ ان کی دلجوئی

اور شفقت کی بہاران پر نچھاور کر دیں۔سوال ابھرتا ہے۔کہ ان بظاہر پریشان حال فاقہ مستوں کو اتنی محبت اور شفقت کا مستحق ٹھرایا جاتا ہے۔کہ اللہ رب العزت اپنے نبی کو ان کی دلجوئی اور خاطرداری کی تلقین فرماتے ہیں۔اس کا سبب صرف یہ ہے۔کہ انہوں نے اپنے رب العزت کی خاطر ساری دنیا سے منہ موڑ لیا اور صرف محبوب حقیقی کے ہوکر رہ گئے ان کی حالت یہ تھی کہ شب و روز اپنے رب کو پکارتے تھے اور اس کی یاد میں محو رہ کر اس کی رضا اور دیدار کے طلبگار رہتے ہیں۔جیسا کہ پیشتر بیان کیا گیا ہے یہ وہی لوگ تھے جو پہلے بنو صوفہ میں سے تھے اور بعد میں حضور ﷺ کی غلامی میں داخل ہو کر اصحاب صفہ کہلائے۔

حدیث سول ﷺ اور قرآن حکیم:

اگر مذکورہ بالا حدیث کو قرآن مجید کی درج ذیل آیت کی روشنی میں دیکھا جائے۔حقیقت واضح ہو جائے گی۔اللہ رب العزت حضور ﷺ کو از رائے تعلیم ارشاد فرماتے ہیں۔

ولا تعد عيناک عنهم تريد زينة الحيوٰة الدنيا فلا تطع من اغفلنا قبله عن ذكر نا.(٢٨)(الكهف ١٨ .٢٨)

ترجمہ: اور آپ بھی اپنی آنکھیں دنیاوی زندگی کی رونق کے خیال سے ان سے نہ ہٹائیں۔اور آپ اس شخص کا کہنا نہ مانیں جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا۔

یعنی اے پیارے رسول ﷺ آپ ان سے صرف نظر نہ کیجیے اور انہیں اپنی نگاہ کرم سے محروم نہ کیجئے ان سے نگاہیں پھیرنے کا قرآن یہ مطلب لے رہا ہے۔کہ ایسا کرنا حیات دنیاوی کی زیب و زینت میں کھو جانے اور اللہ کے ذکر سے غافل ہو جانے کے مترادف ہے۔لیکن ایسا تو ممکن نہیں کہ آپ دنیا کی زینت کے طلبگار رہوں۔دراصل مراد یہ ہے کہ جب آپ عملاً حیات دنیاوی کی زیب و زینت کو ایک آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے اور ان طالبان دنیا کو درخور اعتنا نہیں سمجھتے جو غفلت کی وجہ سے یاد الٰہی سے غافل ہیں۔اور وہ لوگ جو

ہر لحہ یادالٰہی میں مشغول ہیں ان سے صرف نظر کرنے والے حضرت علی ہجویری کی بیان کردہ حدیث کی مطابق اللہ کے ہاں اہل غفلت میں شمار ہوتے ہیں۔اس طرح قرآن حکیم نے اس حدیث کی معنوی تائید بھی فرمادی اور یہ نقطہ بھی واضح ہوگیا۔ کہ تصوف کی راہ سے ہٹنے والوں کا شمار غافلوں میں ہوتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ صوفیاء کے نزدیک غفلت زہر قاتل ہے۔اہل دل اور باخدا لوگ اللہ سے رورو کر التجا کرتے ہیں۔ کہ اے باری تعالیٰ ہمیں غفلت سے نجات عطا فرما۔ایک لحہ غفلت صدیوں کی مسافت کے بعد طے کردہ منزل سے محروم کر دیتی ہے۔

عارف کامل حضرت سلطان باھوؒ غفلت کی ضرر رسانیوں سے اہل دل کو یوں خبر دار کرتے ہیں۔

جودم غافل سودم کافر

یعنی اہل دل کے ہاں غفلت کا ایک لحہ حالت ایمان سے حالت کفر میں پہنچا دیتا ہے۔صوفیاء کے نزدیک غفلت ایمان سے محرومی کا نام ہے۔اس لئے کہ اگر ایک لحہ کے لئے توجہ محبوب حقیقی سے ہٹ جائے یا محبوب کی نگاہ التفات بندے سے ہٹ جائے تو صوفیاء کے نزدیک یہ حالت بندے کے لئے حالت کفر ہے۔

شیخ ابولعباس مرسیؒ ایک بزرگ گزرے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ:

لو حجب عنی رسول اللّٰہ ﷺ طرفة عینک ما عدوت نفسی من جملة المسلمین. (۲۹)(تفسیر روح المعانی الاحزاب ۴۰)

ترجمہ: اگر پلک جھپکنے کی مدت کے لئے بھی نبی اکرم ﷺ کا روح اقدس میری نظروں سے اوجھل ہو جائے تو میں خود کو مسلمان تصور نہیں کرتا۔

اس قول سے یہ امر ثابت ہے کہ جو لوگ فنافی الرسول کے مقام پر فائز ہوتے ہیں۔وہ ایک لحہ بھی غفلت سے نہیں گزارتے۔

گزشتہ تمام تر بحث کا خلاصہ اور ماحصل یہ ہے کہ تصوف سر بسر اسلام کے بطن سے پھوٹنے والا چشمہ ہے۔ اور اس کا ماخذ قرآن وسنت کے سوا کچھ نہیں شجر اسلام کی آبیاری تصوف کے آب حیات سے ہی ممکن ہے۔ اور اگر تصوف کے سوتے خشک ہو گئے تو شجر اسلام کی قوت نمو شل ہو جائے گی۔ اور مزید پھلنے پھولنے کی صلاحیت سے محروم ہو جائے گی۔

جیسا کہ بصراحت قلمبند کیا گیا کہ تصوف کی اصطلاحات کو دور اوائل اسلام میں موجود تھیں۔ لیکن بوجوہ اکثر لوگ اس سے نا آشنا تھے۔ اور ان کا باقائدہ استعمال نہ ہوتا تھا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان اصطلاحات کے عدم استعمال کی کیا وجہ تھی؟ حقیقت یہ ہے کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ میں اسلام کے روحانی تقاضوں سے متعلق تمام خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ وہ صوفی، درویش، متوکل، راضی برضائے الٰہی، محبّ اور محبوب بھی کچھ تھے۔ غرض یہ کہ وہ ان سب اوصاف سے متصف تھے۔ جو حیطہ خیال میں آ سکتے تھے۔ لیکن ان سب اوصاف سے بڑا وصف جو ان کے لئے باعث فخر تھا۔ وہ ان کا حضور ﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہونا تھا۔ اور یہ اتنا بڑا شرف اور اعزاز تھا۔ کہ اس پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔ حضور ﷺ کی صحبت میں بیٹھنے والے ہر ایمان دار مرد اور عورت کو صحابی اور صحابیہ کے معزز قابل رشک لقب سے نوازا جاتا تھا۔

صحبت مصطفٰے ﷺ سے فیض یاب ہونے والا ہر شخص صحابی تھا۔ یہ اس عظیم المرتبت لقب صحابی کے مقابلے میں صوفی کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ بلکہ اس میں کیا کلام ہے کہ صحابی کا مرتبہ اتنا بلند ہے کہ لاکھوں کروڑوں اولیاء، ابدال، غوث اور قطب چاہے کتنے بلند و ارفع مقامات طے کر لیں۔ وہ صحابی رسول ﷺ کی گرد کو نہیں پہنچ سکتے۔

چنانچہ صحابیت کا جو لقب ان کے حصے میں آیا اس کے مقابلے میں باقی سب شرف و اعزاز ہیچ ہیں۔ صحابیت وہ مقام ہے۔ جسے باقی تمام مقامات پر تقدم اور عظمت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے صحابہ کرام نے اس لقب کے علاوہ کسی بھی اور لقب سے پکارا جانا کبھی پسند نہ فرماتے۔

پھر حضور ﷺ کی ظاہری حیات سے پردہ فرمانے کے بعد صحابہ کرام کی محبت میں بیٹھنے والے اور کسب فیض کرنے والوں کو تابعی کا نام دیا گیا۔ یہی حال تابعین کا تھا۔ ان کے نزدیک صحبت صحابہ کا شرف اور اس کا منسوب لقب دوسرے سب القاب سے اس لئے عزیز تر تھا کہ یہ لقب ایک واسطے سے حضور ﷺ سے براہ راست نسبت کے اعزاز پر دلالت کرتا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ تابعین حضور ﷺ کے مبارک چہرے کا دیدار کرنے والی آنکھوں کا دیدار اور ان کی صحبت میں بیٹھنے سے بڑھ کر اور جو نسبت تابعی ان کو حاصل تھی اس کو چھوڑ کر کسی اور لقب پر راضی نہ تھے۔ اس تائید و توثیق مندرجہ ذیل علماء نے بھی فرمائی۔

ومن سمع اهل التصوف فلا يومن على دعائه كتب عندالله من الغافلين.

۱۔	شیخ ابونصر سراج طوسی	(کتاب اللمع ۲۲)
۲۔	امام ابوالقاسم قشیری	(الرسالہ قشیریہ ۸)
۳۔	حاجی خلیفہ صاحب کشف الظنون	(کشف الظنون ۱:۴:۴)
۴۔	مولانا عبدالماجد دریا آبادی	(تصوف اسلام ۶۶۔۶۷)

پھر بدلتے ہوئے زمانے کے تقاضوں کے مطابق نئے نئے القابات و اصطلاحات معرض وجود میں آئیں۔ لہٰذا اہل دل اور اہل صفا نے بدلتے ہوئے زمانے کے تقاضوں کے تحت صفائے باطن کے حوالے سے لقب ''صوفی'' کو اختیار کرنے میں کوئی مضائقہ نہ سمجھا۔ (۳۰)

حاصل بحث:

تعریف تصوف سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ تصوف باطن کی صفائی کا نام ہے۔ یعنی انسان کے باطن میں یا اس کی زبان اور دیگر اعضاء سے اور دل سے جو اخلاق ذمیمہ مثلاً غیبت، چغلی، مداح سرائی، گالی گلوچ،

تکبر، حسد، کینہ وغیرہ ان سے باطن کو پاک وصاف کر کے انکی جگہ اخلاق حمیدہ وہ صفات خاص جن کا قرآن و حدیث پاک میں جا بجا تذکرہ ہے ان صفات عالیہ سے باطن کو منور کر دینا یہی خاصہ ہے۔ انبیاء کرام اور بالخصوص سرور کائنات ﷺ کا اور صحابہ کا اور تابعین کا اور یہی وہ کمال ہے جو صوفیاء عظام نے اپنایا۔

تعریف تصوف کا مفہوم یہی ہے۔ کہ اخلاق ذمیمہ سے باطن کو خالی کر کے اس میں اخلاق حمیدہ بھر دیئے جائیں۔

رہی یہ بات کہ اسکا نام تصوف کیوں ہے؟ تو تحقیق سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مرور زمانہ سے بہت سی نئی ضروری اصطلاحیں ایجاد کی گئیں۔ جن کا فی زمانہ کوئی بھی منکر نہیں۔ مثلاً وہ علم جس میں مسائل شرعیہ ہوں۔ طہارت کیسے حاصل کی جاتی ہے، نماز کیسے ادا کی جاتی ہے، نمازوں کے اوقات کون کون سے ہیں، نکاح، خلع،، وراثت وغیرہ کے متعلق جو احکام ہیں انہیں فقہ کا نام دیا جاتا ہے۔ اور آج اس نام پر کوئی اعتراض نہیں۔ اس طرح احادیث کی اصطلاحات صحیح، متواتر عزیز، غریب اس کا بھی زمانہ رسالت میں کوئی تذکرہ نہیں تھا۔ علم منطق جو مدارس میں پڑھایا جاتا ہے یہ بھی قرآن وحدیث کو سمجھنے کا ذریعہ ہے۔ اس کا بھی زمانہ رسالت میں تذکرہ نہیں ملتا۔ یہ بعد کی ایجاد ہے۔ جس طرح یہ چیزیں جاری وساری ہیں۔

اس طرح باطن کا تصفیہ کرنے والے علم کا نام علم تصوف رکھ دیا گیا۔ اور یہ نام بھی دور تابعین سے شروع ہوا۔ اور دور تابعین میں ہی اسے کمال شہرت نصیب ہوگئی۔

اگر صفاء باطن کیلئے باقاعدہ اصحاب صفہ حضور ﷺ کے اذن اور اجازت سے مصروف تھے۔ گویا تصوف پر عمل دور نبوی سے ثابت ہے۔ اور اس وقت صحابی سے بڑھ کر کوئی عظمت والا نام نہیں تھا۔ بعد میں بوقت ضرورت فقہ کی طرح اس نام کو بھی استعمال کیا گیا۔

تاریخ تصوف:

مذکورہ بالا تحقیق سے یہ ثابت ہو گیا کہ جس طرح مولانا جامی نے سفیان ثوری کے بارے میں لکھا ہے ۱۶۱ھ میں یہ ابو الہاشم کے ساتھ تھے۔ اور انہوں نے کہا کہ اگر ابو الہاشم صوفی نہ ہوتے تو میں ریا کی باریکیوں کو نہ سمجھ سکتا تھا۔

اور یہ بات پایہ ثابت کو پہنچی کہ سفیان ثوری امام حنیفہ کے استاد بھی ہیں اور شاگرد بھی، چونکہ فقہ کے موجد امام ابو حنیفہؒ ہیں۔ گویا حقیقت یہ کہ جس وقت تصوف کا لفظ ایجاد ہوا اس وقت ابو الہاشم صوفی کے نام سے معروف تھے اور بلا جھجک اس لفظ کو استعمال کیا جاتا تھا۔ فقہ کے لفظ کو اس کے بعد شہرت ملی۔

تحقیق سے یہ بات ثابت ہوئی کہ لفظ تصوف، صوفی، فقہ سے قدیم ہیں۔ اس طرح حدیث کی اصطلاحات وغیرہ سے بھی پہلے تھا۔

نتیجہ عملی طور پر تصوف دور نبوی ﷺ سے مروج ہے اور صحابہ کرام کے دور میں بھی جاری رہا۔

اسکا نام دور تابعین جب کہ دیگر نسبتیں ختم ہوئی اور اہل تقوی کے لئے اس کا نام استعمال کیا گیا۔

اور اسکے بعد آج تک تسلسل سے جاری ہے۔

☆☆☆

کتابیات

۱۔ بزرگان قادریہ، قادری، صدیقی، ناصر الدین، ڈاکٹر ناشر اسلامک فاؤنڈیشن آف پاکستان کراچی سن طباعت 1999، صفحہ 26

۲۔ کشف المحجوب، مترجم گوہر فضل الدین مصنف علی ہجویری ناشر ضیاء القرآن پبلیشرز لاہور سن طباعت 2003، صفحہ 31،40

۳۔ مقالات ضیاء الامت الازہری، محمد کرم شاہ، پیر، ناشر ضیاء القرآن پبلیشرز لاہور سن طباعت 2007، صفحہ 193

۴۔ ایضاً، صفحہ 194

۵۔ کشف المحجوب، ایضاً، صفحہ 94،95

۶۔ تذکرہ خواجگان چشت اہل بہشت صابر، مقصود احمد صاحبزادہ ناشر نوری کتب خانہ ریلوے اسٹیشن لاہور، سن طباعت 2005، صفحہ 213

۷۔ حقیقت تصوف ج/۱،محمد طاہر القادری،علامہ،ڈاکٹر،ناشر منہاج القرآن پبلیشرز لاہور سن طباعت 2001ء صفحہ 152

۸۔ صحیح بخاری ج/۱،صفحہ 2،رقم الحدیث نمبر 1،ناشر مکتبہ بیروت

۹۔ القرآن سورۃ آل عمران پ 3 آیت 119،ناشر ضیاء القرآن پبلیشرز۔

۱۰۔ صحیح مسلم ج/اول،صفحہ 317،ناشر بیروت سن 1999ء

۱۱۔ حقیقت تصوف،ایضاً،صفحہ 155

۱۲۔ الحدیث،امام ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب عمری،مشکوٰۃ،کتاب الایمان دینی کتب خانہ اردو بازار لاہور سن اشاعت ندارد،صفحہ 313

۱۳۔ حقیقت تصوف ایضاً،صفحہ 160

۱۴۔ سرالاسرار،عبدالقادر جیلانی،شیخ،مترجم،صفحہ 160 ناشر مکتبہ زاویہ،سن 1992ء

۱۵۔ صحیح بخاری ج/اول،صفحہ 362،مطبوعہ بیروت،سن 1992،صفحہ 15

۱۶۔ عوارف المعارف الجزالاول سہروردی،شہاب الدین عمر،شیخ،مصر،مکتبہ الوھیہ ۱۲۹۲ھ صفحہ ۲۰۴، ۲۰۵

۱۷۔ کتاب اللمع فی التصوف طوسی،ابوالنصر سراج،شیخ لیدن مطبع اپریل ۱۹۱۴ء

۱۸۔ تذھیب الکمال طبقات صوفیاء صفحہ ۱۲۳

۱۹۔ نفحات الانس جامی عبدالرحمٰن،مولانا،کلکتہ،مطبع لیس ۱۸۵۸ء،ص

۲۰۔ الانوار الرحمانیہ فی الطریقۃ القادریہ کسنزنی محمد السید شیخ عبدالکریم بغداد مکتبہ الوطنہ ۱۹۸۸ء صفحہ ۲۲۶،ص

۲۱۔ حقیقت تصوف،ص

۲۲۔ ایضاً

۲۳۔ القرآن سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۷۳،پ ۲

۲۴۔ تفسیر المظہری ثناء اللہ پانی پتی مترجم ضیاء المصنفین ناشر ضیاء القرآن پبلیشرز لاہور 2008ء،ص۔

۲۵۔ القرآن سورۃ الکہف آیت ۲۸

۲۶۔ الفتوحات الالھیہ صفحہ ۲۰

۲۷۔ تفسیر ابن کثیر،ج/۳،صفحہ۔۸۱

۲۸۔ القرآن سورۃ لکہف آیت نمبر ۲۸

۲۹۔ تفسیر روح المعانی لمفسر سید الوسی سورۃ الاحزاب صفحہ۔۳۰

۳۰۔ نفحات الانس،ایضاً،ص 240

☆☆☆

باب دوئم

تصوف قرآن و سنت کی روشنی میں:

تصوف میں تزکیہ نفس اور تصفیہِ قلب کیلئے جن فضائل اخلاق اور اوصاف حمیدہ کو اختیار کیا جاتا ہے وہ زمان ومکان اور سلاسل کی قید سے بالاتر ہیں کیونکہ اس نصاب کی تکمیل کے بغیر کوئی صوفی قرب الٰہی حاصل نہیں کرسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ کشمیر ہو یا کوئی علاقہ سلسلۂ قادریہ ہو یا کوئی سلسلہ تمام صوفیاء نے انہیں ریاضت و مجاہدے کے ساتھ اختیار کیا یا اجتناب کیا۔ ان میں سے چند اہم صفات مندرجہ ذیل ہیں:

فصل اوّل: (اوصافِ حمیدہ)

۱۔ توبہ

۲۔ اخلاص

۳۔ تقویٰ

۴۔ دعا

۵۔ توکل

۶۔ صداقت

۷۔ زہد

۸۔ صبر

۹۔ تفکر

۱۰۔ محاسبہ اور مراقبہ

۱۱۔ تشکر

۱۲۔ عدل

فصل دوم: (رزائل اخلاق ، اوصافِ مذمومہ)

۱۳۔ بخل

۱۴۔ حسد

۱۵۔ تکبر

۱۶۔ ریا

۱۷۔ لالچ

۱۸۔ آفاتِ لسان

۱۹۔ چغل خوری

(۱)۔ توبہ:

سالکان حق کا پہلا قدم توبہ ہے جیسے داعیان عمل کا پہلا درجہ طہارت ہے توبہ کے لغوی معنی رجوع کرنا ہے چنانچہ عرب کہتے ہیں "تاب" یعنی اس نے رجوع کیا نہی سے یعنی اس چیز سے جسے کرنے سے حق تعالیٰ نے منع فرمایا محض حق تعالیٰ کے خوف سے باز آجانا توبہ کی حقیقت ہے۔(۱)

توبہ کے متعلق قرآنی احکام:

آیت نمبر ۱۔ **وتوبوا الی اللّٰہ جمیعاً ایھا المومنون لعلکم تفلحون.(۲)**

ترجمہ: اورتم سب اللہ کی طرف توبہ کرو! اے مومنو تا کہ تم کامیاب ہوجاؤ۔

آیت نمبر ۲۔ **یا ایھا الذین امنو توبوا الی اللّٰہ توبۃ نصوحاً عسیٰ ربکم ان یکفر عنکم سیأتکم ویدخلکم جنت تجری من تحتھا الا نھار. (۳)**

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو۔ تمہارا رب تمہارے گناہ مٹادے اور تمہیں جنت میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں جاری ہیں۔

توبہ کے متعلق احادیث:

آیت نمبر ا۔ عن انس بن مالک عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم اللّٰہ افرحُ بتوبة عبدہٖ من احد کم علی یعبیرہ وقد اضله' فی ارض فلاۃٍ. (۴)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ اپنے بندے کی توبہ پر اس سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے۔ جیسے تم میں کسی کا اونٹ جنگل میں گم ہونے کے بعد دوبارہ مل جائے۔

آیت نمبر ۲۔ التائب من الذین کمن لا ذنب له . (۵)

ترجمہ: گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔

توبہ مومن کا ہتھیار ہے اس کے بغیر چارہ نہیں اہلِ تصوف کی ابتدا کیونکہ اہلِ طریقت کا پہلا قدم " بیعت" جو کہ توبہ ہے توبہ سے گناہ مٹتا ہے اور سینہ صاف ہوتا ہے۔

(۲)۔ اخلاص:

اخلاص کا لغوی معنیٰ جس چیز کو کانٹ چھانٹ کر اور تراش خراش کے بعد درست اور مہذب کر لیا جائے یا میل کچیل سے صاف کر لیا جائے یا جو چیز دوسری چیزوں کی امیزش اور ملاوٹ سے مجرد ہو اس کو خالص کہتے ہیں۔(۶)

اخلاص کے متعلق آیاتِ قرآنی:

۱۔ الا للّٰہ الدین الخالص (۷)

ترجمہ: سنو خالص اطاعت اللہ کے لیے ہے۔

۲۔ الا الذین اٰمنوا و عملوا الصلحٰت فلھم اجرٌ غیر ممنون (۸)

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لیے بے حساب اجر ہوگا۔

۳۔ لیعبدوا اللّٰہ مخلصین لہ الدین (۹)

ترجمہ: انہیں صرف یہ حکم دیا گیا کہ وہ اخلاص سے اطاعت کرتے ہوئے اللہ کی عبادت کریں۔

عن معاذ بن جبل رضی اللّٰہ عنہ انہ' قال لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم حین بعثہ الی الیمن یا رسول اللّٰہ ! اوصٰی. قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اخلص دینک یکفل العمل القلیل رواۃ البیہقی والحاکم. (۱۰)

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب یمن کی طرف بھیجا گیا انہوں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے نصیحت کیجئے آپ ﷺ نے فرمایا اپنے دین میں اخلاص پیدا کر تجھے تھوڑا عمل بھی کافی ہوگا۔

(۳) تقویٰ:

تقویٰ کا لغوی اور شرعی معنیٰ:

وقیٰ اور وقایۃ کا معنیٰ ہے کسی چیز کو ایذا اور ضرر سے محفوظ رکھنا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وو قھم عذاب الجھیم. (دخان ۵۶)

اللہ نے انکو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھا۔

تقویٰ کے معنیٰ ہے کہ نفس کو اس چیز سے محفوظ رکھنا جس سے اس کو ضرر کا خوف ہو، شریعت میں تقویٰ کا معنیٰ نفس کو گناہ کے کاموں سے محفوظ رکھنا۔(۱۱)

تقویٰ کے بارے میں قرآنی آیات:

۱۔ یا ایها الناس اتقوا ربکم. (۱۲)

ترجمہ: اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو۔

۲۔ اولٰئک الذین امتحن اللّٰہ قلو بهم للتقویٰ.(۱۳)

ترجمہ: یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو تقویٰ کے لیے پرکھ لیا گیا ہے۔

۳۔ ومن یعظم من شعائر اللّٰہ فانها من تقویٰ القلوب. (۱۴)

ترجمہ: جو شخص اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے تو یہ دلوں کے اخلاص سے ہے۔

۴۔ ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم . (۱۵)

ترجمہ: تم میں سے زیادہ عزت والا ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہو۔

تقویٰ کے بارے میں حضور ﷺ کا ارشاد:

عن انس بن مالک رضی اللّٰہ عنه قال سمعت عمر و خرجت معهٗ حتی دخل حائطاً فسمعة وهو یقول بینی وبینه جدارٌ وهو فی جوف الحائط عمر بن خطاب امیر المومنین بخ بخ یا بن الخطاب لتتقین اللّٰہ اولیعذ بنک(۱۶)

ترجمہ: انس بن مالک نے عمر بنْ خطاب سے سنا آپ ایک باغ میں تھے میرے اور ان کے درمیان ایک

دیوار تھی آپ فرماتے تھے واہ واہ اے خطاب کے بیٹے ڈر اللہ سے نہیں تو اللہ عذاب کرے گا تجھ کو۔

(۴) دعا:

دعا کی حقیقت:

اس کی حقیقت نیاز مندی ہے یعنی اپنی حاجت اور احتاج کو پیش کرنا کہ اے اللہ ہمیں یہ دے دے قرآن وحدیث دونوں سے ثابت ہے کہ دعا عین عبادت ہے خواہ کسی قسم کی ہو دینی ہو یا دنیاوی ہو مگر ناجائز امر کے لئے نہ ہو خواہ وہ چھوٹی سے چھوٹی ہو یا بڑی سے بڑی چیز کی۔(۱۷)

قرآن سے دعا کے متعلق ارشاد:

واذا سالک عبادی عنی و فانی قریب ، اجیب دعوة الداع اذا دعان فلیستجیبو الی. (۱۸)

ترجمہ: اور (اے رسول ﷺ) جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق دریافت کریں تو آپ فرمادیں کہ بیشک میں (ان کے) قریب ہوں جب کوئی دعا کرتا ہے تو میں دعا کرنے والے کی دعا (اپنی حکمت کے مطابق) قبول کرتا ہوں سو یہ بھی میرا حکم مانا کریں۔

دعا کے بارے میں فرمانِ رسول ﷺ

عن ابی ھریرۃ قال ینزل ربنا تبارک و تعالیٰ کل لیلة الی اسماء الدنیا حین یبقی ثلث اللیل الا خر یقول من یدعونی فاستجب له من یسألنی فاعطیته من یستغفرنی فاغفرله .(۱۹)

ترجمہ: حضرت ابوھریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہمارا پروردگار بلند اور برکت والا ہر رات کو جس وقت رات کا اخیر تیسرا حصہ رہ جاتا ہے پہلے آسمان پر نزول فرماتا ہے۔ فرماتا ہے کون مجھ سے دعا کرتا ہے میں قبول کروں، کون مجھ سے مانگتا ہے میں عطا کروں، کون مجھ سے بخشش چاہتا ہے میں اسکو بخش دوں۔

(۵) توکل:

امام غزالی المتوفی ۶۰۲ لکھتے ہیں:

جب انسان پر منکشف ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی فاعل نہیں اور خلق ہو یا رزق ہو دینا ہو یا روکنا ہو زندہ کرنا ہو یا مرنا ہو یا غنا ہو یا فقر ہو ہر چیز اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے تو پھر وہ اپنی ضرورتوں میں غیر کی طرف نہیں دیکھے گا۔ (۲۰)

توکل کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ھے:

۱۔ وعلی اللّٰہ فتو کلوا ان کنتم مومنین. (۲۱)

ترجمہ: اگر تم مومن ہو صرف اس پر ہی بھروسہ کرو۔

۲۔ ومن یتو کل علی اللّٰہ فھو حسبہ. (۲۲)

ترجمہ: اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اللہ کافی ہے۔

۳۔ الیس اللّٰہ بکاف عبدہ. (۲۳)

ترجمہ: کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں۔

توکل کے بارے میں ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہ ان رسول ﷺ بدخل جنت من احتی سبعون الفا بغیر حساب ھم الذین لا یسترفون ولا لیطیرون وعلی ربھم یتو کلون. (۲۴)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا آپ ﷺ نے فرمایا میری امت کے ستر ہزار لوگ بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے جو نہ غیر شرعی جھاڑ کریں گے اور نہ شگون لیں گے اور اپنے رب پر بھروسہ کریں گے۔

(٦) صداقت:

لفظ صادق سے اسم لازم ہے۔ صدیق مبالغے کا صیغہ ہے یہ وہ شخص ہے جو بار بار سچ بولتا ہے یہاں تک کہ سچ بولنا اس کی عادت بن جاتی ہے اور سچائی اس پر غالب آ جاتی ہے۔ باطن اور ظاہر کا ایک جیسا ہونا صدق ہے پس صادق وہ ہے جس کی گفتگو میں سچائی ہو اور صدیق وہ ہے جس کے اقوال، افعال، اور احوال سب میں صداقت ہو (۲۵)

۱۔ وعد اللّٰہ حقاً ، ومن اصدق من اللّٰہ قیلاً. (۲٦)

ترجمہ: اس کا وعدہ حق ہے اور اللہ سے سچا کون ہے۔

۲۔ لعنت اللّٰہ علی الکاذبین. (۲۷)

ترجمہ: جھوٹوں پر اللہ کی لعنت۔

۳۔ من المومنین رجالٌ صدقوا ماعاھدوا اللّٰہ علیہ منھم من قضیٰ نحبة ومنھم من ینتظر و ما بدالوا تبدیلا. (۲۸)

ترجمہ: ایمان والے کتنے مرد ہیں کہ سچ کر دکھایا جس کا عہد کیا تھا اللہ سے پھر کوئی تو ان میں پورا کر چکا ہے اپنا ذمہ اور کوئی ان میں راہ دیکھ رہا ہے اور بدلا نہیں ذرہ برابر۔

صداقت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد:

عن عبد اللہ عن النبی ﷺ قال ان الصدق یھدی الی البر وان البر یھدی الی الجنة وان الرجل یصدق حتی یکون صدیقا وان الکذب یھدی الی الفجور وان الفجور یھدی الی النار وان الرجل لیکذب حتی یکتب عند اللّٰہ کذاباً۔ (۲۹)

ترجمہ: عبداللہ بن مسعود نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا سچائی آدمی کو نیکی کی طرف لے جاتی ہے اور نیکی بہشت کی طرف لے جاتی ہے اور آدمی سچ بولتے بولتے اخیر میں صدیق کا مرتبہ حاصل کر لیتا ہے۔ جھوٹ بدکاری کی طرف لے جاتا ہے اور بدکاری دوزخ کی طرف لے جاتی ہے آدمی جھوٹ بولتے بولتے آخر اللہ کے نزدیک کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔

(۷) زھد:

کسی رغبت کی چیز کو چھوڑ کر اس سے بہتر چیز کی طرف مائل ہونا، مثلاً دنیا کی رغبت سے علیحدہ ہو کر آخرت کی رغبت کرنا زہد ہے۔ (۳۰)

زہد ترکِ لذات کا نام نہیں یعنی لذات میں انہماک نہ ہو نفیس نفیس کھانوں اور کپڑوں کی فکر میں رہنا یہ زہد کے منافی ہے اگر بلا تکلف کچھ نعمتیں حاصل ہو جائیں تو اللہ کی نعمت پر شکر کرنا چاہیئے۔

قرآن حکیم میں زھد کے متعلق ارشاد ھے:

۱۔ زُین للناس حب الشھوات من النساء والبنین والقناطیر المقنطرة من الذھب

والفضة والخيل المسومة ولانعام والحرث ذالک متاع الحيوة الدنيا والله عنده ، حسن مآب. (۳۱)

ترجمہ: لوگوں کو ان کی خواہشوں کی چیزیں عورتیں، بیٹے، سونا اور چاندی کے بڑے بڑے ڈھیر اور نشان لگے گھوڑے مویشی اور کھیتی باڑی زینت دار معلوم ہوتی ہیں یہ سب دنیا ہی کی زندگی کے سامان ہیں۔ خدا کے پاس بہت اچھا ٹھکانا ہے۔

۲۔ يايها الناس ان وعد الله حقٌ فلا تغرنكم الحيوٰة الدنيا ولا يغرنكم بالله الغرور. (۳۲)

ترجمہ: لوگوں خدا کے وعدے سچے ہیں تو تم کو دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈال دے شیطان فریب دینے والا تم کو فریب نہ دے۔

۳۔ الهكم التكاثر o حتى زرتم المقابر o كلا سوف تعلمون o ثم كلا سوف تعلمون كلا لو تعلمون علم اليقين o لترون الجحيم. (۳۳)

ترجمہ: لوگوں تم کو مال کی بہت سی حرص نے غافل کر دیا یہاں تک کہ تم نے قبریں جا دیکھیں۔ دیکھو تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا دیکھو اگر جانتے ہو یقین رکھنے میں تو غفلت نہ کرو۔

زھد کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا فرمان:

عن عمر بن خطاب قال قال رسول الله ﷺ لو انكم تو كلون على الله حق تو كله لزرقم كما تزرق الطير تفدوا جاعاً و تروح بطاناً. (۳۴)

ترجمہ: حضرت عمر فاروق روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم تو کل کرو اللہ پر جو حق ہے تو تم کو رزق ملے جیسے چڑیوں کو رزق ملتا ہے اور وہ صبح خالی پیٹ جاتی ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر آتی ہیں۔

۴۔ قالت عائشه ماشبع آل محمد ﷺ من خبز اليه ثلاثاً حتى مضىٰ لسبيله.(۳۵)

ترجمہ: حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے آل نے تین دن کبھی گندم کی روٹی نہیں کھائی حتیٰ کہ آپ اللہ کے پاس چلے گئے۔

(۸) صبر: صبر کے لغوی معنیٰ:

لفظ صبر کے لغوی معنی مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) جرأت، شجاعت، مردانگی۔

(۲) مویشی کو چارے کے بغیر رکھنا۔

(۳) مصائب میں بیقراری کا اظہار نہ کرنا۔

(۴) پسندیدہ اشیاء سے کنارہ کش رہنا۔

(۵) باندھ دینا، قید کرنا۔

صبر کا مفہوم:

قرآنی زبان میں صبر کا مفہوم نفس انسانی کو گھبراہٹوں اضطراب اور مشکلات و مصائب کے وقت روکنا اور پریشانی کا اظاہر نہ کرنا بلکہ استقامت کا اظہار کرنا جوانمردی اور خندہ پیشانی کے ساتھ پریشانیوں کا مقابلہ کرنا ہے۔(۳۶)

قرآن پاک میں صبر کا حکم:

۱. فصبر جميل والله المستعان على ماتصفون . (۳۷)(یوسف ، آیت ۱۸)

ترجمہ: تو بہتر صبر ہے اور اللہ سے اس پر مدد چاہی جاتی ہے۔

۲۔ انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب. (۳۸)

ترجمہ: صبر کرنے والوں کو اس کی مزدوری بے حساب ملے گی۔

صبر کے متعلق رسول کریم ﷺ کا ارشاد:

قال ثابت سمعت انسا عن النبی ﷺ قال الصبر عند الصدمة الا ولی. (۳۹)

ترجمہ: ثابت کہتے ہیں کہ انسؓ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ صبر وہی ہے جو صدمہ کے شروع میں کیا جائے۔

(اذامات محمد قاسم بن محمد) قول النبی ﷺ انا بلے لمحزنون وقال ابن عمر کان النبی ﷺ تدمع العین و یحزن القلب. (۴۰)

ترجمہ: جب قاسم بن محمد کا انتقال ہوا حضور ﷺ کا یہ فرمانا قاسم ہم تیری جدائی سے رنجیدہ ہیں۔ حضرت ابن عمر کہتے ہیں حضور ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور آپ ﷺ کا دل غمگین تھا۔

(۹) تفکر:

تفکر کا معنیٰ:

فکر وہ قوت ہے جو علم کو معلوم کا راستہ دکھاتی ہے بہ اعتبار نظر عقل کی اس قوت کی جوانی کو فکر کہتے ہیں یہ قوت صرف انسان میں ہوتی ہے اور اس چیز کا تفکر کرنے کو کہا جاتا ہے جسکی صورت عقل میں حاصل ہو سکے اس لئے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی نعمتوں میں تفکر کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے کہ اسکی صورت عقل میں حاصل کرو۔ (۴۱)

قرآن میں تفکر کے بارے میں ارشادات:

۱۔ قل انما اعظلم بواحدۃٍ ان تقوموا للّٰہ مثنیٰ و فرادیٰ ثم تتفکروا. (۴۲)

ترجمہ: میں تمہیں صرف اس بات کی نصیحت کرتا ہوں تم خدا کیلئے دو دو اکیلے اکیلے کھڑے ہو جاؤ اور پھر غور کرو۔

۲۔ افلا یتنظرون الی الابل کیف خلقت والی اسماء کیف رفعت والی الجبال کیف نصبت والی الارض کیف سطحت فذکر انما انت مذکر. (۴۳)

ترجمہ: یہ لوگ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ کیسے پیدا کیا گیا اور آسمان کی طرف کے کیسے بلند کیا گیا پہاڑوں کی طرف کے کس طرح کھڑے کئے گئے اور زمین کی طرف کے کس طرح بچھائی گئی آپ نصیحت کرتے ہیں۔ آپ نصیحت کرنیوالے ہی ہیں۔ تفکر کے بارے میں حدیث:

تفکرو فی خلق اللّٰہ و لا تفکر فی اللّٰہ. (۴۴)

ترجمہ: اللہ کی مخلوق پر غور و فکر کرو۔ اللہ کی ذات میں غور و فکر نہ کرو۔

(۱۰) محاسبہ اور مراقبہ:

رات کو سوتے وقت انسان کو ایک گھڑی مختص کر لینی چاہیئے جس میں وہ نفس سے پورے دن کا حساب لے تا کہ اصل سرمایہ نفع اور نقصان علیحدہ ہو جائیں۔ سرمایہ فرائض ہیں نوفل نفع اور گناہ نقصان ہیں جس طرح کاروبار کے شریک سے حساب لیا جاتا ہے نفس سے حساب اس سے زیادہ احتیاط سے لینا چاہیئے کیونکہ نفس بہت مکار، فریب دہ اور چالاک ہے۔

انسان کی حالت یہ ہوگئی ہے کہ چند مرتبہ غفلت سے سبحان اللہ کہتا ہے تو اس کو شمار کرنے لگتا ہے کہ

میں نے سو مرتبہ ذکر کیا حالانکہ ہر روز بہت سے بکواسات کرتا ہے جن میں غیبت، چغلی، جھوٹ، بدزبانی وغیرہ اس کے لئے کوئی تسبیح ہاتھ میں نہیں رکھتا اس کے باوجود سمجھتا ہے کہ نیکیوں کا پلڑا بھائی ہے۔(۴۵)

قرآن پاک میں محاسبہ اور مراقبہ کے بارے میں ارشادات:

۱۔ واعلموا ان اللّٰہ یعلم مافی انفسکم فاحذروۃ البقرہ . (۴۶)

ترجمہ: اور جان لو کہ یقیناً اللہ جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے اس سے ڈرتے رہو۔

۲۔ الم یعلم بان اللّٰہ یریٰ. (۴۷)

ترجمہ: کیا نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔ العلق،

حضور ﷺ کا ارشادِ پاک ہے:

۳۔ عن ابی مالہ شداد من اوس عن النبی ﷺ قال القیس من دان نفسہ وعمل لما بعد الموت والفاجر من التبع نفسۃ ھواہ و تمنا علی اللّٰہ الامانیہ قال امام ترمذی وغیرہ من العلماء فعلنا دان نفسہ حاسبھا. (۴۸)

ترجمہ: ابی مالہ شداد بن اوس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اپنے نفس کا محاسبہ کیا۔ ایسے عمل سے جو موت کے بعد کام آئے اور خواہشات نفسانیہ سے اور اللہ سے لمبی تمناؤں سے تو وہ کامیاب ہوا۔

(۱۱) شکر:

شکر کا معنیٰ نعمت کو پہچاننا ہے۔ شکر تین طرح کا ہے:

(ا) شکر بالقلب، یہ نعمت کا تصور۔

(۲) شکر باللسان بہ منعم کی تعریف اور ثنا زبان سے ہے۔

(۳) شکر بالجوارح بقدر استحقاق نعمت کے بدلے میں کوئی چیز دینا۔(۴۹)

ان کان عبداً شکورا. سورة بنی اسرائیل ،(۵۰)

ترجمہ: یعنی وہ اپنے رب کا شکر کرنے کے لیے بہت کوشش کرنا۔

لئن شکر تم لازیدن لان کفر تم ان عذابی لشدید.(۵۱) (سورة ابراھیم ، پ ۱۳)

ترجمہ: اگر تم ان نعمتوں کا شکر کرو گے تو میں اور اضافہ کروں گا۔ اگر کفر کیا تو میرا عذاب سخت ہے۔

عن انس عن رسول اللہ ﷺ لایمان نصفان

نصف صبر و نصف شکر۔(۵۲)

حضرت روایت کرتے ہیں کہ ایمان کے دو نصف ہیں ایک نصف صبر ہے اور ایک نصف شکر ہے۔

(۱۲) عدل:

لفظ عدل عربی زبان میں ان معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

(۱) سیدھا کرنا برابر کرنا۔

(۲) راستے سے پھر جانا، منحرف ہو جانا۔

(۳) توازن قائم رکھنا۔

(۴) افراط و تفریط سے بچنا۔

حضرت علی ہجویری فرماتے ہیں کہ:

عدل کسی چیز کو اس کے صحیح مقام پر رکھنے کو کہتے ہیں۔(۵۳)

قرآن پاک میں عدل کے متعلق ارشاد ہے کہ:

۱۔ ولذلک جعلنکم امۃً وسطاً .(۵۴)(پارہ ۲، صفحہ اول)

ترجمہ: ہم نے تم کو اعتدال امت بنایا۔

۲۔ ان یا مر بالعدل والاحسان. (۵۵) (پارہ سورۃ النحل)

ترجمہ: بے شک اللہ عدل اور احسان کا حکم فرماتا ہے۔

۳۔ اعدلوا ھوا قرب للتقویٰ.(۵٦) (پارہ ۷، سورۃ المائدہ)

ترجمہ: عدل کرو یہ تقویٰ کے قریب ہے۔

عدل کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات:

عن عمر بن العاص انه سمع رسول اللہ ﷺ قال اذا احکم الحاکم فاجتهد ثم اصاب فله اجران فاذا حکم فاجهتدوا اخطأ فله اجرٌ . (۵۷)

حضرت عمرو بن العاص بیان کرتے ہیں جب قاضی اجتہاد سے فیصلہ کرے اور فیصلہ عقد اور صحیح ہو تو اسکو دو اجر ملیں گے اگر فیصلہ غلط ہو تو اسکو ایک اجر ملے گا۔

فصل دوم: (رزائلِ اخلاق)

وہ رزائلِ اخلاق جن سے اہل اللہ نے سخت اجتناب کیا ان میں سے چند اہم رزائل مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱۳) بخل:

بخل کی حقیقت:

جس چیز کا خرچ کرنا شرعاً یا ضرورتاً ضروری ہو اس میں تنگ دلی کرنا بخل ہے۔ اس کے دو درجے

ہیں ایک خلاف شریعت، دوسری خلاف ضرورت۔ خلافِ شریعت بخل معصیت ہے اور خلافِ ضرورت گناہ نہیں۔(۵۸)

قرآن پاک میں بخل کے بارے میں ارشادات:

۱۔ ومن یبخل فانما یبخل عن نفسہٖ. (۵۹)

ترجمہ: جو بخل کرتا ہے وہ اپنے آپ سے بخل کرتا ہے۔

۲۔ ولا یحسبن الذین یبخلون بما اٰتھم اللّٰہ عن فضلہٖ ھو خیراً لھمo بل ھو شر لھم سیطوقون مابخلو بہٖ یوم القیامہ. (۶۰)

ہرگز خیال نہ کریں ایسے لوگ جو (ضروری موقعوں پر) ایسی چیز کو خرچ کرنے سے بخل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے (وہ گمان کرتے ہیں) یہ بات ان کے لیے اچھی ہوگی بلکہ یہ بات ان کے لیے بری ہوگی کیوں کہ اس بخل کا انجام یہ ہوگا کہ وہ لوگ قیامت کے بعد طوق پہنا دیئے جائیں گے۔ اس مال کا جس میں انہوں نے بخل کیا ہوگا۔

عن سعد بن ابی وقاص کان یالد بھوء لاء الخمس و عید تھن عن النبی ﷺ اللھم انی اعوذبک من البخل. (۶۱)

ترجمہ: حضرت سعد بن وقاص پانچ باتوں کا حکم اور النبی نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ (ان میں سے پہلی) اے اللہ! میں بخل سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

(۱۴) حسد: حسد کی تعریف:

کسی شخص کی اچھی حالت کا ناگوار گذرنا اور یہ آرزو کرنا کہ یہ اچھی حالت اسکی زائل ہوجائے۔(۶۲)

قرآن پاک میں حسد کے متعلق حکم ہے:

ا۔ من شر حاسدٍ اذا حسد.(۶۳)

ترجمہ: حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے پناہ مانگتا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

حد ثنا بشیر بن محمد اخبرنا عبد اللّٰہ اخبرنا معمر بن همام بن منبه عن ابی هریرة عن النبی ﷺ ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث ولا تحسبوا ولا تجسوا ولا تحاسدوا ولا تدبروا ولا تباغضوا وکونوا عباداللّٰہ اخوانا.(۶۴)

ترجمہ: ہم سے بشیر بن محمد نے بیان کیا کہا ہم کو عبداللہ بن مبارک نے خبر دی ہم معمر نے انہوں نے همام بن منبہ سے انہوں نے ابوھریرہ سے انہوں نے سیدہ کائنات ﷺ سے سنا انہوں نے فرمایا بدگمانی سے بچتے رہو بدگمانی سخت ٹو نہ لگاؤ کسی کی غیبت نہ کرو حسد اور بغض نہ کرو ترک معاملات نہ کرو سب مسلمان اللہ کے بندو بھائی بھائی بن کر رہو۔

(۱۵) تکبر

تکبر اور خود کو عظیم سمجھنا بری صفت ہے یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے جھگڑنا ہے عظمت کبریائی صرف اسی کو سزاوار ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں متکبرین کی مذمت فرمائی۔(۶۵)

قرآن میں تکبر کے متعلق ارشادات:

وقال موسیٰ انی عذت بربی وربکم من کل متکبر لا یو من بیوم

الحساب.(٦٦)

ترجمہ: اور کہا موسیٰ علیہ السلام نے میں پناہ مانگتا ہوں اپنے رب کی تمہارے پروردگار کی ہر اس متکبر کے شر سے جو روز حساب پر ایمان نہیں رکھتا۔

واستفتحوا وخاب كل جبارٍ عنيد. (٦٧)

ترجمہ: نامراد ہو گیا ہر منکر و سرکش، منکرِ حق

تکبر کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد:

عن حارثه بن وهب الحزاعى عن النبى ﷺ قال الا اخبرواكم باهل الجنة كل ضعيف متضاعف لو اقسم على الله لابره الا اخبر كم باهل النار كل عتل جواظ تكيه وقال محمد بن عيسى حدثنا هشيم اخبرنا حميد الطويل حدثنا انس بن مالك قال كانت امة من اماء المدينة لتاخذ بيد رسول الله ﷺ و تنطلق به حيث شأت.(٦٨)

ترجمہ: حارثہ بن حزاعی نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا آپ ﷺ نے فرمایا میں تم کو بہشتی لوگ بتاؤں، فرمایا بہشتی وہ ہونگے جو کمزور ناتواں اگر اللہ کے بھروسے پر کسی چیز کی قسم کھا بیٹھیں تو اللہ ان کی قسم سچی کر دے گا۔ اور تم کو دوزخی لوگ بتاؤں ہر ایک اکھڑ بد خلق مغرور انس بن مالک نے فرمایا، رسول اللہ ﷺ کے خلق کا یہ حال تھا مدینہ کی لونڈیوں میں سے ایک ہاتھ پکڑ لیتی اور جہاں چاہتی لے جاتی۔

(١٦) ریا:

ریا یہ ہے کہ خلق کے دکھلاوے کے لیے کام کیے جائیں اور یہ سمجھا جائے کہ میری سخاوت کے چرچے ہونگے یا میری عبادت، میرے وعظ کی لوگ تعریف کریں گے مجھے بڑا عالم یا مجاہد کہیں گے۔

ریاکاری کو شرک خفی بھی کہا گیا۔(۶۹)

قرآنِ پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

فویل المصلین الذین هم عن صلوتهم ساهون الذین هم یرأیون.(۷۰)

ترجمہ: ہلاکت ہو ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نماز میں سستی کرنے دکھلاوے کے کام کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

قال النبی ﷺ من سمعه بسمع الله به و من برائی الله به(۷۱)

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا جو شہرت کے لیے کام کرے اسے شہرت ہی ملے گی جو دکھلاوے کے لئے کام کرے گا اسے دکھلاوہ ہی ملے گا۔

(۱۷) لالچ:

اس کا معنیٰ توجہ اور میلان الی الدنیا یعنی دنیاداری کی لالچ اور حرص عملاً حرص تمام بیماریوں کی جڑ ہے اسکو ام الامراض کہنا چاہیئے کیونکہ اس کی وجہ سے لوگ قتل ہوتے ہیں اسکی ہی وجہ سے جھگڑے اور فساد ہوتے ہیں۔

لالچ کئی طرح کی ہے۔منصب کی لالچ ،زیادہ دولت کی لالچ ، جائداد کی لالچ ۔(۷۵)

قرآنِ پاک میں لالچ کی مذمت:

یا ایها الذین امنو لا تلهکم اموالکم و لا اولادکم عن ذکر اللّٰه و من یفعل ذالک فاولئک هم الخسرون. (۷۶)

ترجمہ: اے ایمان والو! تمھیں غافل نہ کردیں تمہارے اموال تمہاری اولادیں اللہ کے ذکر سے جنہوں نے ایسا کیا تو وہی لوگ گھاٹے میں ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ:

عن کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ مادئبان جائعان ارسلا فی غنم با فسد لھا من حرص المال والشرف لدینہ ھذا حدیث حسن صحیح.(۷۷)

ترجمہ: حضرت کعب بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو بھوکے بھیڑیے بکریوں کے ریوڑ میں اتنی تباہی نہیں پھیلاتے جتنی مال اور منصب کی محبت مسلمان کا دین تباہ کرتی ہے۔

یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

لالچ کے بارے میں اقوالِ صحابہ اور اولیاء کے اقوال:

۱۔ حضرت علی نے درھم اپنے ہاتھ پر رکھا اور کہا تو وہی ہے جب تک میرے ہاتھ سے نکلے گا مجھے فائدہ نہ دے گا۔

۲۔ حضرت یحیٰ بن معاذ فرماتے ہیں درھم اور دینار بچھو ہیں جب تک ان کا دم معلوم نہ ہو ہاتھ ان کی طرف نہ بڑھاؤ ان کا زہر تمہیں ہلاک کر دے گا۔(۷۸) ۳۷

(۱۸) آفات لسان:

ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید.(۷۲)

ترجمہ: وہ کچھ باتیں نہیں بولتا مگر اس کے نزدیک نگہبان کو پتہ ہے۔

گالی گلوچ:

عن ابن عمر و حین قدم مع معاویہ الی الکوفہ فذکر رسول اللہ ﷺ فقال لم

یکن فاحشاً و لا متضحیشاً وقال رسول اللہ ﷺ ان من اخیر کم احسنکم خلقاً (۷۳)

حضرت عبداللہ بن عمر معاویہ کے ساتھ کوفہ میں آئے ہم ان کے پاس گئے انہوں نے نبی کریم ﷺ کا ذکر کیا کہنے لگے آپ سخت گو اور بدزبان نہ تھے اور یہ بھی کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے بہتر وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔

(۱۹) چغل خوری:

عن ابن عباس قال مہ رسول اللہ ﷺ علی قبرین فقال انھا لیعذبان و ما یعذبان فی کبیر اما ھذ کان مایستر من بولہ و اما ھذ کان یمیتنی بالنمیمة ثم دعا بعسیب وطب فشفہ باثنین ففرس علی ھذ واحداً ثم قال لعلہ یخفف عنھما مالم ییسا. (۷۴)

ابنِ عباس سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ دو قبروں کے پاس سے گذرے آپ نے فرمایا ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور عذاب کسی بڑے گناہ کی وجہ سے نہیں بلکہ ایک پیشاب میں بے احتیاطی کی وجہ سے دوسرے کو چغلی کی وجہ سے۔ آپ نے کھجور کی ایک ٹہنی منگوائی اور ان پر گاڑ دی اور فرمایا جب تک یہ تر رہے گی ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔

☆☆☆

حوالہ جات (باب دوم)

۱۔ **کشف المحجوب** علی ھجویری، داتا، مترجم گوہر فضل الدین، علامہ ص ۴۰۴۔

۲۔ القرآن سورۃ النور، پ ۱۸۔

۳۔ القرآن سورۃ التحریم، پ ۲۸۔

۴۔ صحیح بخاری کتاب الدعوات ص ۴۴۹، حدیث ۱۲۳۴، ناشر حامد اینڈ کمپنی، سن 1985ء

۵۔ سنن ترمذی رقم الحدیث نمبر ۳۵۳۸۔

۶۔ تفسیر تبیان القرآن ج ۱۰، ص ۱۴۴، غلام رسول علامہ سعیدی فرید بک اسٹال، لاہور۔

۷۔ القرآن سورۃ الزمر، آیت ۳۔

۸۔ سورۃ والتین، آیت ۶ ~~[illegible]~~۔

۹۔ سورۃ البنیہ، آیت ۵۔

۱۰۔ البیہقی فی شعب الایمان ۳۴۲/۵ ۱ الرقم ۶۷۵۹۔

۱۱۔ شرح صحیح مسلم، سعیدی، غلام رسول، علامہ، ج ۷، ص ۱۲۹۔ مطبوعہ فرید بک اسٹال، لاہور، 2000۔

۱۲۔ القرآن سورۃ النساء، آیت ۱۔

۱۳۔ القرآن سورۃ الحجرات، آیت ۳۔

۱۴۔ القرآن سورۃ الحج، آیت ۳۲۔

۱۵۔ القرآن سورۃ الحجرات، آیت ۱۳۔

۱۶۔ موطا امام مالک باب ماجاء فی التقیٰ، حدیث 247، ص 693، ناشر اکادمی 17، اردو بازار کراچی۔

۱۷۔ شریعت وطریقت، تھانوی، اشرف علی، مولانا، ص ۲۳۵۔

۱۸۔ القرآن سورۃ البقرہ آیت ۱۸۶۔

۱۹۔ الحدیث محکب البخاری الشریف، ج/اول، کتاب التہجد پارہ ۵، ۵۱۳، رقم الحدیث ۱۰۷۹،
مکتبہ رحمانیہ اردو بازار نمبر۲، سن طباعت ۱۹۸۵۔

۲۰۔ احیاء العلوم امام غزالی، ج/۵، ص ۱۲۱۔

۲۱۔ القرآن سورۃ المائدہ آیت ۲۳۔

۲۲۔ القرآن سورۃ الطلاق آیت ۳۔

۲۳۔ سورۃ الزمر آیت ۳۶۔

۲۴۔ البخاری کتاب الدعوات حدیث ۱۳۹۲، ناشر حامد اینڈ کمپنی لاہور۔

۲۵۔ غنیۃ الطالبین، مترجم محمد صدیق ہزاروی، مولانا، ناشر ضیاء القرآن لاہور، ص ۵۷۷۔

۲۶۔ القرآن سورۃ النسآء آیت ۱۲۲۔

۲۷۔ سورۃ عمران آیت ۶۱۔

۲۸۔ سورۃ الاحزاب، آیت ۲۳۔

۲۹۔ البخاری صفحہ ۴۳۹، حدیث ۱۰۲۷، کتاب الادب ناشر مکتبہ ورحمانیہ لاہور۔

۳۰۔ شریعت وطریقت، ص ۱۴۶۔

۳۱۔ القرآن سورۃ آل عمران آیت ۱۴۔

۳۲۔ القرآن سورۃ الفاطر، آیت ۵۔

۳۳۔ القرآن سورۃ التکاثر آیت ۴۔

۳۴۔ ترمذی شریف ص ۳۴، کتاب الزھد، ناشر مدینہ کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ، سن ندارد۔

۳۵۔ مسلم کتاب الزھد والرقاق حدیث ۷۳۱۶، فرید بک اسٹال لاہور، ۱۹۹۷۔

۳۶۔ دستور حیات حریری، غلام احمد، پولیمار پبلشرز لاہور، ۲۰۰۶، صفحہ ۶۴۔

۳۷۔ القرآن سورۃ یوسف آیت ۱۸۔

۳۸۔ القرآن سورۃ الزمر آیت ۱۰۔

۳۹۔ الصحیح البخاری ص ۵٦۷، کتاب الجنائز پارہ ۵، حدیث ۱۲۲۴، ج/۱، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور، سن ۱۹۸۵۔

۴۰۔ الصحیح بخاری، ایضاً ص ۵٦۷۔

۴۱۔ تفسیر تبیان، غلام رسول، علامہ، ج/۴، صفحہ ۴۳٦، فرید بک اسٹال لاہور۔

۴۲۔ سورۃ سبا آیت ۴۸۔

۴۳۔ سورۃ الغاشیہ آیت ۱۷، ۱٦۔

۴۴۔ الحدیث مسند احمد۔

۴۵۔ کیمیائے سعادت امام غزالی مترجم ذوالفقار احمد مطبوعہ ۲۰۰٦ ص ۲۴۷۔

۴٦۔ القرآن سورۃ البقرہ آیت ۲۳۵

۴۷۔ القرآن سورۃ العلق آیت ۱۴۔

۴۸۔ ریاض الصالحین حدیث ۴۷، باب المراقبہ۔

۴۹۔ غنیۃ الطالبین، صفحہ ۱۴۷۔

۵۰۔ القرآن سورۃ بنی اسرائیل۔ پ ۱۵۔

۵۱۔ سورۃ البراہیم پ ۱۳۔

۵۲۔ البیہقی، شعب الایمان، ۹۷۱۵۔

۵۳۔ کشف المحجوب، ص ۱۷۰۔

۵۴۔ سورۃ البقرہ آیت ۱۴۳۔

۵۵۔ سورۃ النحل۔

۵۶۔ سورۃ المائدہ۔

۵۷۔ صحیح مسلم ج ر ۳، باب ۸۶۷، حدیث ۴۳۷۳ ص ۱۴۵، سن طباعت ۲۰۰۶۔

۵۸۔ کیمیائے سعادت، ص ۲۱۰۔

۵۹۔ القرآن سورۃ محمد، پ ۲۶۔

۶۰۔ سورۃ آل عمران، پ ۴۔

۶۱۔ الصحیح البخاری کتاب الدعوات، ص ۴۶۸، حدیث ۱۲۹۵۔

۶۲۔ شریعت وطریقت اشرف علی تھانوی مولانا، ص ۲۷۵۔

۶۳۔ القرآن سورۃ الناس آیت ۳۔

۶۴۔ الحدیث کتاب الادب الصحیح البخاری حدیث ۱۰۰۱، ج ر ۳، ص ۴۲۷۔

۶۵۔ کیمیائے سعادت، ص ۳۷۰۔

۶۶۔ القرآن سورۃ المومن آیت ۲۷۔

۶۷۔ سورۃ ابراہیم آیت ۱۵۔

۶۸۔ البخاری ج ر ۳، ص ۴۲۹، حدیث ۱۰۰۸، ناشر حامد اینڈ کمپنی۔

۶۹۔ کیمیائے سعادت، ص ۲۵۵۔

۷۰۔ سورۃ الماعون، ۴، ۵، ۶۔

۷۱۔ الحدیث الصحیح البخاری، کتاب الدعوات۔

۷۲۔ سورۃ ق آیت ۲۷۔

۷۳۔ الصحیح البخاری شریف حدیث ۹۶۶، کتاب الادب۔

۷۴۔ بخاری شریف ص ۷۲۲، کتاب الادب حدیث ۹۸۹۔

☆☆☆

بابِ سوئم

کشمیر و شمالی علاقہ جات کی مذہبی ، سیاسی و تمدنی تاریخ:

سرزمین کشمیر کا ظہور:

علوم ارضیات کے ماہرین کی تحقیق کے مطابق سرزمین کشمیر آج سے دس کروڑ سال پہلے معرض وجود میں آئی اس سے پہلے یہ علاقہ وسیع و عریض سمندر کی تہہ پر مشتمل تھا۔طاقت ور آتش فشاں پھٹنے اور زیر زمین تبدیلیاں رونما ہونے کے سبب لاکھوں سال کے مسلسل عمل سے سمندر کی تہہ سے پہاڑ ابھرنا شروع ہوئے ۔ہمالیہ اور قراقرم کی چوٹیاں نمودار ہوتی گئیں اور پانی کناروں کی طرف بکھرتا گیا حتی کے سمندر کی ساری تہہ سے پہاڑ ابھر کر منصہ شہود پر آگئے قدرتی طور پر وادیاں اور گھاٹیاں بنتی گئیں اور ایک وقت ایسا آیا کہ یہ اولاد آدم کا مسکن بن کر فردوس بریں کہلائیں۔

بقول اقبال:

اے ہمالہ داستاں اس وقت کی کوئی سنا
مسکن آبائے انساں جب بنا دامن ترا
کچھ بتا اس سیدھی سادی زندگی کا ماجرہ
داغ جس پر غازہ رنگ تکلف کا نہ تھا

کشمیر کی وجہ تسمیہ:

عرف عام میں کشمیران تمام علاقوں کے لیئے استعمال ہوتا ہے جو 84471 مربع میل پر مشتمل ڈوگروں کے زیر حکومت تھے لیکن بطور خاص کشمیر، کشمیر اس وادی کے لیئے بھی استعمال ہوتا ہے جسے وادی

کشمیر کہتے ہیں بعض نے 34x80، میں کہا ہے اور بعض نے 25x54، میں کہا ہے۔ مورخین اور محققین کے نزدیک لفظ کشمیر ہمیشہ زیر بحث رہا ہے کشمیر کو کشمیر کیوں کہا جاتا ہے اس ضمن میں بے شمار توجیہات وتشریحات ملتی ہیں۔

کشمیر کی وجہ تسمیہ کے بارے میں چند روایات حسب ذیل ہیں۔

کشمیری مورخ پنڈت کلہن کی روایت کے مطابق قدیم زمانے میں ساری وادی کشمیر پانی میں ڈوبی ہوئی تھی اس جھیل میں ایک دیو رہتا تھا جس کا نام جل دیو تھا وہ جھیل سے نکل کر آس پاس کے انسانوں کو کھا جاتا تھا لوگ اس ظالم دیو سے تنگ آ گئے تو ایک بزرگ کشب رشی ادھر آ نکلے لوگوں نے ان سے فریاد کی کہ کسی طرح اس ظالم دیو سے ہماری جان چھڑائی جائے چنانچہ کشب رشی نے اپنی روحانی طاقت سے بارہ مولا کا پہاڑ کاٹ کر پانی خارج کر دیا دیو باہر آیا تو اسکو ہلاک کر دیا۔ پانی کی تہہ سے خوبصورت وادی سامنے آئی جو کشپ میر یعنی کشپ بزرگ کی خالی کی ہوئی زمین کہلائی۔ گویا کشمیر کا پرانا نام کشپ میر تھا جو بدل کر کشمیر ہو گیا۔

ایک دوسری روایت یہ بھی ہے کہ کشمیر دو لفظوں کا مرکب کس اور میر سے بنا ہے کس کا معنی نالہ اور میر کا مطلب پہاڑ۔ گویا پہاڑوں اور نالوں پر مشتمل ملک۔

ایک روایت کے مطابق وادی کشمیر جھیل تھی کاس جھیل کے پانی کو کہتے ہیں میرا جہاں پانی نہ ہو کاس میرا بدل کر کشمیر ہو گیا۔

ایک اور روایت کے مطابق کشمیر کاش اور میر سے بنا کہا جاتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت جب پہاڑی کی چوٹی پر آ کر ٹھہرا تو آپ نے دیکھا یہاں دور دور تک پانی ہی پانی نظر آ رہا ہے آپ نے مصاحبوں سے مشورہ کیا کہ اس پانی کو یہاں سے نکال دیا جائے تو اسکی تہہ سے خوبصورت وادی نکلے گی جس میں انسان آباد ہو سکیں گے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوا کہ اس جھیل کو خالی کیسے کیا جائے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں جنوں کا سردار کاش موجود تھا اس نے عرض کیا کہ یہ خدمت میں سرانجام دے سکتا ہوں لیکن میری فرمائش ہے کہ آپ کے لشکر کی خوبصورت پری میر میرے نکاح میں دے دی جائے چنانچہ حضرت سلیمانؑ نے

اس کی شرط منظور کر لی اور اس کو جھیل خالی کرنے کا حکم دیا جن نے بارہ مولا کا پہاڑ کاٹ کر جھیل پانی سے خالی کر دی حضرت سلیمانؑ نے وعدے کے مطابق میر نامی پری اس کے نکاح میں دے دی۔ کاش اور میر کی نسبت سے ملک کا نام کاشمیر پڑ گیا جس کی موجودہ شکل کشمیر ہے۔(۱)

مورخ کشمیر جی۔ ایم۔ ڈی صوفی نے لکھا ہے لفظ کشمیر ۲۳ صدیوں سے استعمال ہو رہا ہے جبکہ یہ بذات خود اس سے کہیں زیادہ قدیم ہے۔

محل وقوع:

ریاست جموں و کشمیر 32,37 سے 36,85 عرض بلد اور 37,26 سے 80,30 طول بلد کے درمیاں واقع ہے۔ یہ برآعظم ایشیا کے وسط میں اور برصغیر کے شمال میں واقع ہے تاریخی، جغرافیائی اور ثقافتی رشتوں کے اعتبار سے کشمیر سنٹرل ایشیا کا حصہ ہے اس لیئے یہ ایشیا کی انگوٹھی کا نگینہ کہلاتا ہے۔ ریاست کے مشرق میں تبت (چین) واقع ہے مغرب میں افغانستان اور پاکستان کا سرحدی علاقہ ہے جنوب میں بھارت اور پاکستان واقع ہیں جبکہ شمال میں چین اور تاجکستان واقع ہیں گویا کشمیر کی سرحدیں دنیا کے چار مما لک چین افغانستان، پاکستان اور بھارت سے ملتی ہیں۔

کشمیر کا رقبہ:

ریاست جموں و کشمیر کا رقبہ 84471 مربع میل ہے۔

تقسیم کشمیر سے قبل ریاست کا صوبائی رقبہ حسب ذیل تھا۔

صوبہ جموں	صوبہ کشمیر	صوبہ لداخ
12378 مربع میل	8539 مربع میل	63554 مربع میل

بھارت کے زیر قبضہ :

صوبہ لداخ	صوبہ کشمیر	صوبہ جموں
24569 مربع میل	6893 مربع میل	9880 مربع میل

پاکستان کے ساتھ ملحق:

گلگت بلتستان	آزاد کشمیر
29814 مربع میل	4144 مربع میل

چین کے زیر قبضہ:

1962ء کی پاک بھارت جنگ کے نتیجے میں چین نے بھارت کے زیر قبضہ صوبہ لداخ کا 9171 مربع میل علاقہ اپنے قبضہ میں لے لیا جس کو اقصائی چین کہتے ہیں پاکستان کے صدر ایوب خان نے گلگت بلتستان کے شمال سرحد پر 1868 مربع میل علاقہ چین کو تحفتاً دیا۔(۲)

کشمیر کی آبادی:

ریاست جموں وکشمیر میں پہلی مردم شماری 1911ء میں ہوئی بعد ازاں 1941ء تک ہر دس سال بعد مردم شماری ہوئی رہی جس کے مطابق آبادی کا تناسب حسب ذیل ہے۔

سال	آبادی
1911ء	3161334
1921ء	3380419

1921ء	3380419
1931ء	3635625
1941ء	4021616

1947ء کے بعد ریاست جموں وکشمیر کی جبری تقسیم کے سبب مجموعی طور پر مردم شماری ممکن نہ رہی آزاد کشمیر، بھارتی مقبوضہ کشمیر، مہاجرین جموں [illegible] گلگت بلتستان کی آبادی بڑھتی رہی اور شرح آبادی میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا لیکن ا[illegible] سکے ایک محتاط تخمینے کے مطابق اس وقت ریاست جموں وکشمیر کی کل آبادی ایک کروڑ [illegible] لاکھ ہے [illegible] تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔	ہندوستانی مقبوضہ کشمیر	80لاکھ
۲۔	آزاد کشمیر	30لاکھ
۳۔	گلگت بلتستان	10لاکھ
۴۔	مہاجرین مقیم پاکستان	15لاکھ
۵۔	بیرون ملک آباد کشمیری	14لاکھ
	کل آبادی	14900000 ایک کروڑ انچاس لاکھ

بلحاظ آبادی ریاست جموں وکشمیر دنیا کے 131 ممالک سے بڑی ہے۔(۳)

کشمیر کی انتظامی تقسیم:

بھارتی مقبوضہ کشمیر	41342 مربع میل
گلگت بلتستان	29841 مربع میل (اب اسے الگ صوبے کی حیثیت حاصل ہے)
آزاد کشمیر	4144 مربع میل

اقصائی چین 9171 مربع میل

ریاست جموں و کشمیر کے کل 28 اضلاع اور 88 تحصیلیں ہیں تفصیل حسب ذیل ہے۔

صوبہ جموں:

	اضلاع	تحصیلیں
۱۔	ضلع جموں	۱۔جموں ۲۔سانبہ ۳۔رنبیر سنگھ پورہ ۴۔اکھنور
۲۔	ضلع کٹھوعہ	۱۔کٹھوعہ ۲۔آہرانگر ۳۔بسولی ۴۔بلاور
۳۔	ضلع اودھم پور	۱۔اودھم پور ۲۔رام نگر ۳۔ریاسی ۴۔گلاب گڑھ
۴۔	ضلع راجوری	۱۔راجوری ۲۔نوشہرہ ۳۔بدھل
۵۔	ضلع ڈوڈہ	۱۔ڈوڈہ ۲۔رام بن ۳۔کشتواڑ ۴۔بھدرواہ
۶۔	ضلع پونچھ (مقبوضہ بھارت)	۱۔حویلی ۲۔مینڈھر ۳۔سرن کوٹ

صوبہ کشمیر:

	اضلاع	تحصیلیں
۱۔	ضلع سری نگر	۱۔سری نگر ۲۔گاندربل ۳۔کنگن
۲۔	ضلع انت ناگ	۱۔انت ناگ ۲۔پہل گام ۳۔ڈورو ۴۔کولگام
۳۔	ضلع بڈگام	۱۔بڈگام ۲۔بیروہ ۳۔ترال ۴۔پامپور
۴۔	ضلع بارہ مولا	۱۔بارہ مولا ۲۔سوپور ۳۔اوڑی ۴۔بانڈی پورہ ۵۔ٹنگمرگ ۶۔سوناواری ۷۔پٹن۔
۵۔	ضلع کپواڑہ	۱۔کپواڑہ ۲۔ہندواڑہ ۳۔کرناہ

صوبہ لداخ:

	اضلاع	تحصیلیں
۱۔	ضلع لداخ	۱۔لیہ۲۔پرم
۲۔	ضلع کرگل	۱۔کرگل۲۔دراس

آزاد کشمیر:

	اضلاع	تحصیلیں
۱۔	ضلع میر پور	۱۔میر پور۲۔ڈڈیال۳۔چکسواری
۲۔	ضلع بھمبر	۱۔بھمبر۲۔سماہنی۳۔برنالہ
۳۔	ضلع کوٹلی	۱۔کوٹلی۲۔سہنسہ۳۔نکیال
۴۔	ضلع پونچھ (آزاد کشمیر)	۱۔راولاکوٹ۲۔ہجیرہ۳۔عباسپور
۵۔	ضلع سدھنوتی	۱۔پلندری۲۔تراڑکھل۳۔بلوچ
۶۔	ضلع باغ	۱۔باغ۲۔حویلی۳۔دھیرکوٹ
۷۔	ضلع مظفر آباد	۱۔مظفرآباد۲۔ہٹیاں۳۔اٹھمقام
۸۔	ضلع نیلم	ابھی تک اس کی تحصیلیں نہیں صرف ضلع کا اعلان ہوا ہے
۹۔	ضلع ہٹیاں	دو تحصیلیں (ابھی تک اس کی تحصیلیں نہیں صرف ضلع کا اعلان ہوا ہے)
۱۰۔	ضلع حویلی	دو تحصیلیں (ابھی تک اس کی تحصیلیں نہیں صرف ضلع کا اعلان ہوا ہے)

گلگت بلتستان:

	اضلاع	تحصیلیں
۱۔	ضلع گلگت	۱۔گلگت ۲۔نگر ۳۔ہنزہ
۲۔	ضلع دیامر	۱۔چلاس ۲۔استور ۳۔داریل تانگیر
۳۔	ضلع غذر	۱۔پنیال ۲۔اشکومن ۳۔گوپلس ۴۔یاسین
۴۔	ضلع اسکردو	۱۔اسکردو ۲۔روندو ۳۔شگر
۵۔	ضلع گھانچے	۱۔خپلو ۲۔سیاچن ۳۔کھرمنگ (۴)

کشمیر کی خانقاھیں اور مزارات:

وادی کشمیر کی مشهور خانقاھیں درگاھیں اور مزارات:

خانقاہ والا، خانقاہ معلیٰ، خانقاہ کبرویہ، خانقاہ ءاعلا، خانقاہ فیض پنا، خانقاہ سید مہر مدنی، خانقاہ چشتی، خانقاہ شیخ عالم، خانقاہ شیخ نورالدین ولی چرار شریف،

صوبہ جموں کی درگاھیں خانقاھیں مزارات:

درگاہ پیر روشن ولی (جموں)، درگا پیر مٹھا (جموں)، درگاہ پنج پیر (جموں)، درگاہ پیر غریب شاہ (جموں)، درگاہ حضرت پیر شاہ (بسوہلی) تکیہ حضرت اورنگ علی شاہ (اودھم پور) درگاہ شاہراہ شریف (راجوری) درگاہ حضرت ستار شاہ (سرن کوٹ) درگاہ حضرت شاہ فریدالدین (کشتواڑ) خانقاہ حضرت شاہ اسرارالدین (کشتواڑ) درگاہ حضرت سعید شاہ (بھدرواہ)

آزاد کشمیر کی مشہور خانقاہیں/مزارات:

ا۔پیر موتکاولی (بھمبر) باباشادی شہید (بھمبر) حضرت بابا پیر شاہ غازی (کھڑی شریف) خانقاہ میاں محمد بخش (کھڑی شریف) خانقاہ حضرت سائیں رکن الدین (میر پور) خانقاہ ڈھانگری شریف (اب اس کا نام فیض پور رکھ دیا گیا ہے) (میر پور)، خانقاہ گلہار شریف (کوٹلی ان کا سابق دربار چچیاں میں ہے) خانقاہ پناگ شریف، خانقاہ فتح دین قلعاں (سدھنوتی) خانقاہ گودڑی بادشاہ سیاح (سرساوہ کوٹلی) خانقاہ نیریاں شریف (سدھنوتی) خانقاہ پیر سوہنے شاہ (منڈھول) خانقاہ کبٹیاں شریف (کوٹلی) خانقاہ روڈا (داراندی) خانقاہ سوپ ناگ (عباسپور) خانقاہ بدھال شریف (کہوٹہ) سائیں روڈا (داراندی) ہجیرہ پیر، خانقاہ دوتھان، خانقاہ کوئیاں سائیں جعفر، بیٹھک حضرت شاہ ہمدان (تولی پیر) بیٹھک حضرت مخدوم جہانیاں دیسا پیر چار بیاڑ (ہجیرہ) مزار سائیں محمد حسین (راولاکوٹ) خانقاہ داڑلی، مزار حضرت پیر جنید شاہ (پانیولہ) خانقاہ حضرت پیر رستم علی شاہ (پانیولہ سرچھ) خانقاہ سوہاوہ شریف (ضلع باغ)، خانقاہ حضرت سائیں سہیلی سرکار (مظفرآباد)، خانقاہ مائی طوطی (کوٹلی) زیارت شاہ عنایت (مظفرآباد) دربار نوار شریف (مظفرآباد) دربار عالیہ سکندریہ (ہٹیاں) دربار عالیہ بنی حافظ (مظفرآباد) دربار عالیہ بساہاں شریف، پیر چناسی (مظفرآباد) ٹریڈا شریف دیسہ۔(۵)

کشمیر میں اشاعت اسلام اور اسلامی دور حکومت کا آغاز:

کشمیر میں اسلام کی روشنی کی ابتداء عالم صوفیاء اور خاموش مبلغوں کے ذریعے ہوئی اشاعت اسلام ایسی ہی شروعات کے بعد جید مشائخ عظام اور علماء کرام نے اشاعت اسلام کے فکر و عمل کو عروج تک پہنچایا۔

پہلی صدی ہجری کے اواخر میں حمیم بن سامہ اور سلیط بن عبداللہ الحنفی دو خاموش مبلغوں کے ذریعے کشمیر میں اسلام کے داخل ہونے کی شہادتیں ملتی ہیں۔

آٹھویں صدی ہجری کے وسط تک ایران:

افغانستان وسط ایشیاء اور ہندوستان میں نور اسلام کا اجالا پھیل چکا تھا خطہ کشمیر ابھی اسلام کی روشنی سے پوری طرح آشنا نہ ہوا تھا اسلام کی مکمل اشاعت سے قبل کشمیر میں نگ مت، ہندومت، بدھ مت، اور شیو مت کے مذہبی اور روحانی تصورات عروج پر تھے۔ برہمنوں اور ہندوؤں کے مذہبی پیشواؤں نے لوگوں کو ذات پات، اونچ نیچ اور رنگ و نسل کے امتیازات میں الجھا کر ان کی راہ زیست کو ناہموار کر دیا تھا۔ پنڈت کلہن اپنی تصنیف راج ترنگنی میں لکھتا ہے کہ کشمیر کا چپہ چپہ مندروں سے بھرا پڑا تھا ان مندروں میں دیوی دیوتاؤں کی پوجا ہوتی تھی۔ شیو اوشنو، لکشمی اور سرسوتی دیوی کا راج تھا اس راج نے خلق خدا کو ظلمت و جہالت کی تاریک وادیوں میں مقید کر رکھا تھا۔

تیرہویں صدی عیسوی میں کشمیر کا راجہ رنچن شاہ مسلمان ہوا اور اس کا اسلامی نام صدرالدین رکھا گیا رنچن شاہ سہدیو کے دور حکومت میں درہ زوجیلا کے راستے کشمیر میں داخل ہوا اور سیاسی پناہ گزین کی حیثیت سے وارد ہوا رنچن نے گگن گیر میں سکونت اختیار کی درہ لارہ کے اس پہلے گاؤں میں کشمیر کا راجہ سہدیو اور وزیر اعظم رام چند کا محل تھا رنچن نے اپنی ذہانت اور ہوشیاری سے دربار میں جگہ بنالی۔ 1320ء میں منگولیا کے منگولوں نے زلجو کی قیادت میں کشمیر پر دھاوا بول دیا منگولوں کو دیکھ کر سہدیو اور رام چند بھاگ کھڑے ہوئے منگولوں کی واپسی پر رنچن نے امور مملکت میں اہم کردار ادا کیا اور اپنا اعتماد بڑھایا چنانچہ بھٹہ سپاہیوں کے محل پر پہنچ کر معمولی تگ و دو کے بعد رنچن نے رام چند کو قتل کر دیا اور خود 16 اکتوبر 1320ء کو بادشاہ کشمیر ہونے کا اعلان کر دیا۔

رنچن نے عوام کا اعتماد بحال کرنے کے علاوہ اپنے خطرات کو کم کرنے کے لیئے شیو پرستوں کے گرو سوامی سے التجا کی کہ اسے اپنے پجاریوں میں داخل کرے لیکن اس گرو نے رنچن کی پیشکش قبول نہ کی مذہب کے قبائلی جائزے اور روحانی تسکین کے لیئے رنچن شاہ رائج مذاہب کے افراد و پیشواؤں سے مذکرات کرتا رہتا تھا۔ رنچن شاہ بدھ مت کا پیروکار تھا اسکی بیوی ہندو مت کی پیروکار تھی رنچن بدھ مت کے تصورات سے نالاں رہتا تھا وہ کسی سچے اور سیدھے سادے دین کی تلاش میں تھا اس نے اپنی تشویش سے اپنے وزیر شاہ میر کو بھی آگاہ کیا شاہ میر نے اسے حوصلہ دیا اور امن وسکون کی تلاش کو جاری رکھنے کا مشورہ دیا ایک صبح رنچن چہل قدمی کے لئے دریائے جہلم کے کنارے نکلا کیا دیکھتا ہے کہ ایک شخص نہایت خشوع وخضوع سے عبادت میں مشغول ہے وہ کھڑا دیکھتا رہا بزرگ جب عبادت سے فارغ ہوئے تو اس نے قریب آ کر دریافت کیا کہ آپ کون ہیں؟ اور کیا کر رہے تھے؟ آپ نے بتایا میں مسلمان ہوں میرا دین اسلام ہے نماز اسلام کا ستون ہے میں نماز ادا کر رہا تھا۔ رنچن آپ کو اپنے ہمراہ شاہی محل لے گیا اور اسلام کے متعلق معلومات حاصل کیں اسلام کی باتیں ایک اللہ کے ولی کی زبان سے سن کر رنچن پر ایسا اثر ہوا کہ آپ کے دست حق پر ایمان لایا۔ یہ بزرگ حضرت عبدالرحمٰن عرف بلبل شاہؒ تھے انہوں نے رنچن کا اسلامی نام صدرالدین رکھا صدرالدین کشمیر میں پہلا مسلمان حکمران تھا رنچن کے قبول اسلام سے رعایا بھی اسلام میں داخل ہونے لگی بلبل شاہ کے بعد ایک ولی کامل حضرت سید حسین سمنانیؒ کشمیر تشریف لائے اور انت ناگ میں دریائے شیو کے کنارے رونق افروز ہوئے وہ روحانی کمالات سے بڑی بڑی بیماریوں کا علاج کر لیتے تھے آپ نے کشتواڑ کے مہلک مرض میں مبتلا ایک شخص سلر سنز کو تعویذ دیا اور وہ صحت یاب ہو کر حلقہ اسلام میں داخل ہو گیا آپ نے اس کا نام سالارالدین رکھا آپ نے سالارالدین کا نکاح صدر فوج نامی ایک بیوہ سے کر دیا اور اسے بشارت دی کہ تیرے بطن سے ایک بچہ پیدا ہوگا جو ولی اللہ ہوگا آپ نے اس کا نام نورالدین رکھ دیا اور فرمایا ہمارے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد یہ بچہ پیدا ہوگا اور دین اسلام کی روشن کرے گا۔ انہی ایام میں اللہ عارفہ نامی عورت

نے شہرت حاصل کی وہ ایک درویش منش عورت تھی جو لوگوں کو وحدت، اخوت اور محبت کا درس دیتی تھی۔ ۷۷۴ھ میں ایران کے ایک بزرگ سید علی ہمدانی وادی کشمیر میں داخل ہوئے ان کے ہمراہ پانچ رفقاء تھے آپ نے اپنے روحانی کمالات سے ایک ظالم جوگی کا مقابلہ کیا جو مسافروں کو تنگ کرتا تھا آپ نے چھ ماہ قیام کیا اور بدخشاں سے ہوتے ہوئے ختلان چلے گئے آپ تین بار کشمیر تشریف لائے دوسری بار آپ اپنے ہمراہ پانچ سو جید علماء و مشائخ کو لے کر آئے اور ہزاروں لوگوں کو دائرہ اسلام میں شامل کیا شاہ میریوں کے عہد میں کشمیر کے گوشے گوشے تک اسلام پھیل گیا صوفیاء اور علماء کے ساتھ ساتھ نیک صفت سلاطین نے بھی اشاعت اسلام کے لیئے کام کیا۔ کشمیر اولیاء و صوفیاء کا مرکز رہا روایت ہے کہ یہاں ایک لاکھ سے زائد صوفیاء گزرے ان صوفیاء کرام نے لوگوں کو صرف نماز روزہ کی تلقین نہیں کی بلکہ انہیں علم، ادب، حکمت، تہذیب و معاشرت اور انداز زیست بھی سکھائے کشمیر کے نامور اولیاء کرام میں شیخ حمزہ مخدوم، سید احمد کرمانی، شیخ یعقوب صرفی، ملا محسن فانی، خواجہ محمد طاہر رفیق، حاجی احمد قادری، حضرت شیخ نورالدین ولی، حضرت بابا بام دین، حضرت بابا پیام الدین، حضرت حمد حصار، حضرت بابا ضیاء الدین اور میاں محمد بخش مشہور ہیں۔

صدرالدین نے سری نگر میں رنچن پورہ محلّہ تعمیر کروایا یہاں اس نے کشمیر کی پہلی مسجد تعمیر کروائی عالی کدل سری نگر میں ایک اور مسجد تعمیر کروائی اور اس میں لنگر خانہ بنوایا سلطان کے روحانی پیشوا کے نام سے بلبل لنگر مشہور ہوا۔ سلطان صدرالدین نے ۱۳۲۰ء تک حکومت کی اور پھر سہدیو کے چچازاد بھائی نے سازش کی اور باغی افراد نے بغاوت کی اور حملہ کے دوران سلطان صدرالدین کی زخمی کر دیا 25 نومبر 1323ء کو سلطان نے شہادت نوش کی بلبل شاہ کے مزار کے پہلو میں بلبل لنگر میں دفن ہوا اس کے بعد ادیان دیو نے تحت کشمیر سنبھال لیا اور ایک بار پھر ترک اور مغل حملوں کے دوران ادیان دیو عوام کو بے یار و مددگار چھوڑ کر بھاگ گیا۔ بہر حال اس کی حکومت کا دورانیہ ۱۵ برس ۱۳۲۱ء تا ۱۳۳۶ء تھا اس کے بعد ایک مسلمان وزیر شاہ میر نے جو ہزارہ سوات کا رہنے والا تھا حکومت پر قبضہ کر لیا شاہ میر نے سلطان شمس الدین کا لقب اختیار کیا وہ

کشمیر کا پہلا باقاعدہ حکمران تھا جس نے کشمیر میں شاہ میری خاندان کی حکومت کی بنیاد رکھی شاہ میر جیسے عادل ،وسیع القلب، نرم دل حکمران اور سید علی ہمدانیؒ اور ان سینکڑوں مریدین کی تبلیغ ،انسان دوستی، دیانت و شرافت نے ظلم وستم کے پنجوں میں جکڑے ہوئے کشمیریوں کو متاثر کیا اور یہ لوگ جوق در جوق اسلام میں آنے لگے شاہ میر سے قبل راجاؤں نے عوام الناس کو ظلم و جبر، تنگ دستی اور افلاس کے سوا کچھ نہ دیا ایسے میں شاہ میر کا حکومت سنبھالنا رحمت خداوندی سے کم نہ تھا۔

(۱)۔ بلبل شاہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آپ کے شانہ اقدس پر ہر وقت ایک بلبل بیٹھا رہتا تھا جب آپ نماز ادا کرتے تو یہ بلبل آپ کے سر پر چکر لگاتا رہتا۔

(بقول مورخ زولراج)

شاہ میر نے حکومت سنبھالتے ہی پہلی توجہ عوام کی طرف دی اور انکی حالت بدل دی کشمیر میں شاہ میری حکومت کے بارے میں پریم ناتھ بزاز تحریر کرتے ہیں کہ کشمیر میں اسلام کا ظہور ایک رحمت بن کر آیا ایک انقلاب برپا ہو گیا جس نے پستی میں گرتے ہوئے کشمیری عوام کے ذہنوں کو بدل کر رکھ دیا زندگی کے ساتھ ساتھ انکا رویہ بھی بدل کر رہ گیا وہ دوبارہ انسانوں میں شمار ہونے لگے اگر چودھویں صدی میں کشمیریوں نے اسلام قبول نہ کیا ہوتا تو نا معلوم ان کیا کیا حشر ہوتا شاید وہ نیست و نابود ہو جاتے اس انقلاب کے ساتھ دراصل کشمیریوں نے نیا جنم لیا ان کی صلاحتیں دوبارہ بیدار ہوئیں جو نااہل راجاؤں کے ظلم وستم سے برباد ہو گئیں تھیں۔ کشمیری قوم نے نئے دور کا آغاز نہایت ذوق وشوق سے کیا اور نئی تہذیب سے ان کا رابطہ اس طرح بڑھا کہ علوم وفنون، صنعت و دستکاری غرض یہ کہ ہر شعبہ زندگی میں انہوں نے جوہر دکھانے شروع کر دیئے۔(۲)

شاہ میری خاندان نے دوسو سال تک کشمیر میں حکومت کی یکے بعد دیگرے اسی خاندان کے حکمران آتے رہے ان میں شہاب الدین، علاؤالدین، سکندر بت شکن، سلطان علی شاہ، سلطان زین العابدین قابل ذکر ہیں۔

سلطان زین العابدین بڈ شاہ:

بڈ شاہ اس سے قبل اپنے بڑے بھائی کے دور حکومت میں کشمیر کا وزیر اعظم رہ چکا تھا اقتدار سنبھالنے کے بعد اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ غیر مسلموں بالخصوص ہندوؤں پر جو ٹیکس سکندر نے لگائے تھے سب کے سب منسوخ کر دیئے بڈ شاہ نے غیر مسلموں کے معاملات میں عدم مداخلت پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ اس نے ملک کی غیر مسلم آبادی کے تالیف قلوب کے لیئے وہ مندر دوبارہ تعمیر کروائے جنہیں سکندر نے مسمار کر کے کھنڈرات میں بدل دیا تھا اس نے مارتنڈ اور امرناتھ کے مقام پر دو عظیم الشان مندر تعمیر کروائے۔

زین العابدین نے اس کے علاوہ تعلیم کی سر پرستی کی اور دوسرے مما لک سے کاتب اور فلاسفر بلائے اور ان کی اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا اس طرح دوسرے مما لک سے کتب بھی منگوائیں اور کشمیر یں تقسیم کروائیں اس کے علاوہ صنعت وحرفت میں بھی ترقی کی نہریں تعمیر کروائیں اور زراعت کو ترقی دی۔ اقتصادی حالت کو سنبھالنے کے لیئے گھریلو صنعت کو ترقی دی جن میں شال بانی، قالین بانی، ظروف سازی، چوبی دستکاریاں وغیرہ شامل ہیں ہندوستان اور ایران سے ماہرین منگوا کر کشمیر میں کاغذ سازی، ریشم سازی لکڑ پر کھدائی کا کام روڈ کارونگ، چاندی کے ظروف بنانے کے کام کارواج دیا محبّ الحسن نے زین العابدین کے بارے میں لکھا ہے کہ اس نے علم وادب، موسیقی ومصوری کی بڑی سر پرستی کی اور کشمیر میں ثقافت کا چرچا کیا اس کی رعایا اس کی وفادار تھی اور اسکو بڈ شاہ کہتی تھی پانچ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اس کی مقبولیت برقرار ہے کشمیر ساد کے عہد از ڈاکٹر محبّ الحسن 187 بعد سلطان زین العابدین کو بڈ شاہ اس لیئے کہا جاتا ہے تھا بڈ شاہ کا معنیٰ عظیم بادشاہ کے ہیں۔(۷)

قدیم ہندوانہ دور کی ایک لمبی داستان ہے جو سینکڑوں سالوں پر محیط ہے مسلم دور تیرہویں صدی عیسوی کشمیر کا رنچن شاہ مسلمان ہوا اور پہلا مسلمان حکمران بنا۔ رنچن کے بعد شاہ میر نے حکومت سنبھالی۔ اس کے بعد زین العابدین عرف بڈ شاہ حکمران بنا اہل کشمیر بڈ شاہ کے دور کو بہت مثالی دور قرار دیتے ہیں۔

چک خاندان 1555ء سے 1582ء تک کشمیر پر حکومت کی یہ چونکہ شیعہ مسلک سے تعلق رکھتے تھے انکی شیعہ نوازی کی وجہ سے مغل بادشاہوں اکبر اعظم نے اسکو مغل سلطنت میں شامل کیا، چنانچہ 1582ء میں مغلوں نے کشمیر پر قبضہ کرلیا۔

مغل حکمران مغلیہ خاندان چونکہ کشمیر کے معاملات میں خاصی دلچسپی رکھتا تھا یہ لوگ کشمیر کے قدرتی حسن کے دلدادہ تھے اس لئے مغل حکمرانوں نے کشمیر میں جا بجا باغات لگائے جھیلیں بنائی محل تعمیر کرائے۔ تعمیر و ترقی کے اعتبار سے مغل حکمران کے بے شمار یادگاریں ہیں جن میں مساجد حاصل طور پر قابل ذکر ہیں۔

مغلیہ دور 1582ء تا 1752ء:

افغان دور حکومت 1752ء میں افغان سالار عبداللہ ایشک قاضی نے کشمیر فتح کیا افغانوں کی سفا کی پوری تاریخ کشمیر میں مشہور ہے اس عرصہ میں 28 گورنر برسر اقتدار آئے۔ 1819ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ والی لاہور نے سپہ سالار دیو چند کی سربراہی میں لشکر بھیجا جس نے افغان گورنر جبار خان کو شکست دی۔

سکھ دورِ حکومت:

1819ء سے 1846ء تک سکھ دور حکومت رہا سکھ 27 برس برسرِ اقتدار رہے اوران کے آخری دو حکمران شیخ محی الدین اور شیخ امام دین مسلمان تھے۔ سکھ عہد بھی ظلم کا ایک نیا باب تھا۔ 1842ء میں جب انگریز حکومت نے سکھ حکومت کا خاتمہ کیا کشمیر انگریزوں کی عمل داری میں چلا گیا۔ (۸)

انگریزوں نے 16 مارچ 1846ء کو معائدہ امرتسر کے تحت یہ ملک کشمیر 75 لاکھ نانک شاہی میں ڈوگرہ کے ہاتھ بیچ دیا۔

اس پر علامہ اقبال نے دکھ بھرے لہجے میں فرمایا:

دھقاں وکشت وجوئے وچناباں فروختند

قومے فروختند چہ ارزاں فروختند (۹)

ڈوگرہ اقتدار:

گلاب سنگھ: 1846ء تا 1857ء تک حکومت کی۔

رنبیر سنگھ: 1857ء تا 1885ء تک حکومت کی۔

برتاب سنگھ: رنبیر سنگھ کا بیٹا تھا۔ 1885ء تا 1925ء تک حکومت کی۔

مہاراجہ پرتاب سنگھ کی اولاد نہیں تھی اس نے اپنے بھتیجے ہری سنگھ کی ولی عہد مقرر کیا جو 1926ء کو تخت نشین ہوا۔ اور اسکی حکمرانی آزاد کشمیر 1947ء تک رہی۔ (۱۰)

پونچھ میں مقیم سدھن قبیلہ سکھوں کی غلامی سے چھٹکارا حاصل کرنے کو کوشش کرنے لگا تو گلاب سنگھ خود پونچھ پر حملہ آور ہوا معروف کشمیری مورخ محمد دین فوق رقمطراز ہیں۔

اپنی خاص عادات کی وجہ سے یہ قوم (سدھن) دوسری قوموں سے بالکل مختلف اور علیحدہ معلوم ہوتی ہے اسکی سخت جانی اور جفا کشی اور مردانگی و شجاعت یوں تو عام طور پر مشہور ہے لیکن جب سکھ حکومت کے دوران راجہ گلاب سنگھ شورش پونچھ مٹانے آیا اور جب اس نے سدھن قوم کے مشہور قلعہ منگ تحصیل سدھنوتی میں جا کر سدھنوں کے سرغنہ سردار ملی خان، سبز علی خان کی کھالیں اتروائیں اور دوسرے سدھنوں کو سخت سزائیں دی تو کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں نے نہایت حوصلے اور صبر سے ان سزاؤں کو برداشت کیا ناموس وطن اور اپنی آزادی کی خاطر ان قربانیوں کی کوئی پروانہ کی اسی طرح شمس خان اور رجب علی خان سکنائے رسام پٹن کو جب موت کے گھاٹ اتارا گیا تو انہوں نے موت کو موت نہیں بلکہ حیات جاوید سمجھ کر سینے لگایا۔

راجہ گلاب سنگھ سدھن قوم کے مرد وزن کی ایک معقول تعداد قیدیوں کی صورت میں جموں لایا یہاں بھی کئی سدھنوں کی کھالیں اتروائیں لیکن وہ اپنے آخری وقت آزادی وطن کے وظیفے رٹتے رہے۔(۱۱)

فوق مزید لکھتے ہیں۔

افغانستان میں تمام سدوزئی قوم جو درانی اور افغانی بھی کہلاتی ہے اہلسنت والجماعت ہے اور پنجاب میں بھی جہاں جہاں یہ قوم آباد ہے اہلسنت والجماعت ہی سے تعلق رکھتی ہے اور پونچھ میں جس قدر سدھن ہیں حنفیہ عقائد رکھتے ہیں اور اہل سنت والجماعت ہیں۔ بہر حال گلاب سنگھ نے اپنے ظلم کی انتہا کردی اور یہ ظلم میں امیہ بن خلف سے بھی بڑھ گیا ادھر اکابرین سدھن قبیلہ بڑی پامردی سے سنت بلالی ادا کرتے رہے زندہ انسان کی کھال اترنا یہ کچھ شائد گوانتاموبے کی رسوائے زمانہ جیلوں میں بھی نہیں ہوتا لیکن اکابرین سدھن قبیلہ نے یہ سب کچھ وطن کی آزادی کے لیے برداشت کیا۔(۱۲)

گلاب سنگھ رنجیت سنگھ کے حکم کے مطابق ہزارہ کی مہم چھوڑ کر پونچھ کی طرف روانہ ہوا گلاب سنگھ ان پہاڑی سرداروں کی قوت اور دلیری سے آگاہ تھا اس کو یہ بھی معلوم تھا کہ یہ سردار وقتی طور پر متحد ہیں ان میں باہم اختلاف بھی رہتے ہیں گلاب سنگھ فوراً حملہ کرنے کے بجائے فوج لو لے کر کہوٹہ کے قریب قیام پذیر ہوا گلاب سنگھ کو جاسوس مل گئے جنہوں نے باہم رنجشوں اور اختلافات کی خبر دی کیونکہ یہ مزاحمت کئی سالوں سے جاری تھی اور ان لوگوں کے پاس اتنے وسائل نہ تھے یہ پہاڑی لوگ تھے کوئی مسلح فوج نہ تھی ان اسباب کی وجہ سے گلاب سنگھ کو برتری حاصل ہوگئی وہ سارے علاقے میں اپنے مخبروں کے ذریعے خوف و ہراس پھیلانے میں کامیاب ہوگیا ان سب اقدامات میں گلاب سنگھ تقریباً بیس ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوا اس نے آئین پانہ کے مقام پر دریا عبور کیا اور پتن کے راستے سدھنوتی کی طرف روانہ ہوا مجاہدین نے بڑی مزاحمت کی مگر وہ منگ پہنچنے میں کامیاب ہوگیا اس دوران مجاہدین کی ایک بڑی تعداد شہید ہوگئی منگ قلعہ فتح کرنے کے بعد گلاب سنگھ پلندری کی طرف بڑھا منگ فتح کرنے کے بعد اس نے باغی سرداروں کو تلاش

کروایا اور انہیں گرفتار کر کے انہیں نہایت بے دردی سے شہید کیا جو سردار منگ کے مقام پر شہید ہوئے ان کی زندہ کھالیں اتاریں گئیں۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ سردار مستانہ خان
۲۔ سردار سبز علی خان
۳۔ سردار ملی خان
۴۔ سردار مہتا خان
۵۔ سردار جموں خان
۶۔ سردار باز خان
۷۔ سردار بنگش خان
۸۔ سردار احمد یار خان
۹۔ سردار دولت خان
۱۰۔ سردار عمرو خان
۱۱۔ سردار امیر علی خان
۱۲۔ سردار پرچون خان
۱۳۔ سردار میرید خان
۱۴۔ سردار امرادو خان
۱۵۔ سردار راج ولی خان
۱۶۔ سردار شمس خان
۱۷۔ سردار ملکوں خان (۱۳)

تنظیمیں جن کی جدوجہد کے نتیجے میں کشمیر کا کچھ حصہ آزاد ہوا یہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ انجمن اسلامیہ جموں
۲۔ انجمن کشمیری مسلمانان لاہور
۳۔ انجمن نصرت اسلام
۴۔ آل انڈیا مسلم کشمیری کانفرنس
۵۔ ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن
۶۔ انجمن اسلامیہ پونچھ
۷۔ ریڈنگ روم پارٹی

۸۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی

۹۔ آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس

۱۰۔ آزاد پارٹی مسلم کانفرنس

۱۱۔ نیشنل کانفرنس

۱۲۔ انجمن آزاد پونچھ

۱۳۔ جموں و کشمیر مسلم لیگ

۱۴۔ مسلم سٹوڈنٹ یونین

۱۵۔ کسان مزدور کانفرنس۔(۱۴)

تحریک آزادئ کشمیر ۱۹۴۷ء:

سری نگر آبی گزر میں سردار محمد ابراہیم خان کے گھر قرارداد پاکستان کی منظوری کا مطالبہ منظور ہو کر اعلان بھی ہو گیا۔ سردار محمد ابراہیم کہتے ہیں کہ اس کے بعد ریاست پر بری طرح ڈورے ڈالے جانے لگے۔ رام چندا کاک ابھی وزیر اعظم تھا وہ دہلی گیا تو دونوں نئی حکومتوں کے لیڈروں سے ملاقات کی اور ایک ایسا بیان دیا جو بین بین انداز کا تھا بہر حال پاکستان کی مخالفت واضح الفاظ میں نہ تھی ہم نے مسلم کانفرنس کی جنرل کونسل کا اجلاس بلایا۔ پونچھ کے حالات نے تشویش ناک صورت حال پیدا کر دی تھی۔ اور پاکستان کے متعلق بھی فیصلہ کرنا تھا مگر کاک حکومت نے پابندیاں تیز کر دیں ہم سب پر چوبیس گھنٹے کی سی۔آئی۔ڈی بیٹھ گئی اجلاس میں شمولیت کے لئے دوسو کے لگ بھگ ممبران ساری ریاست سری نگر پہنچ گئے ہمیں اجلاس کے لئے جگہ نہیں ملتی تھی سب ہوٹلوں نے انکار کر دیا سب ہاؤس بوٹ والوں نے انکار کر دیا۔ وہ حکومت سے بھی ڈرتے تھے اور نیشنل کانفرنس والوں سے بھی ڈرتے تھے میر واعظ یوسف شاہ ہم سے بالکل الگ تھے بلکہ

ہماری مخالفت پر اترے ہوئے تھے پریس ہمارے پاس اس قدر مضبوط تھا ہی نہیں البتہ پنجاب کے اخبارات خبر شائع کرنے کے لئے تیار رہتے تھے مگر کچھ عرصہ کے بعد باہر کی اخباروں پر بھی پابندی لگا دی گئی اس اجلاس کے لئے فنڈ مسلم کانفرنس کے پاس اللہ کے فضل سے کبھی تھے ہی نہیں بڑا نازک وقت تھا ہر طرف سے طوفان کے بادل اکھٹے ہو کر منڈلا رہے تھے بالآخر میں نے اپنے مکان میں اجلاس بلانے کی اجازت دی۔ چوہدری حمید اللہ مرحوم مسلم کانفرنس کے قائم مقام صدر تھے میر واعظ یوسف شاہ کہتے تھے کہ وہ اصل صدر ہیں بہرحال ہمارے لئے چوہدری حمید اللہ مرحوم ہی صدر تھے میں نے اپنے دفتر والا کمرہ صاف اور خالی کروایا یہ کمرہ کافی بڑا تھا جس کے فرش پر ہمارے سارے کونسلر لوگ آسانی سے بیٹھ گئے ان لوگوں میں ایک غفار گوجر صاحب بھی تشریف لائے انہیں ہم نے دعوت نہ تھی تھی مگر میر واعظ والے گروپ نے بھیجا تھا مگر کس مقصد کے لئے میرے علم میں ہرگز نہیں ہے یہ ایک پہلوان قسم کا انسان تھا کافی بلند اور موٹا اتنا تھا کہ دروازے سے کافی مشکل سے اندر آسکا اور میں پریشان ہو گیا اس لئے کہ اگر مقصد گڑبڑ کرنا ہے تو اس پہلوان نے لڑھکنا ہی شروع کیا تو سارے کونسلر اس کے نیچے پس جائیں گے ساری مسلم کانفرنس اس طرح شہید ہو گئی تو پھر کیا ہو گا کسی نے کہا اسے اندر ہی نہ آنے دو یہ بھی جھگڑے والی بات تھی اس کا باہر رہنا اور بھی خطرناک ہو سکتا تھا۔

دوسروں کو بلا کر ہلڑ ہی مچائے تو پھر بھی غلط بات تھی سری نگر کی سیاست یہاں تک اتری ہوئی تھی لیڈر لوگ ایک دوسرے کو ہاکیوں سے مارتے اور پیٹتے تھے سارا ماحول سازش اور دھوکہ دہی سے پر ہو چکا تھا۔ میں نے معاملہ خوب سوچا تو مجھے سمجھ میں آئی کہ پہلوان کے ساتھ لڑائی بے سود ہے اور کسی قسم کی بدمزگی ہمارے خلاف ہی جائے گی نتائج کچھ ہوں ہمارے دشمن یہی چاہتے تھے کہ اجلاس بری طرح ناکام ہو جائے۔ رام چند کاک بھی چاہتا تھا ہری سنگھ بھی یہی چاہتا تھا ہمارے سیاسی مخالف نیشنل کانفرنس والے تو سری نگر میں مسلم کانفرنس کا اجلاس برداشت ہی نہیں کر سکتے تھے میں نے غفار گجر سے کہا پہلوان صاحب تشریف

رکھیئے آپ بھی اجلاس میں تشریف لائے ہیں بڑی خوشی کی بات ہے آپ نے میری بڑی حوصلہ افزائی کی ہے پہلے پہلوان جوتا ہی نہیں اتارتا تھا حوصلہ افزائی جو ہوئی تو جوتا اتارا میں نے انہیں پکڑ کر بڑی کمیٹی کے درمیان لے گیا سگریٹ پانی دیا تو تسلی ہوگئی کہ یہ ہاتھی اتنا بے قابو نہیں جتنا دکھائی دیتا ہے میری پالیسی اور ڈپلومیسی کام کرگئی وہ اطمینان سے کاروائی سنتا رہا۔

قصہ خود مختار کشمیر کا:

یہ کاروائی بڑی طوفانی تھی ایک گروپ ایسا تھا جو یہ چاہتا تھا کہ کشمیر ریاست خود مختار ہو جائے یہ گروپ بدنیتی سے ایسا نہیں کہہ رہا تھا ان کا خیال تھا کہ اگر خود مختاری کا اعلان کر دیں تو ہندوستان ریاست پر ڈورے ڈالنا چھوڑ دے گا اور پاکستان بننے کے بعد یہ خود بخود پاکستان کی جھولی میں چلا جائے گا مسلم کانفرنس خود مختاری کی سخت مخالف تھی۔

بحر حال بڑی طویل بحث کے بعد پاکستان کے حق میں ریزولیشن پاس ہوگیا یہ ریزولیشن بجا طور پر سلامتی کونسل میں بھی اپنے اس جواز میں پیش ہوا کہ مسلمانان کشمیر اپنا الحاق پاکستان کے ساتھ چاہتے ہیں کیونکہ ریاست میں ۸۰ فیصد مسلمان آباد ہیں اور مسلم کانفرنس ان کی نمائندہ جماعت ہے اس ریزولیشن سے ریاست کے مسلمانوں کی جان میں جان آئی نیشنل کانفرنس والوں کی پوزیشن خطرے میں پڑھ گئی اس لیئے کہ مسلم عوام پاکستان کے حق میں گئی تھی کیونکہ پاکستان کا مقصد مسلمانوں کی اپنی ریاست کا قیام تھا جہاں قرآن کا قانون جاری ہوگیا تھا ریاست کشمیر کے مسلمانوں کے لیئے پاکستان کا علاقہ مکے اور مدینہ کی طرح تھا چنانچہ ۴۸۔۱۹۴۷ء میں کشمیری مسلمان ہجرت کر کے پاکستان پہنچے تھے تو سرزمین پاکستان کو چومتے تھے یہاں کی مٹی اپنے ماتھے پر لگاتے تھے اس قدر محبت تھی اور اتنی پاک اور متبرک اور معصوم عقیدت تھی۔

سردار ابراهیم اپنے گھر واقع آبی گزر سری نگر میں قرارداد پاکستان منظور کرانے کے بعد مری کیسے پہنچے:

جب ان پر سخت پہرہ لگا ہوا تھا بقول انکے میرے گھر کے ساتھ ہی بجلی کے ایک کھمبے کے ساتھ ایک کشمیری پنڈت انسپکٹر ۲۴ گھنٹے کھڑا رہتا تھا اور معلوم تھا کہ یہ کون ہے جو چوبیس گھنٹے کی نگرانی کرتا ہے۔ ان حالات میں نکلنا خاصا مشکل تھا اپنی یہ کہانی سردار ابراہیم اپنی زبانی بیان کرتے ہیں اس دن میں صبح سے عدالت میں نہ گیا تھا میرے منشی نے مشہور کر دیا تھا کہ وہ باہر کسی دوسری عدالت میں گئے ہیں رات کو میں دس بجے کے لگ بھگ گھر آیا جاوید ابھی تک اسی طرح بیمار تھا میری بیوی بستر پر بے صبری اور بے قراری سے پیچ و تاب کھا رہی تھی میں نے اپنی بیوی کو بتایا کہ میں انہیں چھوڑ کر اسی رات باہر جا رہا ہوں پھر میں نے معمولی سا کھانا کھایا اپنے کپڑے بند کیئے اور جاوید کو پیار کر کے خدا حافظ کہتا ہوا چلا گیا یہ یقین نہیں تھا کہ انہیں پھر مل سکوں گا مگر سوچنے کا وقت کہاں تھا۔ سارا ملک ایک طوفان سے گزر رہا تھا زندگی کسی جگہ بھی محفوظ نہ تھی میری ٹیکسی کا انتظام راجہ حمید خان مظفر آباد والے نے کیا تھا راجہ حمید خان بڑے مخلص لوگوں میں سے تھے میری حکومت میں ۵۹۔۱۹۵۷ء میں میرے ساتھ وزیر بھی رہے ہیں رات کو میں سلطان صاحب حسن علی خان بوٹی کی ہاؤس بوٹ میں رہا ۳ بجے صبح ابھی اندھیرا ہی تھا کہ میں نے سری نگر شہر کو خیر آباد کہہ دیا معمولی سی بارش تھی اور گپ اندھیرا تھا جب با دل نخواستہ میں روانہ ہوا دیکھتے دیکھتے امیرا کدل کا پل اور اونچی دیوار میں مکانوں کے پیچھے پیچھے رہتی گئیں۔ ان دیواروں کے پرے ایک مکان میں ننھا جاوید کس طرح ہوگا یہ خیال دور تک پریشان کرتا رہا۔

چناری آ کر میں نے ڈاک بنگلے میں باقاعدہ چائے پی پھر دو میل آ کر کسٹم ہاؤس شہر سے گزر کر برار

کوٹ تک جلدی ہی پہنچ گیا اس وقت دن کے نو بجے ہونگے جب برار کوٹ کی سرحد پر آ کر گاڑی کھڑی ہو گئی تو میں فوراً اتر کر پاکستان کی سرحد کی جانب آ گیا میری پریشانی کی کوئی وجہ نہ تھی سری نگر پولیس کو میرا ٹیلگرام جانے کے بعد پتا چلا کہ میں ایبٹ آباد بھی پہنچ گیا ہوں یہ ٹیلگرام میں نے اپنی بیوی کو اطلاعاً دیا تھا۔

بعد میں کئی لوگوں نے مشہور کر دیا کہ میں سری نگر سے برقع پہن کر نکل آیا ہوں یہ بات غلط ہے البتہ سری نگر والی میٹنگ میں ڈاکٹر تالکم کے ہاں یہ بات ضرور زیر بحث لائی گئی تھی کہ میں برقع پہن کر نکلوں ورنہ میرا ریاست سے باہر جانا ممکن نہیں میں نے فوراً ایسا کرنے سے انکار کر دیا تھا اسکی وجہ یہ بتائی تھی کہ اگر میں اس حالت میں پکڑا جاؤں تو میری حیثیت ختم ہو جائے گی ایسا کرنا میری خودداری کے خلاف تھا اور غیرت کے لئے چیلنج تھا(۱۵)

حوالہ متاع زندگی از سردار محمد ابراہیم خان صفحہ 125,124,123,122

آزاد کشمیر کے بانی صدر تحریک آزادی کے قائد سردار محمد ابراہیم خان جنگ آزادی شروع کرنے کے لئے کوہ مری فر فیلڈر ہوٹل میں پونچھ کے سابق فوجی افسروں اور سیاسی راہنماؤں کی میٹنگ بلائی تھی اس میں باضابطہ طور پر جہاد کا منصوبہ تیار کیا گیا۔

۱۔ سیکٹر باغ سے جسکے کمانڈر سردار محمد عبدالقیوم خان (سابق صدر و وزیراعظم آزاد کشمیر اور سپریم ہیڈ مسلم کانفرنس اور انکے نائب پیر سید علی اصغر شاہ تھے۔

۲۔ سیکٹر راولاکوٹ کے کمانڈر کیپٹن حسین خان شہید ان کے نائب کیپٹن رحمت اللہ خان صوبیدار بوستان خان آف تحوڑار صوبیدار بوستان خان آف رہاڑہ تھے۔

۳۔ سیکٹر پلندری کی کمان بابائے قوم کرنل خان محمد خان انکے نائب کیپٹن چنوں خان آف بھاتیہ کرنل حسین خان آف گوارہ تھے۔

۴۔ سیکٹر کوٹلی آھن پانے سرساوہ، پنجیرہ، سہنسہ سے راجہ سخی ولید نے حملہ کیا۔ کوٹلی میں راجہ محمود جو بعد

میں کرنل محمود خان مشہور ہوئے نے سابق فوجیوں کو جمع کیا اور چونکہ سدھنوتی کی فتح ہو چکا تھا اس لئے یہاں کے مجاہد بھی پہنچ گئے اور اس طرح کوٹلی کا علاقہ فتح ہوا۔

میر پور کا محاذ:

مری میں جب میٹنگ ہوئی تھی تو سدھن قبیلہ کے ایک مردِ حر کرنل خان محمد خان جن کو خان آف منگ نے میر پور کی فتح اپنے ذمہ لی تھی انہوں نے میر پور میں سابق فوجیوں کو منظم کیا اور بجا طور پر فاتح میر پور کہلائے۔(۱۵)
بھمبر کی فتح یہاں کے ایک سپوت بریگیڈیئر حبیب الرحمٰن کے سر ہے انہوں نے لوگوں کو منظم کیا اس علاقے کو فتح کیا۔

مظفر آباد کا محاذ:

پونچھ میر پور کوٹلی بھمبر کے محاذوں کے کمانڈر مری سے ہتھیار لائے تھے اور اپنے اپنے علاقے میں جنگ لڑ کر فتح حاصل کی سارے کمانڈر فوجی تھے اس لئے اس اسلوب سے واقف تھے کہ جنگ کے بعد حالات کو کنٹرول میں رکھنا اور مقبوضہ علاقوں کا کنٹرول کس طرح ہوگا۔ لیکن مظفر آباد کی کیفیت مختلف تھی یہاں پٹھانوں کے جتھے نے حملہ کیا اور وہ بجلی کی تیزی سے آگے بڑھے اور بڑھتے گئے بارہ مولا پہنچے یہاں سے بھی آگے بڑھے سری نگر کے جہاز گراؤنڈ اور شالہ ٹینگ تک گئے لیکن جب بھارتی فوج پہنچی تو وہ قبائل ایک دم غائب ہو گئے۔ جس کی وجہ سے بہت سا علاقہ واپس بھارتی فوج نے لے لیا۔

گلگت کی آزادی:

گلگت کے فاتح کرنل حسن مرزا ہیں کرنل حسن مرزا اور ان کے ساتھیوں کی مجاہدانہ قربانی اس طرح

مسلمہ ہے جس طرح آسمان پر چمکتے ہوئے سورج کی روشنی۔(۱۶)

شمالی علاقہ جات کی تاریخی حیثیت:

زمانہ قبل از مسیح سے ہی تاریخ میں ایسے شواہد ملتے ہیں کہ گلگت، ہنزہ، نگر، یاسین، پونیال اور لداخ ریاست جموں وکشمیر کے دوسرے علاقوں کے ساتھ ایک ہی حکمران کی عملداری میں رہے ہیں ان علاقوں کا قدرتی تعلق صرف وادی کشمیر سے تھا یہ علاقے کئی صدیوں سے کشمیر کی جغرافیائی حدود میں شامل رہے ان علاقوں کی تاریخ کو مندرجہ ذیل ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ زمانہ قبل مسیح میں ریاست جموں وکشمیر کے حکمران راجہ وزیا تند نے ختن اور کاشغر کو اپنا باج گزار بنایا گلگت بلتستان کے ریاست جموں وکشمیر میں شامل ہو جائے کے بعد مشہور کشمیری راجہ سندسنان نے گلگت ہی کے راستے کابل کو اپنا باج گزا بنایا۔

۲۔ 102ء میں کشمیر کے حکمران راجہ پروسین نے اور پھر 275ء میں ایک کشمیری راجہ سرب سین نے زمام حکومت سنبھالی اسکے دور حکومت میں بھی کشمیر کی سرحد میں حسب سابق رہیں اور گلگت بلتستان بدستور ریاست کشمیر کی عملداری میں رہے۔

۳۔ 715ء میں مشہور فاتح اور کشمیر کے حکمران راجہ للتادت نے زمام حکومت سنبھالی اس نے دیگر علاقوں کے علاوہ کابل، بخارا، سمرقند، تاشقند، خوقند، کاشغر، ختن، خکا، خراسان اور تنگان تک ریاست جموں وکشمیر کا پرچم لہرایا اور سائبیریا تک کے علاقوں کو اپنے زیرِ نگیں کیا۔

۴۔ ریاست جموں وکشمیر کے نامور جری حکمران سلطان شہاب الدین نے جس کا دورِ حکومت 1360ء سے 1387ء تک رہا کابل، باجوڑ، بدخشاں، غور قندہار، ہرات اور خراسان کو فتح کر کے عملاً ان علاقوں پر اپنی فرمانروائی کے جھنڈے گاڑے واپسی پر کوہ ہندوکش کے راستے تبت، گلگت اور

دردستان کے علاقوں کو بھی اپنے قلمرو میں شامل کیا اور وہاں اپنے عمال مقرر کیے (یہ علاقے تھوڑے عرصے کے لیئے کاشغر کے حکمران کے قبضے میں چلے گئے تھے۔) 1394ء میں تبت میں کچھ گڑبڑ ہوئی جسے سلطان سکندر نے کچل دیا اور مزید علاقے بھی فتح کر دیئے۔

۵۔ 1420ء میں سلطان زین العابدین بڈ شاہ تخت نشین ہوا اسکے عہد میں بھی کشمیر کی سرحدیں حسب سابق رہیں اور گلگت بلتستان کے علاقے اس کی سلطنت میں شامل رہے اسی طرح شاہ میری خاندان کے اڑھائی سو سالہ دور حکومت میں گلگت بلتستان اور لداخ کے علاقے ریاست جموں و کشمیر میں شامل رہے اس کے بعد چک خاندان کے دور حکومت میں بھی مملکت جموں و کشمیر کی سرحدیں حسبِ سابق رہیں اور کشمیر کے حکمران غازی میر نے سکردو، گلگت، pakill اور کشتواڑ میں اپنے گورنر مقرر کیئے۔

۶۔ 1585ء میں چک خاندان کے حکمران یعقوب شاہ چک کے دورِ حکومت میں مغل شہنشاہ اکبر نے حملہ کیا اور ریاست پر قبضہ کر لیا مغل 1752ء تک کشمیر پر حکمران رہے اس دور میں بھی کشمیر کے گورنر کے زیرِ اہتمام علاقوں میں گلگت بلتستان اور لداخ کے علاقے شامل تھے۔

۷۔ 1752ء میں مغل حکومت زوال پذیر ہوئی اور افغانوں نے کشمیر پر قبضہ کیا اور 1819ء تک کشمیر پر حکومت کی اس دور میں گلگت بلتستان کے علاقے بدستور کشمیر کے گورنر کے زیرِ اہتمام رہے 1819ء سے 1846ء تک پنجاب کے حکمران مہاراجہ رنجیت سنگھ نے کشمیر پر حکومت کی اس نے افغانوں کو شکست دے کر کشمیر میں اپنی حکومت قائم کی چنانچہ دوسرے علاقوں کی طرح گلگت بھی سکھوں کے زیرِ تسلط رہا 1842ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے کرنل سید نتھو شاہ آف گوجرانوالہ کو گلگت کا گورنر بنا کر بھیجا سید نتھو شاہ کا تعلق حکومت کشمیر سے تھا اس نے گلگت اور استور میں فوجی چوکیاں قائم کیں۔

۸۔ گلاب سنگھ نے کرنل زور آور کی قیادت میں پانچ ہزار بلتی اور لداخی مسلمان سپاہیوں پر مشتمل فوج بھیج کر لداخ اور بلتستان میں بغاوت کو کچلنے کے لیئے راجہ آف سکردو کے بیٹے کو سلطان مقرر کیا جس نے ریاست جموں وکشمیر کو اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کر لیا تھا اس طرح ان علاقوں کو با قاعدہ ریاست جموں وکشمیر میں شامل کر لیا اس سلسلہ میں لہاسہ حکومت اور کشمیری حکومت کے درمیان 15 اگست 1842ء کو ایک معائدہ طے پایا جسکی توثیق بعد میں چینی حکومت اور کشمیر کے سکھ دربار کے درمیان ہوئی۔

۹۔ ہندوستان میں انگریزوں کے ہاتھوں شکست کے بعد کشمیر میں سکھوں کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا چنانچہ برطانوی حکومت اور راجہ گلاب سنگھ کے درمیان 15 مارچ 1846ء امرتسر کے مقام پر ایک معائدہ طے پایا جس پر برطانیہ کی طرف سے فریڈرک کیوری اور سر ہنری بارڈنگر نے دستخط کئے یہ معائدہ بیع نامہ امرتسر کہلایا۔ اس معائدے کی رو سے انگریزوں نے جموں وکشمیر کا وسیع ترین علاقہ راجہ گلاب سنگھ آف جموں کو 75 لاکھ نانک شاہی کے عوض دیا معائدہ امرتسر کی دفعہ ایک اور نو میں ریاست جموں وکشمیر کی سیاسی و جغرافیائی حدود کی نشاندہی یوں کی گئی ہے۔

دفعہ: برطانوی حکومت دریائے راوی کے مغرب اور دریائے سندھ کے مشرق کا تمام علاقہ بشمول چنبہ اور ماسوائے لاہور کے (جو کہ 9 مارچ 1846ء کے صلح نامہ کی دفعہ 6 کی رو سے ریاست لاہور کو دیا گیا ہے) مہاراجہ گلاب سنگھ اور اسکی اولاد نرینہ کے آزاد اور خود مختار قبضہ میں دیتی ہے۔

دفعہ۹: خطہ زمین کی مشرقی سرحد جو کہ مندرجہ بالا دفعہ کے تحت مہاراجہ سنگھ کی طرف سے مقرر کئے جانے والے کمشنر طے کریں گے اور سروے کے بعد ایک الگ انتظامیہ کے تحت اس کا تعین کیا جائے گا۔

جسٹس خواجہ محمد یوسف صراف نے اپنی تصنیف میں لکھا ہے کہ گلگت چونکہ دریائے سندھ کے جنوب میں واقع ہے اس لئے پہلی دفعہ کے تحت نہیں آتا مگر معائدہ امرتسر کے دفعہ ۹ جس کے تحت مستقل سرحدوں کا

تعین کیا گیا کی رو سے ریاست کے وہ تمام علاقے جو سکھوں کے قبضہ میں تھے مہاراجہ گلاب سنگھ کے حوالہ کر دیئے گئے تھے جن میں گلگت بلتستان بھی شامل ہیں۔

ڈوگرہ دورِ حکومت:

ڈوگرہ عہد حکومت میں ریاست جموں وکشمیر کو انتظامی لحاظ سے تین صوبوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔

(۱)۔ صوبہ جموں جس کا رقبہ 8239 مربع میل تھا۔

(۲)۔ صوبہ کشمیر جس کا رقبہ 12378 مربع میل تھا۔

(۳)۔ گلگت بلتستان، لداخ پر مشتمل سرحدی صوبہ جس کا رقبہ 63554 مربع میل تھا۔

ریاست جموں وکشمیر کا کل رقبہ 14 اگست 1947ء کی حد بندیوں کے مطابق 84471 مربع میل ہے۔ لداخ، استور، بلتستان اور گلگت پر مشتمل ہے شمالی علاقہ کا رقبہ 63554 مربع میل ہے اور ریاست کے بقیہ علاقے کا رقبہ جو کشمیر اور جموں کے صوبوں پر مشتمل ہے۔ 20917 مربع میل ہے شمالی علاقہ جات میں سے آزاد شدہ علاقہ کا رقبہ 29814 مربع میل ہے جو اس علاقہ کے کل رقبہ کا تقریباً نصف ہے۔

المختصر تاریخی حوالہ جات سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ گلگت بلتستان مختلف دھاروں میں ریاست جموں وکشمیر کا حصہ رہا ہے اس پر 1947ء سے قبل ہمیشہ حکومت جموں وکشمیر کا قبضہ رہا اور انتظام وانصرام بھی کشمیر حکومت کا دورِ آزادی ہو یا دورِ غلامی ہو دو حالت میں گلگت بلتستان کشمیر میں شامل رہا اس پر کسی کا اختلاف بھی نہیں ہے گویا یہ متفق علیہ بات ہے۔ (۱۷)

گلگت بلتستان کی جغرافیائی حیثیت:

(اب اسکی علیحدہ حیثیت ہے) جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

۱۔ گلگت:

بلند و بالا پہاڑوں کے عین وسط میں واقع شہر گلگت کہ وجہ تسمیہ کے بارے میں مقامی طور پر کئی آراء پائی جاتی ہیں جن میں سے تین آرائیں معقول وزن رکھتی ہیں۔

پہلی رائے کے مطابق یہ لفظ سنسکرت کے لفظ گری گرت کی بگڑی ہوئی شکل ہے گری کا مطلب ہے پہاڑی گرت کا مطلب ہے پہاڑوں میں گھرا ہوا۔

دوسری رائے یہ ہے کہ کسی زمانے میں گلگت کی خاک اتنی زرخیز تھی کہ ہر طرف پھول ہی پھول تھے اس لئے اسے گلکشت کا نام دیا گیا جو بگڑ کر گلگت بن گیا۔

تیسری رائے یہ ہے کہ زمانہ قدیم میں اس کا نام گلکشت تھا ہندوستان کی حکومت کی عملداری میں آنے سے اس کا نام گلگت ہو گیا۔

اسی طرح طویل قامت بلتستان کو بھی جس کا مرکزی مقام لداخ بہت مشہور ہے اپنے طویل قامت برفانی پہاڑوں، جا بجا وادیوں اور مخصوص مشابہت کی بنا پر چھوٹا تبت کہا جاتا ہے۔ اگست کا مہینہ سب سے مناسب ہے ضلع دیامر میں داریل، تانگیر، بابوسر اور رائیکوٹ کے علاقے سیاحت کے لئے مشہور ہیں نانگا پربت کے دامن میں فیری میڈو کا علاقہ شمالی علاقہ جات میں سب سے زیادہ خوبصورت تفریح گاہ ہے۔

وادی غذر:

گوپس، پونیال، یاسین اور اشکومن کی وادیاں دراصل اسی وادی کی ذیلی وادیاں ہیں یہاں سے چترال، پامیر اور واخان کو راستے جاتے ہیں پھنڈر خوبصورت ترین علاقہ ہے اور اسے Little Kashmir کے نام سے پکارتے ہیں یہاں کی جھیل بہت خوبصورت ہے اس کے علاوہ ہندراب نامی نالے میں ایک اور جھیل ہے اس جھیل سے ساڑھے اٹھارہ پاؤنڈ ٹراوٹ مچھلی پکڑی گئی جو ایک عالمی ریکارڈ ہے۔

جاتا ہے اور موسم بہار کے پہلے دن کے طور پر منایا جاتا ہے 21 مارچ سے 22 مارچ تک پیدا ہونے والوں بچوں کو جمع کیا جاتا ہے سب نئے کپڑے پہنتے ہیں بچوں کی سالگرہ کی طرز کا پروگرام ہوتا ہے اسے ڈاڈا بھی کہا جاتا ہے گھروں میں عمدہ کھانوں کا تبادلہ کیا جاتا ہے۔

گلابی عید:

یہاں کے تمام مردوزن موسم بہار کے ایک دن کو مخصوص طور پر مناتے ہیں جسے گلابی عید کہا جاتا ہے کوئی ایک خاص دن مقرر نہیں ہے ہر جگہ لوگ اپنے خیالات کے مطابق مناتے ہیں جسے گلابی عید کہا جاتا ہے اس موقع پر گوشت نہیں پکایا جاتا گاؤں والے اکٹھے ہو کر خوشی مناتے ہیں عزیزوں کی قبروں پر جا کر دعائیں کی جاتی ہیں قدیم زمانے میں نگر، ہنزہ، غذر، بگروٹ کے علاقے اور حراموش گلگت میں یہ تہوار منایا جاتا تھا یہ مذہبی فرقہ بندی اور رنگ و نسل سے بالاتر ہو کر منایا جانیوالا تہوار تھا۔

نسالو:

گوشت کو ذخیرہ کرنے کی رسم ان علاقوں میں پائی جاتی ہے دسمبر کے مہینے تک جانور جسمانی طور پر خوب مضبوط اور توانا ہوتے ہیں اس لیئے سردیوں کے مشکل وقت کی خاطر ان دنوں میں گوشت جمع کیا جاتا ہے غرباء اور امراء سب مقدور بھر اس کا اہتمام کرتے ہیں دسمبر کے پہلے اور دوسرے ہفتے میں بڑے جانور ذبح کیئے جاتے ہیں اور تیسرے اور چوتھے ہفتے چھوٹے جانور ذبح کیئے جاتے ہیں یہ خیال عام ہے کہ ان مخصوص دنوں میں جانور ذبح کیئے جائیں تو گوشت زیادہ عرصے تک محفوظ رہتا ہے بعض علاقوں میں یہ گوشت مئی کے مہینے تک رہتا ہے، نسالو کے لیئے آغاز بزرگوں سے کرایا جاتا ہے اور مرے ہوئے لوگوں کے ایصال ثواب بھی کیا جاتا ہے۔

گانونی:

یہ خاص علاقوں کی رسم ہے نگر، ہنزہ، گلگت سب ڈویژن میں اس کا اہتمام کیا جاتا ہے یہ بھی موسم بہار کا تہوار ہے جب جو کی فصل پکنے کے قریب ہوتی ہے تو تمام گاؤں والے مل کر ایک مقررہ دن جمع ہو کر جو کے دانے چن کر لاتے ہیں اور دودھ میں ملا کر گاؤں کے راجے مہاراجے یا نمبردار سے بسم اللہ کرائی جاتی ہے اسکا تصور یہ ہے کہ نئی فصل تیار ہوئی ہے علاقے سے اناج کی قلت دور ہوگئی ہے اب سکھ کا سانس لیا جائے گا۔ اس موقع پر خوشی کے گیت گائے جاتے ہیں نوجوان طبقہ زیادہ جوش وخروش سے اس تہوار میں حصہ لیتا ہے۔

دیشاکی:

ان علاقوں میں موسم سرما طویل ہوتا ہے اس لیئے بہت پرانا رواج ہے کہ موسم گرما ہی میں موسم سرما کے لیئے ضرورت کی ذخیرہ اندوزی کی جاتی ہے بزرگ اہل خانہ کو شروع گرما سے ہی ذخیرہ اندوزی کی طرف متوجہ کرتے ہیں ان علاقوں میں شادی بیاہ کی تقریبات موسم خزاں میں انجام پاتی ہیں چونکہ لوگ فارغ ہوتے ہیں اس لیئے شادی بیاہ کے لیئے ذخیرہ کر لیتے ہیں عام طور پر نومبر اور دسمبر میں شادیاں ہوتی ہیں اکثر لوگ بہت ساری شادیاں اکٹھی کرتے ہیں اس طرح کئی ہفتوں تک خوشی منائی جاتی ہے دیشا کی کی ایک خاص بات یہ ہے کہ موسم گرما ہی میں موسم سرما کے لیئے آٹا تیار کیا جاتا ہے کیونکہ برف کے زمانہ میں آمد ورفت ممکن نہیں ہوتی اموات کے لیئے بزرگ الگ سے بجٹ میں گنجائش رکھتے ہیں اس طرح گھروں میں قیمتی اشیاء رکھنے کی مخصوص جگہ (برکیش) ہوتی ہے جس کا علم صرف ایک آدھ بزرگ کو ہوتا ہے۔

شاپ:

جب نسالو کی رسم ختم ہوتی ہے تو محلّہ کے غیر شادی شدہ بچے، بچیاں علیحدہ علیحدہ شاپ کی رسم ادا کرتے ہیں رات کو مختلف ٹولیوں کی شکل میں لوگوں کے گھروں کے دروازے پر جاتے ہیں اور دعائیہ کلمات پڑھتے ہیں ان میں ایک بوڑھا بنتا ہے اور اور ایک اسکی بیوی بنی ہوتی ہے یوں گوشت، میوے، آٹا لوگوں کے گھروں سے لا کر ایک جگہ جمع کرتے ہیں خوب ناچ گیت ہوتے ہیں لڑکیاں کھانا پکاتی ہیں بزرگوں کو بھی دعوت دی جاتی ہے۔

لوسون:

یہ بڑی خاص رسم ہے اگر کوئی شادی شدہ عورت تنگدستی کا شکار ہو جائے تو وہ اپنے گھر سے گھی میں روٹیاں پکا کر اتنی تعداد میں لے کر نکلتی ہے جتنے اسکے والد کے گاؤں میں گھر ہوتے ہیں پھر وہ ہر گھر میں ایک روٹی دیتی جاتی ہے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی یہ بہن، بیٹی ضرورت مند ہے چنانچہ لوگ اپنی استطاعت کے مطابق اس کی مدد کرتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ عورت خود ہی روٹیاں تمام گھروں میں پہنچائے بلکہ یہ کام اس کی طرف سے کوئی اور بھی کر سکتا ہے۔

اونیلو:

وہ لڑکی جو کسی ایسی جگہ بیاہی جائے جہاں اس کے قریبی رشتہ دار نہ ہوں وہاں گاؤں کے کسی معزز آدمی کو دلہن کا باپ یا بھائی بنا دیا جاتا ہے تا کہ بوقت ضرورت اس کا اونیلو بھائی یا باپ اس کی مدد کر سکے۔

سومو:

سومو چیلاس کے علاقہ میں ہوتا ہے اس کے معنی جگری دوست کے ہیں سومو عام طور پر دوسرے قبیلے سے ہوتا ہے اس موقع پر بکرا ذبح کر کے گاؤں والوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے ان کا آپس میں محرم کا سا رشتہ ہوتا ہے اولادیں تک اس کا خیال کرتی ہیں۔

تالینی:

یہ رسم اب صرف ہنزہ، نگر اور بگروٹ کے علاقہ میں پائی جاتی ہے اس کا پس منظر یہ ہے کہ بدھ مت کا آخری حکمران ہندو تھا اور بہت ظالم تھا مالیے کے طور پر شیر خوار بچوں کا گوشت کھاتا تھا بھیڑ کا ایک بچہ اس کی خوراک ہوتا تھا اور زمیندار اپنی اپنی باری پر بھیڑ کا بچہ اس کو پیش کرتے تھے ایک بوڑھی عورت جس کے پاس مویشی نہ تھے ایک لیلا (یعنی بھیڑ کا بچہ) کسی سے لے کر اپنا دودھ پلا کر پال رہی تھی کہ اپنی بھاری پر بادشاہ کو دے گی جب بادشاہ نے اس کا گوشت کھایا تو بہت لذیز لگا تو اس نے تحقیق کی کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ تحقیق پر بڑھیا نے بات بتادی اس روز سے اس نے شیر خوار بچوں کا گوشت کھانا شروع کر دیا۔ بلتستان سے دو شہزادے شیر علی اور علی شاہ گلگت آئے اور شری بدت کو لڑائی کے ذریعے اس کو قتل کر دیا جس نے انہیں بتایا کہ اس کا دل گھی کا بنا ہوا ہے لہذا آگ جلائی جائے اسکا دل پگھل جائے گا اور یہ مر جائے گا۔

لوگوں کا خیال تھا کہ وہ انسان نہیں دیو تھا اس لیئے ہر سال نومبر میں آگ جلائی جاتی ہے تاکہ وہ دوبارہ زندہ نہ ہو سکے اب یہ آگ رسم بن گئی ہے۔

دوبان:

دوبان تبادلے کو کہتے ہیں ان علاقوں میں شادیاں اب بھی تبادلہ کی بنیاد پر ہوتی ہیں یوں کوئی ایک

رشتہ کامیاب نہ ہونے کی وجہ سے دونوں رشتے ناکام ہوکر خاندان کی تباہی کا باعث بنتے ہیں۔

دھاپ پاڑپ:

جوکوئی شادی کرنا چاہتا ہے وہ لڑکی کے والدکو انتظامات کے لیئے رقم فراہم کرتا ہے تاہم اس رقم کے خرچ کا حساب نہیں مانگ سکتا امراء کی اس رسم کا غریبوں پر برااثر پڑتا ہے۔

بین فو:

نئ فصل کاشت کرنے کے لیئے گاؤں کے لوگ جمع ہوتے ہیں مخصوص خاندان کے افرادکھیت میں بیج ڈالتے ہیں اوراس خاندان کا دوسرا فرد ہل چلانے کا آغاز کرتا ہے بعض علاقوں میں معصوم بچوں کے سائز کا ہل تیار کر کے ان کے کندھوں پر رکھا جاتا ہے جسے وہ بیلوں کی طرح کھینچتے ہیں اس موقع پر ان کے منہ پر مکھن مل دیا جاتا ہے اس طرح گندم کی بیجائی کا آغاز ہوتا ہے۔ (۱۸)

شمالی علاقہ جات کا تاریخی پس منظر کی معاشی صورتحال:

ان علاقوں میں زندگی کافی مشکل اور دشوار ہے ملک کی انتہائی سرحد پر واقع ہونے کے باعث نقل و حمل کے لیئے دشوار گزار راستوں، شدید سرد موسمی کیفیت کی وجہ سے یہاں بہت بڑے علاقے ہیں انسانی زندگی اور رہائش ناممکن ہے اسی طرح کھیتی باڑی کے قابل اراضی بھی بہت محدود ہے مقامی سطح پر صنعتوں کا وجود عنقاء ہے باغبانی یہاں کا سب سے بڑا معاشی ذریعہ ہے مگر مناسب انتظام نہ ہونے کی وجہ سے بہت

زیادہ فروٹ ضائع ہو جاتا ہے۔

صرف بلتستان کے علاقہ میں کم و بیش پچاس قسم کی خوبانی پائی جاتی ہے اس کے علاوہ انگور، ناشپاتی، آڑو، چیری، خربوزے، سیب، شہتوت اور انار بہت زیادہ مشہور ہیں اگر اس فروٹ کو محفوظ کر کے منڈیوں تک پہنچانے کا اہتمام ہو سکے تو یہ بڑا ذریعہ معاش بن سکتا ہے۔

معدنیات:

اس طرح معدنی دولت سے مالا مال اس علاقہ میں زمرد، بلور، سونا، زہرہ موہرہ، سنگ مرمر، یاقوت، چینی کی مٹی اور کئی دیگر معدنیات بکثرت پائی جاتی ہیں مگر ان کو نکالنے اور صنعتوں تک پہنچانے کا کام ٹھوس منصوبہ بندی اور دلچسپی کا متقاضی ہے۔ مزدور طبقے کے زیادہ تر لوگ پاکستان میں محنت مزدوری کے لیئے جاتے ہیں سرکاری ملازمتوں میں بھی زیادہ تر لوگ سرکاری لوگ ہی ہیں موسم گرما میں بلند چوٹیوں کو سر کرنے کے لیئے آنے والے کوہ پیاؤں کے ساتھ بھی بڑی تعداد میں لوگ بطور پورٹر کام کرتے ہیں۔

شاہراہ قراقرم کے بعد ان علاقوں میں ایک انقلاب آیا ہے ایک طرف پاکستان اور دوسری طرف چین سے درآمد برآمد کے لیئے راستہ کھل گیا ہے سیاحوں نے کافی تبدیلی لائی ہے۔

آغا خانی نسل کے لوگ معاشی طور پر زیادہ خوشحال ہیں یہ لوگ اپنے فرقے کی فلاح و بہبود کے لیئے بہت کچھ کر رہے ہیں اب حکومت کی طرف سے بھی ان علاقوں پر خاصی توجہ دی جا رہی ہے امید ہے کہ مستقبل قریب میں کافی ترقی ہوگی۔ (۱۹)

سیاسی صورت حال:

جنگ آزادی کے بعد یہ علاقے اب تک بڑی عجیب صورت حال سے دوچار ہیں جنگ آزادی میں

یہاں کی عوام گلگت سکاؤٹس جموں وکشمیر انفنٹر ی کے مسلمان افسروں نے نمایاں کردارادا کیا جسکی تفصیل گزر چکی ہے ان آزاد علاقوں میں ایک طرف آزاد حکومت قائم ہو چکی تھی جو گزرتے وقت کے ساتھ منظم ہوتی چلی گئی ان علاقوں کو اقوام متحدہ کے تحت رائے شماری کے انتظار میں 1949ء میں ایک معائدے کے تحت پاکستان کے برائے راست انتظام میں عارضی طور پر دیا گیا مگر ایک طرف اقوام متحدہ کا ادارہ اپنی قرار دادیں منظور کروانے میں مسلسل ناکام چلا آرہا ہے تو دوسری طرف اس علاقے کی عبوری انتظام کو بھی کسی بہتر نظام سے نہ بدلا گیا۔

پاکستان کی طرف سے ریذیڈنٹ کمشنر اس سرزمین بے آئین کا بے نام بادشاہ اور مطلق العنان حکمران ہوتا ہے پاکستان میں 1979ء میں بلدیاتی اداروں کی بحالی کے بعد یہاں بھی بلدیاتی ادارے قائم کیئے گئے اور مرکزی سطح پر اس وقت پاکستانی ایڈمنسٹریٹر کے لیئے ایک سولہ رکنی مشاورتی کونسل بھی قائم کی گئی ہے جسے نادرن ایریاز کونسل کا نام دیا گیا ہے۔

ان علاقوں کے عوام کو آزاد کشمیر یا پاکستان کے قانون سازی کے تحت جمہوری اداروں سے نمائندگی حاصل کی ہے اور نہ ہی اس علاقے میں پاکستان یا آزاد کشمیر کے آئین کا نفاذ ہوتا ہے یوں انتخابی سیاست سے محرومی کے باعث یہاں سیاسی جماعتوں کو وجود نہ ہونے کے برابر ہے۔

پاکستان پیپلز پارٹی نے جہاں آزاد کشمیر میں اپنی شاخ قائم کر رکھی ہے وہاں ان علاقوں میں شاخ قائم کی گئی ہے 1988ء میں پاکستان میں پیپلز پارٹی کی حکومت قائم ہوئی تو یہ چھوٹی سی شاخ بھی فعال ہوگئی البتہ جب ذوالفقار علی بھٹو وزیراعظم تھے تو انہوں نے اس علاقہ کا دورہ کیا اور کئی ایک اصلاحات بھی کیں جن میں آزادی کے وقت سے نافذ FCR کا خاتمہ اور نئے انتظامی اضلاع کا قیام وغیرہ شامل تھا۔ بینظیر بھٹو نے بھی اپنے دور حکومت میں پیپلز پارٹی شمالی علاقہ جات کے ایک فرد کو بطور مشیر وزیر امور کشمیر وشمالی علاقہ جات لگایا اور ان علاقوں کی آئینی حیثیت کے تعین اور جمہوری اداروں میں عوام کی نمائندگی دینے کے

لیئے ایک کمیٹی بھی قائم کی۔ قبل ازیں وزیراعظم پاکستان محمد خان جونیجو نے بھی ان علاقوں کا دورہ کیا تھا۔ ایک صاحب کو مشیر بھی بنایا تھا مگر حالات نے انہیں زیادہ دیر تک کام کرنے کی اجازت نہ دی وہ اپنی مدت پوری کرنے سے قبل ہی اقتدار سے محروم کردیئے گئے تاہم ان ہی دنوں میں ان علاقوں میں مسلم لیگ کی بنیاد ڈالی گئی تھی اور مختلف علاقوں میں حلقے بھی قائم ہوئے۔

صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق مرحوم نے بھی اس علاقہ کا دورہ کیا اور ایک مرحلہ یہاں تک فرما گئے کہ ان علاقوں کا کشمیر سے کوئی تعلق نہیں لہذا یہاں عوام کو جلد پاکستان کے جمہوری اداروں میں نمائندگی دی جائیگی مگر وہ اپنی زندگی میں یہ وعدہ ایفاء نہ کرسکے۔

فاتح گلگت کرنل حسن مرزا خان اپنی زندگی میں پیپلز پارٹی سے وابستہ ہوئے مگر مزاج اور اختلاف آڑے آیا تو جلد ہی اپنے ہم پیشہ شاہین پاکستان ریٹائرڈ ائیر مارشل اصغر خان کی تحریک استقلال میں شامل ہو گئے اور ان کو بھی گلگت تک لے گئے۔ جموں و کشمیر لبریشن فرنٹ کے چیئرمین جناب امان اللہ خان انکا موقف بھی یہی ہے کہ شمالی علاقہ جات کشمیر کا حصہ ہیں۔(۲۰)

مذہبی صورتحال:

تقریباً آٹھ لاکھ آبادی کے اس علاقہ میں چار مذہبی گروہ ہیں۔

(۱)۔ سنی (۲)۔ شیعہ

(۳)۔ اسماعیلی (۴)۔ نوربخشی

یہاں اشاعت اسلام پورے ہندوستان کی طرح صوفیائے کرام اور اولیاء کرام کی سعی جمیلہ سے ہوئی یہ بات تو تواتر تک پہنچ چکی ہے کشمیر میں حضرت سید علی ہمدانیؒ اور انکے مریدین کی کوششوں سے کفر و شرک کے اندھیرے ختم ہوئے اور بڑی تعداد میں لوگ آپکی تبلیغ سے مسلمان بنے آپ شہر ہمدان سے

تشریف لائے تھے آپ کا نام علی تھا اور کشمیر میں لوگ آپ کو امیر کبیر سید علی ہمدانی کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور آپ کو شاہ ہمدان بھی کہتے ہیں آپ کے مرید آپ کو علی ثانی بھی کہتے تھے آپ کے والد شہاب الدین ہمدان کے امیر اور حاکم بھی رہے ہیں سید علی ہمدانی شروع سے ہی حکومتی معاملات سے بے نیاز رہے۔

آپ 1372ء میں کشمیر تشریف لائے اور چار ماہ گزارنے کے بعد حج بیت اللہ کے لیئے تشریف لے گئے وہاں سے واپس ہمدان چلے گئے پھر آپ 1379ء میں دوبارہ کشمیر تشریف لائے اور اڑھائی سال قیام کیا وادی کشمیر سے آپ بلتستان آئے اور یہاں سے یارقند، ختن، چینی ترکستان اور دوسرے علاقوں کی بھی سیاحت کی تیسری اور آخری مرتبہ 1383ء میں وادی کشمیر تشریف لائے یہ وہ زمانہ تھا جب عراق پر امیر تیمور نے حملہ کیا اور عراق فتح کیا اور سادات جو سیاست میں اہم مقام رکھتے تھے انہیں ختم کرنے کا فیصلہ کیا آپ سات مریدین، علماء کرام، سادات کا قافلہ لے کر کشمیر آئے یہاں کشمیر میں انہیں امیر تیمور کے غیض و غضب سے محفوظ رہنے کی توقع تھی سری نگر میں کشمیری حکمران سلطان قطب الدین نے اپنے عہدیداروں کے ساتھ آپ کا استقبال کیا یہاں آپ نے ایک چبوترہ بنا کر نماز ادا کی اس میں قطب الدین بھی شامل تھا۔

آپ نے ایک سال قیام کیا اور اپنے مرید خاص مولانا محمد بلخی کو سلطان کے پاس چھوڑ کر حج کے ارادے سے روانہ ہوئے وادی نیلم میں مظفرآباد سے ہوتے ہوئے وادی کنہار کی طرف نکلے اور 4 ذی الحجہ 786ء کو کنہار وادی میں ہی خالق حقیقی سے جا ملے اور ختلان میں دفن ہوئے یوں تو آخری ہندو حکمران کے عہد 1307ء سے 1324ء کے زمانہ میں پیر سید شرف الدین عرف بلبل شاہ کشمیر میں تشریف لائے جن کے دست حق پر ست پر حکمران وقت رنچن شاہ جو کہ بدھ مت کا پیروکار تھا مسلمان ہوا اور سلطان صدرالدین نام اختیار کیا اس کے قبول اسلام سے بہت بڑی تعداد میں اس کے اہل خاندان، وزراء، امراء بھی مسلمان ہوئے اور اسکی طرف سے تبلیغ کی عام اجازت اور حوصلہ افزائی کے باعث ہزاروں لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

جس زمانے میں حضرت شاہ ہمدان تشریف لائے یہ وہ زمانہ تھا جب اسلام سے آشنائی بہت کم تھی

لوگ مسلمان ہوتے ہوئے بھی ہندوؤں کے رسم ورواج پر چل رہے تھے گائے کا گوشت نہ کھاتے تھے اور ایک ہی وقت میں دو حقیقی بہنوں سے نکاح خلاف اسلام خیال نہ کرتے تھے ان حالات میں حضرت شاہ ہمدان نے ہندوؤں اور پنڈتوں سے مناظرے کیئے اور پروہتوں سے بھی مناظرے کیئے اور مشرکانہ عقائد اور ہندوانہ رسم ورواج کے خلاف عملی جدوجہد شروع کی 781ھ میں آپ پہلی بار بلتستان آئے آپ کے ہمراہ سات سو سادات اور مبلغین تھے آپ نے سب لوگوں کو پھیلا دیا اس دور میں بلتستان میں بدھ مذہب کا نام باقی تھا چپلو اور چھور بٹ میں کچھ لوگ نام کی حد تک بدھ تھے باقی آبادی چھوس پون سے متعلق ہو چکی تھی یہ مذہب مظاہر پرستی اور اوہام پرستی کا ملغوبہ تھا چنانچہ آپ کی جماعت کی کوششوں سے اسلام کی دعوت بہت جلد پھیل گئی آپ نے شگر موضع امیورک ایک خوبصورت مسجد تعمیر کی جو ایرانی طرز تعمیر کا بہترین نمونہ ہے اس کے بعد بونجی مسجد کی بنیاد ڈالی اور اس کے اندر چاروں طرف سے اپنے ہاتھوں سے سورۃ مزمل تحریر فرمائی آپ شگر سے کیرس اور پھر چپلو تشریف لائے جہاں آج کل چپلو میں نوربخشی مسجد ہے یہاں بدھ مذہب کا پیرو یعنی بدھ لاما کا مسکن تھا حضرت شاہ ہمدان نے اس سے مناظرہ کیا اسکو شکست دی اسی وجہ سے وہاں نوربخشی مسجد تعمیر کی گئی اسکے بعد آپ یارقند روانہ ہوگئے۔

آپ کے بعد شمالی علاقہ جات میں دعوت اسلام کے لیئے کام کرنے والے میر شمس الدین عراقی ہیں آپ نے نوربخشیہ عقائد کی بنیاد ڈالی نوربخشیہ عقائد کے بانی سید محمد نوربخش بن محمد بن عبداللہ جزیرہ نمائے عرب کے مشرقی اور خلیج فارس کے مغربی ساحل پر الاحسا نامی علاقہ کے رہنے والے تھے آپ 795ھ میں پیدا ہوئے تھے سات سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا اور سید علی ہمدانی کے مرید اسحٰق ختلانی کے ہاتھ پر بیعت کی انہوں نے ہی آپ کو نوربخش کا لقب دیا اور سید علی ہمدانی کا آخری خرمہ پہنا کر مسند خلافت پر بیٹھایا اور خود آپ کی بیعت اختیار کی پھر امیر تیمور کی حکومت سے بغاوت کرتے ہوئے اپنے علاقہ ختلان میں اپنی حکومت کا فیصلہ کیا یوں 836ھ میں ختلان کے ایک قلعہ میں علم بغاوت بلند کرتے ہوئے لوگوں نے نوربخش

کی بیعت کی دعوت دی مرزا شاہ رخ کی طرف سے علاقہ کے حکمران سلطان بایزید نے آپ کو گرفتار کر کے سلطان شاہ رخ کے پاس بھیجا اور تفصیلی حالات اور سرگرمیوں سے شاہ رخ کو باخبر کیا چنانچہ اسحٰق ختلانی اور اسکے بھائی کو قتل کر دیا گیا اور سید محمد نور بخش کی مولانا طیب حکیم الدین کی سفارش پر جان بخشی کی گئی تاہم قلعہ میں محبوس کر دیا گیا اٹھارہ دن تک تاریک کنوئیں میں بند رکھنے کے بعد پھر شیراز بھیج دیا گیا جہاں طویل قید کے بعد رہائی ملی تو خورستان چلے گئے وہاں بھی قید ہوئے اور رہا ہونے پر بغداد اور کردستان آئے یہاں بڑی پذیرائی ملی بختاوری اور دیگر قبائل نے دعوت قبول کی آپ کے نام کا خطبہ اور سکہ رائج کیا گیا آپ نے یہاں سے گیلان میں بھی قدم جمانے کی کوشش کی مگر پھر گرفتار ہو گئے بالآخر 850ھ میں شاہ رخ کے انتقال کے بعد کھل کر دعوت و تبلیغ کا موقع ملا آپ علاقہ میں آ کر مقیم ہوئے اور یہاں ہی داعی اجل کو لبیک کہا۔ (۲۱)

آپ کی تصانیف:

(۱)۔ فقہ احوط۔ (۲)۔ احوال عقائد۔

(۳)۔ انسان نامہ (۴)۔ سلسلۃ الذہب

(۵)۔ صحیفہ اولیاء (۶)۔ مجموعہ غزلیات یہ آپکی یادگار تصانیف ہیں۔

آپ کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے شاہ قاسم فیض بخش خلیفہ بنے اور تحریک نوربخشیہ کو فروغ دیا آپ کو والئی ہرات اور شاہ اسماعیل صفوی کے دربار میں بڑی عزت ملی آپ کے بعد آپ کے بیٹے شاہ بہاؤ الدین بادشاہوں میں بہت مشہور ہوئے آپ کے فرزند شاہ قوام الدین نے تو عزت و توقیر کا وہ مقام حاصل کیا جو کسی دوسرے کو نصیب نہ ہوا ہر قریے میں آپ کے مرید اور جانثار موجود تھے شاید اسی وجہ سے حکومت حسد کا شکار ہو گئی جسکے نتیجے میں آپ گرفتار ہوئے اور جیل میں اللہ کو پیارے ہو گئے اس کے بعد اس تحریک کو شدید نقصان پہنچا تو آہستہ آہستہ یہ مذہب ایران سے تو ختم ہی ہو گیا البتہ کشمیر میں زندہ رہا جہاں

اس کی بنیاد شمس الدین عراقی نے رکھی آپ شاہ قاسم سے متعارف ہوئے اور خاص ان کے مریدوں کے حلقے میں شامل تھے سلطان حسن مرزا نے آپ کو ملازمت میں لیا 1480ء میں کشمیر آئے تو سفیر بن کر آئے آپ اس حیثیت میں کھل کر تبلیغ نہ کر سکتے تھے تاہم خفیہ طور پر تبلیغ کرتے رہے اور کشمیر میں بابا اسماعیل اور بابا علی بخارا کو اپنے مسلک کا اندر ہی اندر حامی بنالیا علماء کو آپ کی ان سرگرمیوں کا علم ہوا تو مخالفت شروع ہوگئی۔

چنانچہ آپ کو کشمیر چھوڑنا پڑا واپسی پر ہرات کے سلطان حسن مرزا کو بھی شبہ گزرا اور شمس الدین خود بھی خطرہ محسوس کرنے لگے چنانچہ آپ نے ملازمت ترک کردی اور شاہ قاسم کے پاس چلے گئے شاہ قاسم نے کچھ عرصہ بعد آپ کو کشمیر بھیج دیا آپ نے 1501ء میں کچھ دیگر صوفیاء اور انکے خاندان کے ہمراہ رخت سفر باندھا راسے میں مشہد میں امام رضاء کے مزار پر حاضری دی اور براستہ قندھار اور ملتان 1502ء میں کشمیر میں داخل ہوئے۔ موسیٰ جو دولتمند اور شریک اقتدار تھا آپ کے مریدین میں داخل ہوا چک خاندان کے کچھ لوگ بھی آپ کے پاس آئے اور ارادتمندوں میں شامل ہوئے۔ موسیٰ نے خانقاہ کی تعمیر شروع کردی 1504ء میں خانقاہ مکمل ہوئی جو اب بھی موجود ہے تاہم اسکی ابتدائی کامیابی کے بعد آگے چل کر سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا سلطان محمد شاہ کا وزیر اعظم اور دیگر علماء آپ کی مخالفت پر کمر بستہ ہوگئے چنانچہ آپ نے پچاس مریدوں کو لے کر بلتستان کی راہ لی۔ یہاں حضرت سید علی ہمدانی کے مریدوں نے آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیا آپ نے سید علی ہمدانی المعروف شاہ ہمدان کی تعلیمات سے اتفاق کرتے ہوئے سید نور بخش کی تعلیمات کو انکی تعلیمات کا حصہ بنایا اس طرح یہاں بھی آپ کو بہت تھوڑے عرصے میں کامیابی ملی ادھر سری نگر میں وزیر اعظم وفات پا گئے اور خود موسیٰ نے قلمدان سنبھالا تو اس نے آپ کو بلتستان سے سری نگر بلا لیا یوں آپکی قسمت کا ستارہ چمکا۔

آپ نے 1526ء میں وفات پائی اور میر دانیال مسند اقتدار پر فائز ہوئے مگر جب 1541 میں مرزا حیدر دوغلات برسر اقتدار آئے تو نوربخشیوں کے لیئے ایک مرتبہ پھر بھلے دن لوٹ آئے ایران کے زیر

اثر جہاں شاہ اسمٰعیل نے شیعہ سرکاری مذہب قرار دیا تو نور بخشیہ تحریک شیعہ مذہب میں شامل ہونے لگی اس تحریک نے ان باتوں کو ختم کر دیا جو شیعہ مذہب سے مطابقت نہ رکھتی تھیں اسطرح اس زمانے میں شیعہ اور نور بخشیہ مذہب میں کوئی فرق باقی نہ رہا چک خاندان کے نور بخشیہ بھی خود کو شیعہ کہنے لگے 1586ء میں اکبر نے کشمیر فتح کیا تو اس وقت تک کچھ نور بخشی عقیدے کے لوگ ابھی باقی تھے لیکن ان میں سے بھی کچھ سنی ہو گئے اور کچھ شیعہ مذہب اختیار کر گئے تھے تاہم دور دراز علاقوں میں جو نور بخشی تھے وہ اپنے عقیدے پر قائم رہے اگر چہ ان عقائد میں کچھ تبدیلیاں آ چکی تھیں اس وقت صرف اور صرف بلتستان میں نور بخشی کے کچھ لوگ موجود تھے۔

نور بخشی عقائد:

اس تحریک کا میلان صوفیانہ تھا سید نور بخش خدا کا جلوہ دیکھنے اور امام جعفر سے حضرت علی کی تعلیمات حاصل کرنے کا دعویٰ کرتے تھے صوفیاء کے فلسفے ہمہ اوست اور دنیا کی شان و شوکت سے کنارہ کشی پر یقین رکھتے تھے خود کو مالک کی مرضی پر چھوڑ کر اطاعت و عزلت نشینی، استغراق اور مرشد کی رفاقت کی ضرورت کے قائل تھے خانقاہوں کا سلسلہ دوسرے صوفیاء کے سلسلوں کی طرح ہی تھا ایک رسم یہ تھی کہ جب کوئی نیا فرد نور بخشی سلسلہ کو قبول کرتا تو ساری رات جاگ کر عبادت و وعظ ہوتا جن میں حضرت امام غزالی، حضرت بایزید بسطامی اور حضرت جنید کی کتابوں اور ملفوظات کے مخصوص اقتباسات سنائے جاتے تو وجد طاری ہو جاتا تھا مدرسوں میں بچوں اور بڑوں کو ایمانیات، اسلام اور چودہ کلمات سکھائے جاتے تھے جو یہ ہیں۔

(۱)۔ بندہ خدا　　(۲)۔ اولاد آدم

(۳)۔ ملت ابراہیم　　(۴)۔ امت سید المرسلین حضرت محمد ﷺ

(۵)۔ دین اسلام　　(۶)۔ کتاب قرآن

(۷)۔ قبلہ کعبۃ اللہ | (۸)۔ سنت کی پیروی
(۹)۔ علی کی محبت | (۱۰)۔ سلسلۃ الذہب
(۱۱)۔ صوفیوں کا مذہب | (۱۲)۔ مسلک ہمدانی
(۱۳)۔ روش نوربخشی | (۱۴)۔ مرشد کا قرب (۲۲)

گلگت میں اشاعت اسلام:

پانچویں صدی سے نویں صدی تک یہاں بدھ اور شیومت تھے مگر دونوں زوال پذیر تھے جب اسلام آیا تو ان لوگوں کو بدھ مت اور شیومت سے کسی قسم کا تعلق اور نسبت نہ تھی بلکہ مظاہر پرستی اور اوہام پرستی عام تھی اور وہی عقائد تھے جن پر آج بھی کافرستان چترال کے لوگ کاربند ہیں بلتستان سے ہی سادات گلگت آئے ۔اٹھارویں صدی کے آخر میں خاندان خوشوقتیہ کے حکمران راجہ سلیمان نے گلگت والوں سے حکومت چھین لی آپ کے دور میں یاسین ،پونیال اور گلگت کے لوگ اہلسنت والجماعت سے متعارف ہوئے اور بہت سے خاندان سنی ہو گئے۔

1842ء میں سکھوں کے عہد حکومت میں نتھے شاہ نے گلگت فتح کیا تو بہت سے پیروکار اور سادات بھی گلگت آئے جن کی کوششوں سے استور وغیرہ میں سنی عقائد کی تبلیغ ہوئی ۔ چیلاس ،داریل اور تانگیر کے علاقہ کاغان کے سادات نے تبلیغ اسلام کی خدمات انجام دیں۔

مذہب اسماعیلیہ گلگت میں:

مصر کے خاندان بنو فاطمیہ کے سلطان مستنصر باللہ کے زمانے میں حکیم ناصر خسرو مصری تبلیغ و تعلیم کے لیئے مصر سے خراسان کی طرف مامور ہوئے آپ خراسان سے بدخشاں کے ایک گاؤں میں آ کر آباد

ہوئے جہاں سے بدخشاں اور واخان کے علاقے میں اسماعیلی عقائد کا اجراء ہوا یہاں سے ہنزہ، چترال، گوپس، یاسین میں اسماعیلیہ فرقے کے مبلغ اور دائی جاتے رہے۔

شاہ سلیم جو جلا وطن ہو کر واخان میں رہ رہا تھا اس زمانے میں اسماعیلی عقائد سے متعارف ہو کر راغب ہوا اور سات سال بعد جب اس نے ہنزہ کا اقتدار دوبارہ سنبھالا تو ساری آبادی شیعہ تھی مگر وہ اپنے عقائد پر قائم رہا۔ اسی عرصہ میں شاہ حسین بدخشاں سے آیا اور میر سلیم نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی 1833ء میں اسکی وفات کے بعد میر غضنفر علی تخت کا وارث ہوا تو اس زمانے میں پیر باتوت شاہ بدخشاں کے علاقہ میں آیا تو غضنفر علی نے اس کی بیعت کر لی لوگوں نے بھی اس کی پیروی کی یوں ہنزہ کی کثیر آبادی فرقہ اسماعیلیہ سے وابستہ ہوئی ادھر سید اکبر بدخشاں سے آکر یاسین مین آباد ہوا تو یاسین، پونیال اور کوشہ غذر کے علاقہ میں بھی لوگ اسماعیلی عقائد سے وابستہ ہو گئے۔

اھلسنت و الجماعت:

تیرہویں صدی میں ایک بزرگ محمد حسین عرف بابا پشاوری یہاں آئے اور کیرس، خپلو اور چھور بٹ میں مسند تدریس بچھائی آپ کے حلقہ درس میں اسماعیلی، نور بخشی، شیعہ بہت شامل ہوئے تھے، بہت سے سید زادوں نے بھی آپ سے تعلیم حاصل کی آپ کے بہت سے شاگرد مزید تعلیم کے لیئے پنجاب بھی گئے۔ عبدالرحیم غواڑی والے ہندوستان واپس آئے تو غواڑی میں ایک مدرسہ کھولا جو دارالعلوم غواڑی کے نام سے موسوم ہے۔ (۲۳)

شمالی علاقہ جات کے زیرِ انتظام پاکستان حکومت میں نئی تبدیلی اور الیکشن 2009ء:

گلگت بلتستان سے جملہ سابقہ معلومات تاریخ کشمیر کے باب میں مکمل آچکی ہے۔ پاکستان میں

پاکستان پیپلز پارٹی کی گورنمنٹ بنی اور 29 اگست 2009ء کو اعلان کیا گیا کہ (۲۴): شمالی علاقہ جات کے زیرِ انتظام حکومت کو صوبہ بنایا گیا اور اس کا نام صوبہ گلگت بلتستان رکھا گیا۔ وفاقی وزیرِ اطلاعات ونشریات قمر الزمان کائرہ کو قائم مقام گورنر صوبہ گلگت بلتستان بنایا گیا۔ (۲۵)

اس کے 24 حلقے بنائے گئے جن میں 10 جماعتوں کے 264 امیدواروں نے انتخابات میں حصہ لیا۔ (۲۶) اور پاکستان پیپلز پارٹی نے 13 نشستیں حاصل کر کے اکثریتی پارٹی کے طور پر اپنی حکومت بنائی۔ (۲۷)

آزاد کشمیر کی حکمران جماعت اور دیگر جماعتوں نے اس فیصلے کو غیر آئینی قرار دیا کہ گلگت بلتستان کشمیر کا حصہ ہے اس کو الگ صوبہ نہیں بنایا جا سکتا اس بنیاد پر لبریشن فرنٹ نے لانگ مارچ کا اعلان کیا اور راولاکوٹ سے بڑے قافلے کی قیادت کرتے ہوئے یہ لوگ آزاد پتن پہنچے جہاں انہیں روک دیا گیا رات بھر شدید سردی میں یہ لوگ وہیں رہے۔ اس پر قومی اسمبلی میں وزیر اعظم سید یوسف رضا گیلانی نے اعلان کیا کہ گلگت بلتستان کشمیر کا حصہ ہے پاکستان کا حصہ نہیں۔ (روزنامہ نوائے وقت 14 نومبر 2009ء) صوبہ گلگت بلتستان میں وزیر اعلیٰ کے لیئے پاکستان پیپلز پارٹی نے مہدی شاہ کا نام فائنل کیا ہے۔

اس سے اہل گلگت کو ایک تاریخی فائدہ حاصل ہوا ہے کہ شمالی علاقہ جات کے بجائے ان کے علاقے کا اصل نام گلگت بلتستان رکھ دیا گیا دوسرا 62 برس سے جاری جمود ختم ہو گیا جمہوری حکومت معرض وجود میں آئی لوگوں کے اندر سیاسی شعور بیدار ہو گا اور وہ اپنے تاریخی پس منظر کے بارے میں ضرور سوچیں گے پیپلز پارٹی نے انکو یہ شعور دیا ہے اور انہوں نے بدلے میں 13 سیٹیں دے کر ادھار چکا دیا ۱۱ دسمبر کو پہلی حکومت قائم ہوئی جس میں پیپلز پارٹی گلگت کے صدر مہدی شاہ نے وزیر اعلیٰ، نذیر بیگ سپیکر اور جمیل احمد نے ڈپٹی سپیکر کا حلف اٹھایا۔ (۲۸)

☆☆☆

حوالہ جات

کشمیر و گلگت کی مذہبی سیاسی و تمدنی تاریخ:

۱۔ جموں و کشمیر بک آف نالج اسعد، محمد سعید، نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف کشمیر اسٹیڈیز میر پور، سن طباعت اکتوبر 2004، صفحہ 14، 15

۲۔ ایضاً، صفحہ 16۔

۳۔ ایضاً، صفحہ 18۔

۴۔ ایضاً، صفحہ 20۔

۵۔ ایضاً، صفحہ 22۔

۶۔ تاریخ جدو جہد کشمیر، پریم ناتھ بزار لالہ زار پریس میر پور، سن 2000، ص 345۔

۷۔ کشمیر ساد کے عہد میں، محب الحسن ڈاکٹر ناشر المدینہ پبلشرز لاہور، ص 75،

۸۔ مکمل تاریخ کشمیر، منشی محمد دین فوق، ویری ناگ پبلشرز میر پور، سن 2000، صفحہ 175۔

۹۔ جموں و کشمیر بک آف نالج، ایضاً، صفحہ 32.31۔

۱۰۔ مکمل تاریخ کشمیر، صفحہ 210۔

۱۱۔ ایضاً، صفحہ 225۔

۱۲۔ ایضاً، صفحہ 235۔

۱۳۔ تاریخ سندھنوتی، مسعود خان، ناشر اظہار سنز پرنٹر لاہور ص 25، سن 2003۔

۱۴۔ جموں و کشمیر بک آف نالج، صفحہ 86.85۔

۱۵۔ متاع زندگی، محمد ابراہیم خان سردار، صفحہ 122 تا 125، دھرتی پبلشرز راولاکوٹ، سن 2003

۱۶۔ تاریخ کشمیر، سید محمود آزاد، سادات پبلشرز، مظفر آباد، سن 1992، صفحہ 370۔

۱۷۔ گلگت بلتستان کی تاریخی حیثیت، اسعد احمد سعید، انسٹیٹیوٹ آف کشمیر افیئر ز، صفحہ 30.31.32، سن 2004۔

۱۸۔ شمالی علاقہ جات کی آئینی حیثیت، اعجاز افضل ایڈوکیٹ، صفحہ 24 تا 30، ناشر معارف لاہور، سن 2004۔

۱۹۔ ایضاً، صفحہ 33۔

۲۰۔ ایضاً، صفحہ 27۔

۲۱۔ ایضاً، صفحہ 50 تا 52۔

۲۲۔ ایضاً، صفحہ 63 تا 64۔

۲۳۔ ایضاً، صفحہ 70۔

۲۴۔ روزنامہ جناح اسلام آباد، 30 جولائی 2009، صفحہ 6۔

۲۵۔ روزنامہ اوصاف اسلام آباد، 12 نومبر 2009، صفحہ 4۔

۲۶۔ روزنامہ نوائے وقت اسلام آباد، 13 نومبر 2009، صفحہ 1۔

۲۷۔ روزنامہ نوائے وقت اسلام آباد، 14 نومبر 2009، صفحہ 1۔

۲۸۔ روزنامہ نوائے وقت اسلام آباد، 12 نومبر 2009، صفحہ 1۔

☆☆☆

باب چہارم:

یوں تو دنیائے اسلام میں تصوف وطریقت کے کئی خانوادے اور سلاسل موجود ہیں لیکن ان میں چار سلاسل قادریہ، چشتیہ۔ سہروردیہ اور نقشبندیہ زیادہ مشہور ہیں ان سلاسل اربعہ کے بارے میں ڈاکٹر محمد حسین اپنی تصنیف ''حضرت خواجہ سلیمان تونسوی اور انکے خلفاء'' میں لکھتے ہیں۔

(۱)۔ سلسلہ چشتیہ:

''اس سلسلہ کے بانی خواجہ اسحاق شامی (متوفی ۳۲۹ھ ۹۴۰ء) ہیں یہ سلسلہ تمام سلاسل تصوف سے قدیمی ہے اور آج تک اس کا فیض جاری ہے متحدہ ہندوستان میں یہ سلسلہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری (۶۳۳ھ ۱۲۳۵ء) کے ذریعے آیا اور آپ ہی نے اسے معراج کمال تک پہنچایا آپ کے بعد شیخ کبیر فرید الدین گنج شکر متوفی ۶۶۴ھ ۱۲۶۵ء کے خلفاء نے اس کو ہندوستان کے کونے کونے تک پہنچایا۔

(۲)۔ سلسلہ قادریہ:

یہ سلسلہ شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی (متوفی ۵۶۱ھ ۱۱۶۶ء) سے منسوب ہے آپ کے خلفاء نے عراق، شام اور ہندوستان میں اسکی اشاعت کی متحدہ ہندوستان میں یہ سلسلہ شیخ شمس الدین حلبی ۸۳۴ھ ۱۴۳۰ء کے خلیفہ شاہ محمد اوچی متوفی ۹۸۷ھ ۱۵۱۷ء اور شیخ میر محمد المعروف بہ میاں میر لاہوری متوفی ۱۰۴۵ھ ۱۲۳۵ء نے اس سلسلہ کی اشاعت کی سندھ میں قادری مشائخ نے بہت کام کیا سندھ کا راشدی اور پنجاب کا نوشاہی سلسلہ اس سلسلہ کی شاخیں ہیں۔'' [سلسلہ قادریہ کے بارے میں ڈاکٹر محمد حسین للہی کی یہ بات درست نہیں کہ کیونکہ متحدہ ہندوستان میں شاہ اوچی سے بھی پہلے حضرت سخی سرور شہید ۵۷۷ھ مدفون ڈیرہ غازی خان، حضرت شیخ سلامت اللہ قریشی المعروف بہ مغل بھیں فاروقی ۶۰۱ھ مدفون جاتی ضلع ٹھٹہ تاریخ جاتی (ص ۱۲۵) حضرت سید کبیر الدین شاہ دولہ گجراتی متوفی ۶۰۳ھ تواریخ آئینہ تصوف شاہ محمد قصور

مکتبہ صابر (۱۹۷۱ء اور حضرت شیخ نعمت اللہ ولی متوفی ۸۳۴ھ تذکرہ اولیاء برصغیر پاک و ہند دہلوی مرزا محمد اختر لاہور ملک اینڈ کمپنی (ص ۵۱۴) سلسلہ قادریہ کے مشہور بزرگ گزرے ہیں]

(۳)۔ سلسلہ نقشبندیہ:

اس سلسلہ کی بنیاد ترکستان میں خواجہ محمد اتالیس متوفی ۵۶۲ھ/۱۱۲۲ء نے رکھی خواجہ عبدالخالق غجدانی متوفی ۵۷۵ھ/۱۱۷۹ء نے اس کی ترقی دی اس وقت تک اس سلسلہ کو خواجگان کہا جاتا رہا خواجہ بہا الدین نقشبندیہ متوفی ۷۳۹ھ/۱۳۸۸ء نے اسے معراج تک پہنچایا اس کے بعد یہ سلسلہ نقشبندیہ کے نام سے مشہور ہوا ہندوستان میں یہ سلسلہ سب سے آخر میں خواجہ محمد باقی باللہ سمرقندی کابلی متوفی ۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء کے ذریعے پہنچا اتباع سنت اس سلسلہ کا شعار خاص ہے برصغیر میں اس سلسلہ کو حضرت مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی قدس سرہ ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء نے بام عروج تک پہنچایا۔

(۴)۔ سلسلہ سہروردیہ:

اس سلسلہ کی بنیاد شیخ ضیاء الدین ابو نجیب عبدالقاہر سہروردی متوفی ۶۳۲ھ/۱۲۳۴ء نے رکھی شیخ شہاب الدین سہروردی متوفی ۶۳۲ھ/۱۲۳۴ء نے اس سلسلہ کی اشاعت عام کی ہندوستان میں ان کے خلیفہ شیخ بہاؤ الدین ذکریا ملتانی متوفی ۶۴۳ھ/۱۲۴۵ء نے اس سلسلہ کو پروان چڑھایا۔(۱)

سلسلہ قادریہ کی شاخیں:

آج دنیا کے تقریباً تمام ممالک میں اس سلسلہ کی شاخیں ہیں۔ محمد نذیر رانجھا لکھتے ہیں کہ گنی میں توبہ کے نام سے عرب ممالک کو نتا اور شاذلیہ کے نام سے اور پاکستان میں نوشاہیہ خود کو سلسلہ قادریہ کے نام سے

منسلک کرتے ہیں:

ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کی مندرجہ ذیل شاخیں ہیں۔

۱۔ قادریہ عنائتیہ قدوسیہ درویشیہ جو حضرت شیخ درویش محمد متوفی ۸۹۶ھ سے منسوب ہے۔(۲)

۲۔ قادریہ رشیدیہ جو حضرت شیخ عبدالرشید متوفی ۱۰۸۲ھ سے منسوب ہے۔(۳)

۳۔ قادریہ رسولیہ غائبیہ جو حضرت سید حسن رسولنما متوفی ۱۰۸۸ھ سے منسوب ہے۔(۴)

۴۔ قادریہ معسودیہ حضرت مولوی محمد مسعود متوفی ۱۱۹۹ھ سے منسوب ہے۔(۵)

۵۔ قادریہ نظامیہ عبدیہ حسینیہ حضرت سید محمد عبداللہ بغدادی سے منسوب ہے۔(۶)

۶۔ قادریہ حسینیہ عملیہ حضرت مولوی غلام جیلانی ۱۲۵۵ھ سے منسوب ہے۔(۷)

۷۔ قادریہ حسینیہ اصغری، حضرت میاں غلام حسین ۱۲۹۵ھ سے منسوب ہے۔(۸)

۸۔ قادریہ برکاتیہ رضویہ امام احمد رضا بریلوی سے ۱۳۴۰ھ سے منسوب ہے۔(۹)

۹۔ افریقہ میں حضرت شیخ عبدالکریم کسنزانی ۱۳۱۸ھ سے قادریہ کسنزانیہ منسوب ہے۔(۱۰)

۱۰۔ قادریہ اویسیہ تاجیہ حضرت اویس حضرت بابا تاج الدین ناگپوری ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء سے منسوب ہے۔(۱۱)

۱۱۔ صوبہ سرحد میں قادریہ مجددیہ عفوریہ حضرت شیخ عبد الغفور اخوند سواتی ۱۲۹۵ء سے منسوب ہے۔(۱۲)

۱۲۔ قادریہ وارثیہ حضرت پیر وارث علی شاہ ۱۳۲۳ھ) سے منسوب ہے۔(۱۳)

۱۳۔ قادریہ فاضلیہ حضرت محمد فاضل بٹالوی متوفی ۱۱۵۱ھ/۱۷۳۱ء سے منسوب ہے۔(۱۴)

۱۴۔ قادریہ بدریہ شاہ بدرالدین عرف شاہ بلاقی مرادآبادی متوفی ۱۱۵۳ھ سے منسوب ہے۔(۱۵)

۱۵۔ قادریہ نظامیہ رزاقیہ جو حضرت مولانا نظام الدین لکھنوی متوفی ۱۱۶۱ھ سے منسوب ہے۔(۱۶)

۱۶۔ قادریہ مصطفائیہ جو حضرت مصطفیٰ شاہ متوفی ۱۱۶۷ھ سے منسوب ہے۔(۱۷)

۱۷۔ قادریہ عظیمیہ شاہ محمد عظیم فیض آبادی متوفی ۱۱۹۷ھ سے منسوب ہے۔(۱۸)

۱۸۔ قادریہ منوریہ جو حضرت منور شاہ آلہ آبادی متوفی ۱۱۹۹ھ سے منسوب ہے۔(۱۹)

۱۹۔ قادریہ نقیبیہ قصور جو حضرت نقیب اللہ شاہ متوفی ۱۹۹۷ء سے منسوب ہے۔(۲۰)

اس کے علاوہ سلسلہ قادریہ کی شاخیں ہیں کیونکہ یہ سلسلہ پھیلتا جا رہا ہے اس کی شاخیں بڑھتی جارہی ہیں۔

دیگر سلاسل کا سلسلہ قادریہ سے تعلق:

امام احمد رضا کہتے ہیں:

کس گلستان کو نہیں فصل بہاری سے نیاز
کون سے سلسلہ میں فیض نہ آیا تیرا

(حدائق بخشش امام احمد رضا)

ترجمہ: امام عبداللہ یافعیؒ فرماتے ہیں کہ یمن کے اکثر مشائخ کو حضرت غوث الثقلین سے پورا فیض حاصل ہوا ہے ان تمام کے اکابر نے غوث الاعظم کی صحبت پائی ہے۔ چنانچہ سلسلہ چشتیہ سے حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس اللہ سرہ متوفی ۶۳۲ھ بغداد تشریف لے گے اور چند ماہ حضرت غوث الاعظم کی خدمت میں رہے جہاں آپ نے خواجہ صاحب کے حجرے میں ٹھہر کر توجہات حاصل کی اور یہ بات کتب چشتیہ میں مسطور ہے۔

سلسلہ خواجگان (نقشبندیہ) کے امام خواجہ یوسف ہمدانیؒ متوفی ۵۳۵ھ اکثر بغداد شریف میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی صحبت میں رہا کرتے تھے اور جس مجلس میں قدمی ہذا علی رقبۃ کل ولی اللہ کا اعلان کیا گیا آپ وہاں موجود تھے اور سلسلہ سہروردیہ میں شیخ الشیوخ حضرت ابوالنجیب اپنے اصحاب کے ساتھ ہمیشہ جب

حضرت غوث الثقلین کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کرتے تو آپ فرماتے کہ وضو کرو اور اپنے دلوں کو ٹٹولو اور خبردار ہو جاؤ کہ ہم اس ہستی کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیئے جا رہے ہیں جس کے دل میں اللہ کی خبریں نازل ہوتی ہیں سلسلہ کبرویہ میں شیخ ابوالنجیب سہروردی متوفی ۵۶۳ھ جن کے بارے میں لکھا ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی کے ساتھ رہے وہ شیخ عمار یاسر کے پیر تھے اور شیخ عمار حضرت نجم الدین کبری متوفی ۵۶۳ھ کے پیر ہیں۔

الغرض چاروں سلاسل کے بزرگان مشائخ کو حضرت غوث صمدانی کے غوث نعمت سے وافر حصہ ملا یہ فخر تمام مذکورہ مشائخ کے لیے ہے۔

سلسلہ قادریہ کی پاکستان کے شمالی علاقہ جات بشمول کشمیر میں آمد:

ڈاکٹر سیّدہ اشرف ظفر اپنے مقالہ میں تحریر کرتی ہیں کہ سلطان شہاب الدین غوری متوفی ۱۳۷۸ء کے دور میں پہلی دفعہ حضرت امیر کبیر سیّد علی ہمدانی ۱۳۷۲ھ میں کشمیر تشریف لائے آپ چار ماہ تک کشمیر میں قیام پذیر رہے پروفیسر ڈاکٹر ناصر الدین کی تحقیق کے مطابق سلسلہ کبرویہ کے شیخ حضرت ابوالنجیب سہروردی متوفی ۵۶۳ھ شیخ عبدالقادر جیلانی کی صحبت میں رہے وہ شیخ عمار یاسر کے شیخ تھے شیخ عمار یاسر نجم الدین کبری کے شیخ تھے (۲۱)۔

اور یہ سلسلہ جناب سیّد علی ہمدانی تک جاتا ہے اور یہ اس طرح ہے۔

سیّد علی ہمدانی ۷۸۶ھ

شیخ محمود مزدکانی ۷۶۶ھ

شیخ علاؤالدین سمنانی ۷۳۶ھ

شیخ عبدالرحمٰن الفران ۷۰۰ھ

شیخ احمد جورکانی ۶۶۹ھ

شیخ علی لالہ ۶۴۷ھ

شیخ نجم الدین کبریٰ ۶۱۸ھ۔ (۲۲)

ڈاکٹر سید یوسف بخاری نے صوفیائے کشمیر میں بالتفصیل لکھا ہے حضرت سید علی ہمدانی بزرگان قادریہ میں سے تھے۔۲۳۔

اس لئے حضرت شاہ ہمدان ہی پہلے قادری بزرگ ہیں جو خطہ کشمیر میں داخل ہوئے۔

تصوف اور اهل کشمیر :

کشمیر کے خطے کو اللہ تعالیٰ نے قدرتی حسن عطا فرمایا۔ یہاں خوبصورت پہاڑ، حسین وادیاں، بہتی آبشاریں، خوبصورت چشمے، گل پوش اور گل زیز وادی، حسین وجمیل درخت، قدرتی طور پر دلکش آب و ہوا الغرض حسن و جمال کا پورا سامان خطہ کشمیر میں قدرتی طور پر موجود رہا ہے یہی وجہ ہے کہ ہر نوع کے انسان خواہ انکا تعلق سیاحوں میں سے ہو، شعرا اور ادیبوں سے ہو، سلاطین وقت میں سے ہو یا اولیاء اللہ میں سے ہو، طلباء ہوں یا پھر علماء ہر ایک صنف کے لوگوں نے کشمیر کا رخ کیا اگر تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ سب سے زیادہ تعداد میں جن لوگوں نے خطہ کشمیر کی طرف رُخ کیا اور اس خطے سے پیار کیا اس کو اپنا مسکن بنایا وہ اولیاء کرام ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کشمیر محل وقوع کے لحاظ سے بہترین جائے اعتکاف، اور مقام خدا طلبی ہے یہی وجہ ہے کہ مقربان الٰہی بیرون ملک سے آئے اور اس پر فضا جگہ کو اپنا مسکن بنایا۔ یہاں خانقاہیں قائم کیں، مدارس بنائے علماء اور صوفیاء کی ایک کھیپ تیار کی جنہوں نے کفر و شرک کے خلاف علمی اور روحانی طریقے سے جہاد کیا کفر کو تلوار کے ذریعے مٹانے کے بجائے ان کے دلوں

میں اسلام کی شمع روشن کردی یہ انہی بندگان خدا کا کمال ہے کہ کشمیر میں مسلمان ہیں ہندوؤں کا تناسب بہت کم ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ پورے ہندوستان کی طرح خطہ کشمیر میں بھی اشاعت اسلام کا سہرا اولیاء کرام کے سر ہے ان بندگان خُدا نے اس حسین سرزمین کا رخ کیا اور کفر وشرک کے اندھیروں کو مٹا کر توحید و رسالت کے چرچے کیئے۔ معبودان باطل کے سامنے جھکی ہوئی پیشانیوں کو مالک حقیقی کے سامنے جھکا دیا۔ اموی دور حکومت میں جب محمد بن قاسم نے سندھ پر حملہ کیا تو سندھ کے راجہ داہر کا بیٹا جے سنگھ بھاگ کر کشمیر آیا تھا اس کے دربار میں کچھ عرب مسلمان بھی تھے جن کا سردار حمیم بن سامہ تھا راجہ داہر کے بیٹے کو راجہ کشمیر کی طرف سے ایک ملحقہ علاقہ جاگیر میں ملا تو حمیم بن سامہ شامی نے مسلمان ساتھیوں سمیت کشمیر میں رہائش رکھ لی یہ واقع ۱۱۲ء کا ہے۔ اکثر مورخین کشمیر نے اس بات کو تسلیم کیا ہے حمیم بن سامہ شامی وہ پہلا مسلمان تھا جس نے کشمیر میں پہلی مسجد تعمیر کی اور دین اسلام کی اشاعت کے لیئے کوشاں رہا۔ ([redacted])

پیرزادہ محمد طیب حسین نے اپنی کتاب اولیاء کشمیر میں رقمطراز ہیں کہ سب سے پہلے اسفران (ایران) سے حضرت شیخ نورالدین عبدالرحمانی اسفرانی جو کہ شیخ احمد جوزقانی قدس سرہ کے مرید تھے کشمیر میں داخل ہوئے اور تبلیغ دین واشاعت کے کام کی بنیاد رکھی موصوف لکھتے ہیں کہ وہ خطہ کشمیر میں طریقت کے مجدد ہیں انکی پیدائش ۶۳۷ھ میں ہوئی ۵۸ سال کی عمر میں ۱۴ جمادی الاول ۶۹۵ھ میں وفات پائی۔ (۲۴)

ان کے بعد جو بزرگ کشمیر میں داخل ہوئے وہ حضرت شرف الدین عرف بلبل شاہ کشمیری ہیں ان کا اصل نام شرف الدین تھا بلبل شاہ کے نام سے مشہور ہوئے بلبل کی وجہ تسمیہ مقبول کریری شاعر کشمیر اپنی بیاض برہان کشمیری زبان منظوم میں لکھتے ہیں کہ ان کے شانے پر ہروقت ایک بلبل ہوتا تھا آپ جب نماز پڑھتے تو وہ آپ کے سر مبارک کے اوپر چکر لگاتا رہتا تھا آپ نعمت اللہ فارسی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ (۲۵)

آپ ۷۲۵ھ میں کشمیر میں داخل ہوئے اس وقت کشمیر میں راجہ سہدیو کی حکومت تھی ۱۳۰۷ء تا

۱۳۲۴ء راجہ سہدیو کا دور تھا ان کے ساتھ کس قدر ساتھی تھے اس بارے میں کوئی مصدقہ روایت نہیں ملتی راجہ سہدیو کے عہد میں سوات بونیر کی طرف سے ایک غریب الوطن شخص شاہ میر کشمیر میں داخل ہوا تھا جس نے بہت جلد راجہ کے دربار تک رسائی حاصل کر لی تھی اس زمانے میں تبت کا ایک بدھ مت جلاوطن شہزادہ بھی کشمیر پہنچا تھا اس نے بھی راجہ سہدیو کا قرب حاصل کر لیا راجہ سہدیو کے زمانے میں ایک تاتاری سردار ذوالقدر خان یا ذولیچو خان نے کشمیر پر حملہ کیا تو چاروں طرف قیامت برپا ہو گئی کیونکہ تاتاری بے حد وحشی تھے جب تاتاریوں نے کشمیر کی وادی میں لوگوں کو بے تحاشا قتل کیا تو راجہ سہدیو ڈر کر کشتواڑ کی طرف بھاگ گیا سردیوں کا موسم آنے والا تھا جب کشمیر میں تباہی مچا کر تاتاری لشکر واپس ہونے لگا تو انہوں نے بانہال کا راستہ اختیار کیا جب یہ بے گناہ لوگوں کے قاتل بانہال کے درے تک پہنچے تو یہ سارا لشکر برف کے نیچے دب کر مر گیا ادھر شاہ میر نے اپنی کوششوں سے راجہ سہدیو کی جگہ تبت کے جلاوطن بدھ شہزادے کو تخت نشین کر کے خود اس کی مصاحبت اختیار کر لی۔ اصل وجہ یہ تھی کہ راجہ سہدیو اپنی رعایا کو بے یار و مددگار چھوڑ کر بھاگ گیا تھا اور تبت کے شہزادے رنچن نے لوگوں کی مدد کی تھی اس لیئے لوگوں نے رنچن کو اپنا بادشاہ اور اس نے شاہ میر کو اپنا وزیر بنا لیا تھا۔

اس دور میں حضرت شرف الدین عرف بلبل شاہ کشمیر تشریف لائے شاہ میر مسلمان تھا اور وہ کوشش کرتا تھا کہ رنچن مسلمان ہو جائے اور وہ اس پر دباؤ نہیں ڈالنا چاہتا تھا کہ کشمیر پر بت پرستی کی چھاپ تھی رنچن نسلاً بدھ مت مذہب کا پیروکار تھا مگر بچپن سے ہی اپنے ملک سے بھاگا ہوا تھا اس لیئے اپنے مذہب کے بارے میں اتنی معلومات نہیں رکھتا تھا جب اسے کشمیر کی حکومت ملی تو ہندوؤں نے اس کو ہندو دھرم میں شامل کرنا چاہا لیکن کشمیری برہمن انکار ہو گئے کہ بدھ کا پیروکار ہندو دھرم میں شامل نہیں ہو سکتا ہندوؤں کی ناکامی دیکھ کر شاہ میر نے اس کو مسلمان بنانے کی کوشش کی کیونکہ وہ مذہب کے بارے میں تلاش کر رہا تھا اس نے شاہ میر سے کہا کل صبح جس شخص کو دیکھوں گا اس کا دین اختیار کر لوں گا۔ (۲۶)

رنچن کا محل دریا کے کنارے تھا دوسرے روز جب علی الصبح جب اس نے کھڑکی کھولی تو غور سے مشاہدہ کیا تو سامنے دریا کے کنارے ایک پتھر پر ایک نورانی شکل والے بزرگ نماز پڑھنے میں مصروف تھے رنچن نے غور کے ساتھ ان کی حرکات وسکنات کا مشاہدہ کیا اور کبھی رکوع، کبھی سجود ان کی کیفیات سے متاثر ہو کر فوراً ان کے پاس پہنچا اور ان کے مذہب کے بارے میں سوالات کیئے اور فوراً اسلام قبول کرلیا آپ نے اس کا نام رنچن سے بدل کر سلطان صدر الدین رکھ لیا۔ ابتدء میں کشمیری پنڈتوں نے حضرت بلبل شاہ کے ساتھیوں کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی اور روڑے اٹکائے اور یہاں ہندوؤں کو مسلمان ہونے سے روکا لیکن سلطان صدر الدین کے قبول اسلام کا بے تحاشہ اثر ہوا الناس علی دین ملوکھم ترجمہ: لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں۔ لوگ جوق در جوق اسلام قبول کرنے لگے۔ حضرت بلبل شاہ کا آستانہ ایسا آستانہ تھا کہ ہر روز ہزاروں بت پرست توبہ کر کے اسلام قبول کرنے لگے سلطان صدر الدین کی طرف سے مبلغین کو پوری پوری سہولت میسر تھی اس دور میں وادی کشمیر کے مختلف حصوں میں مساجد تعمیر کی گئیں۔

تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ سلطان صدر الدین نے آپ کے لیئے ایک خانقاہ تعمیر کروائی جس کا نام لنگر بابا بلبل شاہ رکھا ان کی حیات مبارکہ اور بعد از وصال یہ آستانہ ایک عظیم آستانہ بن گیا بہاؤ الدین متو اپنے تذکرہ کشمیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت بلبل شاہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ نے مجھے اتنی طاقت عنایت کی ہے کہ میں کھائے پیئے بغیر زندہ رہ سکتا ہوں اگر اس بدن سے جان چلی جائے تو پھر بھی چل سکتا ہوں اس بدن ظاہری کے ساتھ دار البقاء میں جا سکتا ہوں اور اس کی حفاظت کرسکتا ہوں لیکن یہ تینوں چیزیں چونکہ سنت نبوی ﷺ کے خلاف ہیں اس لئے میں کوئی سنت نبوی ﷺ کے خلاف کام نہیں کرنا چاہتا میرے نزدیک سنت نبوی ﷺ پر اقامت ہزار سال کی عبادت سے بہتر ہے آپ کی تاریخ وفات اعظمی نے اس طرح لکھی۔

سال تاریخ وصل حضرت بلبل قدس گفت خاص اللہ

۷۲۷ھ مزار مبارک مرجع خاص و عام ہے۔

المختصر تقریباً بارہ سال آپ خطہ کشمیر میں اشاعت اسلام کا فریضہ انجام دیتے رہے یہ وہ دور تھا جس میں ہزاروں ہندو مسلمان ہوئے یہ آپ کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ (۲۷)

۷۳۷ھ میں حضرت شرف الدین عرف بلبل شاہ کا انتقال ہوا آپ کے خلفاء اور مریدین نے آپ کے مشن کو جاری رکھا لیکن مسلمان صرف نام کے مسلمان تھے ان کے اندر مسلمانوں کے اعمال بہت کم تھے ہندوانہ رسم ورواج بہت غالب تھا لباس ہندوانہ تھا پھر اللہ نے کرم فرمایا ۷۸۱ھ میں سید علی ہمدانی تشریف لائے۔

حضرت امیر کبیر سیّد علی همدانی کا تعارف:

آپ کے والد کا نام شہاب الدین بن محمد تھا۔شاہ ہمدان کی ولادت باسعادت کے بارے میں تذکرہ نگاروں نے ذکر کیا ہے حضرت علی کرم اللہ وجھہ الکریم کی ولادت باسعادت رجب المرجب میں ہوئی جناب سید والا بھی رجب میں پیدا ہوئے اس نسبت سے آپ کو علی ثانی بھی کہتے ہیں دوسری وجہ ڈاکٹر سیّدہ اشرف ظفر اپنے مقالہ شاہ ہمدان جو انکا پی۔ایچ۔ڈی کا مقالہ تھا میں لکھتی ہیں کہ سیّد علی ہمدانی اپنے دور سیاحت کے دوران شیخ ابو سعید سے ملے اور خرقہ خلافت ان سے حاصل کیا شیخ ابو سعید کو خواب میں حضور ﷺ نے یہ بشارت دی کہ وہ بہت جلد سیّد علی ہمدانی سے ملیں گے پھر آپ ﷺ نے موصوف کا تعارف کرواتے ہوئے فرمایا کہ وہ علی ہمدانی میری اولاد میں سے ہوں گے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری ہجرت کے ۷۱۳ سال بعد عراق کے شہر ہمدان میں یہ ستارہ طلوع ہوگا پھر عرض کیا کہ حضور ﷺ انکا نام کیا ہوگا تو حضور ﷺ نے فرمایا علی ہمدانی و علی ثانی پھر عرض کیا کہ میں اس وقت میں زندہ رہوں گا آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ رب العزت کی بارگاہ میں یہ دعا کرتا ہوں کہ آپ ان کو ضرور ملیں۔دعا اللہ کی بارگاہ میں قبول ہوئی چنانچہ اٹھویں صدی ہجری میں شاہ ہمدان نے شیخ ابو سعید سے ملاقات کی اور خرقہ خلافت حاصل کیا آپ کی ولادت

کی ولادت ۱۲رجب ۷۱۴ھ میں بمقام عراق ہمدان میں ہوئی والد کی طرف سے آپ کا شجرہ نسب چودہ پشتوں سے حضرت امام حسنؓ تک پہنچتا ہے اور والدہ کی طرف سے حضرت امام حسینؓ پر ختم ہوتا ہے۔ ثابت ہوا کہ آپ حسنی اور حسینی ہیں۔ آپ کے والد سیّد شہاب الدین شہر ہمدان کے امیر اور حکمران تھے اس لئے آپ کو امیر کے لقب سے نوازا۔

شاہ ہمدان کی تعلیم:

ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے خالو سیّد علاؤ الدین سے حاصل کی اخلاقیات کا علم کچھ اپنے خالو سے حاصل کیا کچھ اس وقت کے مشہور بزرگ حضرت شرف الدین مزدقانی سے حاصل کیا آپ بہت عرصہ تک ان کی خدمت میں مشغول رہے۔

ریاضت شاہ ہمدان:

آپ حضرت شرف الدین مزدقانی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا اگر آپ آقا بن کر آئے ہیں تو آپ کی خدمت کے لیئے تیار ہوں اگر بحیثیت خادم بن کر آئے ہیں تو ہمارے خانقاہ کے خادم خاکروب کی خدمت کے لیئے اپنے آپ کو وقف کر دیں آپ نے بلا چوں چراں بیعت کر لی اور خدمت میں حاضر ہو گئے پہلے آپ شیخ تقی الدین دوستی کے مرید اور خلیفہ تھے پھر آپ شیخ شرف الدین مزدقانی مذکورہ بالا کی ارادت میں آئے کچھ عرصہ خدمت میں رہے اور پھر عرض کی کہ میرے لیئے کیا حکم ہے فرمایا اب تم دنیا کی سیر کرو تمام اولیاء کرام کی زیارت کرو ہر ایک سے اپنا حصہ لو چنانچہ آپ اپنے مرشد کامل کی وصیت کے مطابق روانہ ہوئے اور تین دفعہ تمام دنیا کی سیر کی اور ایک ہزار چار سو اولیاء کرام سے فیض پایا۔ (۲۸)

سیر و سیاحت:

۷۳۳ھ سے ۷۵۷ھ تک شاہ ہمدان نے سیر وسیاحت بھی کی اور بزرگان دین سے ملاقاتیں بھی کیں ان سے علمی اور روحانی اکتساب کیا جن کے بارے میں وہ اپنے اساتذہ سے سن چکے تھے اس زمانے میں سفر کی سہولیات بھی مفقود تھی لیکن آپ کے دل میں اللہ والوں سے ملنے اور مخلوق کو دیکھنے کی خواہشیں کروٹیں لے رہی تھیں آپ کی گراں قدر تصنیف خلاصۃ المناقب سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے دنیا کا طویل سفر کیا کہا جاتا ہے کہ آپ نے اقصاء عالم کا تین مرتبہ سفر کیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ایک عالم دین، ولی کامل مصلح دین ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے سیاح بھی تھے۔اور اگر اپنی سیر وسیاحت کی روداد محفوظ کر لیتے تو دنیا کے مختلف گوشوں کی بلند پایا تاریخ ہوتی خلاصۃ المناقب سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر کے دوران مزدقان، ختلان، بلغ ،بدخشاں، خطا، یزد، شام، بغداد، حجاز مقدس، روم اور ماورالنہر کئی مرتبہ گئے۔

فرنگستان کے کئی خطوں کا سفر کیا اور وہاں کئی عیسائیوں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا قبچاق اور جبل القاف کے سفر میں جہانگیر سمنانی بھی آپ کے ساتھ تھے تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ کا زیادہ وقت ختلان میں گزرا ہے اور آپ وہیں مدفون ہیں۔

دور مصائب و ابتلاء:

آپ کو بے شمار مصائب اور ابتلاء سے گہرا واسطہ پڑا ہے خلاصہ المناقب میں ہے کہ سب سے بڑی مصیبت ابتلاء عظیم ماورالنہر میں آپ کو پیش آئی یہ اس حد تک تھی کہ آپ کو جلا وطن ہونا پڑا اس بارے میں مورخین کا اختلاف ہے کہ تیمور کے تباہ کن حملہ کے دوران آپ ہمدان میں موجود تھے یا نہیں اکثر مورخین کا خیال ہے کہ تیمور کی دشمنی کی وجہ سے آپ بھی کشمیر تشریف لائے اس بات کا اشارہ انکی تصنیف ذخیرۃ الملوک سے ملتا ہے کہ وہ تیمور کے ظلم وستم کی وجہ سے اپنے مولد کی اقامت ترک کرنے پر مجبور ہوئے۔

حضرت شاہ ہمدان اور امیر تیمور کی باہمی گفتگو تذکرہ نگاروں نے تفصیل سے لکھی ہے۔ حضرت شاہ ہمدان کی طرف سے لوگوں کا بے پناہ میلان دیکھ کر تیمور نے ان کو جلاوطن ہونے کا حکم دیا کیونکہ اس کو اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ اس درویش کے پاس اتنی روحانی طاقت اور کشش ہے کہ لوگوں کو میرے خلاف برگشتہ کر سکتا ہے اور کچھ بعید نہیں کہ لوگوں کو میرے خلاف جہاد کا حکم دے دے یہی وجہ تھی کہ اس نے یہ رویہ اختیار کیا۔

کشمیر میں شاہ ہمدان کی آمد:

ڈاکٹر سیّدہ اشرف ظفر نے (مذکورہ بالا) مقالہ میں لکھا ہے کہ حضورﷺ نے آپ کو خواب میں حکم فرمایا کہ کشمیر جاؤ اور اشاعت اسلام کرو صبح شاہ ہمدان نے اپنے ساتھیوں کو بلایا اور بتایا اور کشمیر کا سفر اختیار کیا جائے قوام الدین نے بتایا کہ جب ہم دشوار گزار سفر کر کے کشمیر پہنچے تو بت خانے ہی بت خانے تھے ان دنوں کشمیر کے حاکم سلطان شہاب الدین غوری نے خواب میں دیکھا کہ آفتاب جنوب سے طلوع ہوا گویا یہ حضرت شاہ ہمدان کی آمد کی پیشن گوئی تھی یہی وجہ تھی کہ سلطان نے اپنے امراء کے ہمراہ سید علی ہمدانی کا شاندار استقبال کیا ان کے رہائش کے لئے سرکاری طور پر انتظام کیا۔

پہلی دفعہ آپ کا ورود مسعود کشمیر میں ۱۳۷۲ء میں ہوا چار ماہ کے بعد آپ حج بیعت اللہ اور زیارت کے لیئے تشریف لے گئے اس وقت کشمیر کی جغرافیائی سرحدیں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں پورا پنجاب، ہزارہ ،سرحد ادھر سے سرہند کا تمام علاقہ شہاب الدین کے زیر نگیں تھا البتہ کشمیر کا پایہ تخت سری نگر ہی تھا جہاں اس وقت مسلمان حکومت ہونے کے باوجود شرک و بدعت کا دور دورا تھا۔ مسلمان مسلمان ہونے کے باوجود غیر مسلم رسم ورواج میں جکڑے ہوئے تھے ۱۳۷۹ء میں دوبارہ کشمیر تشریف لائے تقریباً اڑھائی سال قیام کیا اس دفعہ ان کا مشن اشاعت دین تھا اس لیئے پوری تیاری کے ساتھ تشریف لائے اپنے ہمراہ سات سو علماء کی ایک کھیپ تیار کر کے کشمیر وارد ہوئے اس دور میں جہالت اتنی عام تھی کہ خود سلطان شہاب الدین نے دو سگی

بہنوں سے شادی کر رکھی تھی شاہ ہمدان کی تبلیغ سے اس نے ایک بہن کو طلاق دے دی آپ نے مشاہدہ کیا کہ مسلمان لباس بھی غیر مسلموں کی طرح پہنتے ہیں انہوں نے لباس کے بارے میں مسلمانوں کو تلقین کی چند ہی دنوں میں مسلمانوں نے حضرت شاہ ہمدان کی طرح فرغل اور عمامے پہننے شروع کر دیئے آپ نے کرتہ جس کو کشمیری زبان میں پھرن کہتے ہیں آپ کی بدولت مروج ہوا اور آج تک کشمیر میں مستعمل ہے۔

یہاں بادشاہ تو مسلمان مگر اسلامی نظام رائج نہ تھا حضرت شاہ ہمدان نے فوری طور پر اپنے علماء کے ذریعہ فقہ حنفی کے عین مطابق تعزیراتی نظام مرتب کرا کر بادشاہ کو کہہ کر چند دنوں میں اسلامی نظام نافذ کرایا۔ عدالتوں کے قاضی علماء کو مقرر کروایا المختصر آپ کے ہاتھ پر ۳۷۰۰۰ ہندوؤں نے اسلام قبول کیا حضرت والا کے ہمراہ جو سات سو علماء تشریف لائے وہ کوئی عام لوگ نہیں تھے ان میں بڑی عظیم شخصیات تھیں۔ ان میں خطیب بھی تھے، مفسر اور محدث بھی تھے، فقہا بھی تھے اور حافظ بھی تھے، خطاط اور ماہرین بھی تھے آپ نے ہر فرد کو رتبے اور اہلیت کے مطابق خدمت تفویض کی جس قدر فقہا حضرات تھے ان کو بڑی بڑی درسگاہوں میں متعین کیا تا کہ ملک سے ناخواندگی کا مسئلہ حل ہو جائے بعض فقہا کو شرعی عدالتوں میں قاضی مقرر کیا انہوں نے خطیبوں کو خدمت سونپنے کے لیئے دور دراز علاقوں میں تبلیغ اور واعظ کریں قاریوں اور حافظوں کو مسجدوں کی امامت پر مامور کیا۔

غرض یہ کہ شاہ ہمدان کی کشمیر کی وادی اور اس کے ملحقات مظفر آباد، پونچھ، راجوری، میر پور، جموں اور گلگت میں وہ عظیم انقلاب برپا کیا کہ مسلمان بادشاہ سلطان شہاب الدین نے خود کو انکی خدمت اور دین کے لئے وقف کر دیا۔ خود حضرت شاہ ہمدان کا قیام سری نگر میں تھا آپ کی درسگاہ معلی کے نام سے مشہور ہے۔(۲۹)

تیسری اور آخری مرتبہ شاہ ہمدان ۱۳۸۳ء میں کشمیر آئے ایک سال قیام کیا اور ۱۳۸۴ء کو حج بیعت اللہ کے ارادے سے نکلے آپ پہلے مظفر آباد پکھلی واقع مانسہرہ پہنچے اور یہاں وادی کاغان کے تمام بالائی

حصوں کا سفر کیا کنہار کے حاکم حضر شاہ نے آپ کی مہمانداری کی وہ چاہتا تھا کہ آپ کچھ عرصہ مہمان رہیں اور دین اسلام کی اشاعت ہو آپ نے مہمان کی حیثیت سے کچھ عرصہ گزارا ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہوا اور آپ علیل ہو گئے اور مسلسل پانچ روز تک علیل رہے چھٹے روز اپنے ساتھیوں کو بلا کر پند و نصیحت کی اور پھر فرمایا جاؤ اور نماز پڑھو آدھی رات تک یا اللہ، یا رفیق، یا حبیب کا ورد جاری رہا پھر نماز ادا کی اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی ٦ ذی الحجہ ٧٨٦ھ تاریخ وصال ہے۔

حضرت شاہ ہمدان کی رحلت ٹھیک کس مقام پر ہوئی اس بارے میں تمام سوانح نگار اور تذکرہ نگاروں کی مختلف رائے ہے خلاصۃ المناقب میں لکھا ہے کہ آپ کی وفات کنہار یعنی کاغان میں ہوئی رسالہ مستورات میں ہے کہ آپ نے سوات کے علاقے میں رحلت پائی اور اس کی تائید نفحاۃ الانس، تذکرہ دولت شاہ، واقعات کشمیر، نزہت الخواطر اور خزینۃ الصفیاء سے بھی ہوتی ہے کیثر کے مصنف نے پکھلی لکھا ہے کہ تذکرہ صوفیائے بنگال میں آپ کی رحلت سری نگر لکھا ہے ریاض الشعراء نے آپ کی رحلت ختلان بتائی ہے مجلّہ معارف اسلامی میں ہمدان لکھا ہے ریاض العارفین کے مصنف نے ماورالنہر لکھا ہے ہفت کلیم کا مصنف آپکی رحلت کابل لکھتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے آپ کی رحلت وادی کاغان کے بالائی حصے کنہار میں ہوئی اس کی سرحد پکھل سے بھی ملتی ہے۔

رسالہ مستورات کی روایت کے مطابق شاہ ہمدان نے اپنے مدفن کے لیئے ختلان میں ایک جگہ خرید ی تھی اور ان کی یہ وصیت تھی کہ ان کو اس جگہ دفن کیا جائے چنانچہ آپ کے مریدین نے کئی ماہ کی مسافت آپ کے تابوت کو اُٹھا کر کی اور آپ کے تابوت سے مسلسل خوشبو آتی رہی اور ایک بادل سایہ فگن تھا نورالدین بد خشی نے لکھا ہے کہ آپ کا تابوت ٢٥ جمادی الاول ٧٨٦ھ خطہ ختلان کی خانقاہ میں پہنچایا گیا آپ کا مزار کولاب تاجکستان میں ہے حضرت علامہ اقبال کے سوالات اور حضرت شاہ ہمدان کے جوابات کافی طویل اور حکمت آموز ہیں جو علامہ اقبال کے مجموعہ کلام جاوید نامہ کے کئی صفحات پر مشتمل ہیں صرف ایک قصیدہ ملاحظہ ہو۔

در حضور شاہ ہمدان

نغمہ می خواند آن مست مدام در حضور سیّد والا مقام
سید السادات سالارِ عجم دستِ او معمارِ تقدیرِ امم
تا غزالی درس اللہ ہو گرفت ، ذکر و فکر دودمان او گرفت
مرشداں کشور مینوں نظیر میر ودرویش و سلاطین و امیر
خطہ راآن شاہ دریا آستین دادعلم صنعت و تہذیب و دین
آفریدآں مردایران صغیر باہنر پائے غریب و دلپذیر۔(۳۰)

(اقبال)

حضرت شاہ ہمدان کا بے شمار علمی اور قلمی سرمایہ:

ڈاکٹر سیّدہ اشرف ظفر نے عربی رسالوں کی تعداد اکیس اور فارسی کے رسالوں کی تعداد چالیس لکھی ہے ان میں خاصی ضخیم کتب بھی ہیں اور مختصر بھی ہیں۔ الغرض اقبال نے آپ کو سیّد السادات اور سالار عجم کا خطاب دیا کشمیر میں اشاعت اسلام کے سلسلے میں آپ کی مساعی آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ یہ حضرت شاہ ہمدان کا فیض تھا کہ اولیاء کرام کی تصویر کشمیر ہے یہاں کثیر تعداد میں اولیاء کرام آئے اور اس تحریک کے روح رواں حضرت شاہ ہمدان ہیں۔

حضرت امیر کبیر سید علی شاہ ہمدانی کا سلسلہ

طریقت:

سلسلہ سہروردیہ کے شیخ الشیوخ کے چچا حضرت ابوالنجیب ،حضرت شہاب الدین سہروری

متوفی ۶۳۲ھ کے ساتھ ہمیشہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی صحبت میں حاضر ہوتے اور شیخ ابوالخبیب اپنے اصحاب کے ساتھ جب شیخ عبدالقادر جیلانی کی خدمت میں جانے کا ارادہ فرماتے تو آپ فرماتے کہ وضو کرو اور اپنے دلوں کو ٹٹولو اور خبردار ہو جاؤ کہ ہم اس ہستی کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیئے جا رہے ہیں جس کے دل میں اللہ کی خبریں نازل ہوتی ہیں سلسلہ کبرویہ میں شیخ ابوالخبیب سہروردی متوفی ۵۶۳ھ جن کے بارے میں لکھا ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی کے ساتھ رہے وہ شیخ عمار یاسر کے پیر تھے اور شیخ عمار حضرت نجم الدین کبری متوفی ۵۶۳ھ کے پیر ہیں حضرت امیر کبیر کا سلسلہ کبروی ہے حضرت غوث الاعظم سے فیض یافتہ ہیں آپ کا سلسلہ حضرت نجم الدین کبریٰ تک اس طرح پہنچتا ہے۔

سیّد علی ہمدانی ۷۸۶ھ

شیخ محمود مزدکانی ۷۶۶ھ

شیخ علاؤالدین سمنانی ۷۳۶ھ

شیخ عبدالرحمٰن الفران ۷۰۰ھ

شیخ احمد جورکانی ۶۶۹ھ

شیخ علی لالہ ۶۴۷ھ

شیخ نجم الدین کبریٰ ۶۱۸ھ

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے متعلق پیر سید علاؤ الدین گیلانی فرماتے ہیں کہ تذکرہ نویسوں اور سوانح نگاروں اور جملہ محققین نے متفقہ طور پر ثابت کیا ہے کہ آپ کی ولادت ملک ایران کے صوبے طبرستان کے علاقے گیلان یا جیلانی کے نیف نامی قصبہ میں یکم رمضان المبارک ۴۷۰ھ کو سادات کے ایک خاندان (جو تین پشتوں سے یہاں آباد تھا) میں ہوئی اور بغداد شریف عراق میں گیاربیع الثانی ۵۶۱ھ کو ۹۱ سال کی عمر پا کر واصل بحق ہوئے اس طرح تاریخی اعتبار سے بھی یہ روایت درست معلوم ہوتی ہے کہ شیخ ابوانجیب

سہروردی نے ۵۶۳ھ میں وفات پائی اور شیخ عبدالقادر جیلانی نے ۵۶۱ھ میں وفات پائی مذکورہ بالا تحقیق سے ثابت ہوا کہ حضرت امیر کبیر سیّد علی ہمدانی سلسلہ قادریہ سے فیض یافتہ تھے گویا کشمیر اور شمالی علاقہ جات میں قادری فیض سب سے پہلے آپ ہی کے ذریعے سے پہنچا۔(۳۱)

ڈاکٹر سیّد محمد یوسف بخاری اپنی تصنیف "عالم تصوف اور کشمیر" میں رقمطراز ہیں قادریہ سلسلہ حضرت جنید بغدادی سے شروع ہوتا ہے اور یہ سلسلہ حضرت غوث الاعظم سید محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی کے اسم مبارک عبدالقادر جیلانی کی نسبت سے قادریہ مشہور ہوا امام اسطریقہ حضرت غوث الاعظم بن شیخ احمد اسود دینوری عن خواجہ ممشاد علو دینوری عن ابی العباس عن خواجہ ابی عبداللہ حنیف بن شیخ احمد بن حسن بن خواجہ جنید بغدادی حضرت غوث الاعظم تے بہت سے بزرگوں سے اجازت اور فیض حاصل کیا اس سلسلہ کی زیادہ متند شاخیں جن کا تذکرہ سلاسل اولیاء کبار میں پہلے ہوا ہے یہ ہیں اکبریہ ،شیرانیہ،قمیضیہ، کبرویہ،رومیہ،قلندریہ،فردوسیہ،ہمدانیہ۔(۳۲)

عالم تصوف اور کشمیر ڈاکٹر سید یوسف بخاری ناشر کلیم یوسف فہیم یوسف 154 اے میکلو روڈ۔

بقول مصنف رسالہ مستورات آپ حنفی مسلک پر تھے اور نگارستان فارس ص 276 میں آپ کو سلسلہ قادریہ کے آئمہ کے زمرہ میں شمار کیا گیا۔ حوالہ سالار عجم،ھمدانی،عبدالرحمٰن،ڈاکٹر،پروفیسر،سید،مکتبہ تعمیرِ انسانیت،اردو بازار لاہور،سن 1985 صفحہ 7۔

حضرت شاہ ہمدان کی کشمیر میں آمد اور معاشرتی حالات:

سلطان شہاب الدین اور اس کے پیشروؤں کے زمانے میں کشمیر کی جغرافیائی سرحدیں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں پورا پنجاب، ہزارہ، سرحد اور سرہند کے تمام علاقے سلطان شہاب الدین کے زیرنگیں تھے

البتہ کشمیر کا پایہ تخت سری نگر میں تھا جہاں اس زمانے میں مسلم حکومت ہونے کے باوجود شرک و بدعت کا دور دورہ تھا۔ مسلمان مسلمان ہونے کے باوجود غیر مسلموں کے بندھنوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ خود سلطان شہاب الدین کے نکاح میں دو سگی بہنیں تھیں آپ کی تبلیغ سے اس نے ایک بہن کو طلاق دے دی آپ نے مشاہدہ کیا کہ مسلمان ہندوؤں جیسا لباس پہنتے ہیں آپ نے اس تشخص کو جدا کرنے کے لیئے مسلمانوں کو ویسا ہی لباس پہننانے کی کوشش کی آپ کی ہدایت پر تمام مسلمان نے فرغل اور عمامے پہننے شروع کئے۔

حضرت شاہ ہمدان کشمیری نے معاشرے اور روزمرہ زندگی کا بغور جائزہ لینے کے بعد ان بدعات، بدرسومات، غیر شرعی کاموں سے روکنے کا حکم دیا مسلمان شادی بیاہ کی رسومات ہندوانہ تھیں اسطرح کی بہت سی رسومات جو ہندوؤں کی دیکھا دیکھی مسلمانوں نے اپنا رکھی تھیں۔ کشمیر کا بادشاہ تو مسلمان تھا مگر نظام حکومت ہندوانہ تھا یہاں اسلامک تعزیراتی نظام نافذ نہ تھا آپ نے اپنے ساتھی علماء و مشائخ سے فوراً فقہ حنفی کے عین مطابق تعزیراتی نظام رائج کروایا اور حضرت شاہ ہمدان نے بادشاہ سے کہہ کر چند دنوں میں اسلامی نظام نافذ کروایا۔ حضرت شاہ ہمدان نے کشمیری معاشرے کے تمام پہلوؤں کی تطہیر اپنی نگرانی میں کروائی تمام عدالتوں میں اپنے ساتھی جو اس وقت کے شیخ تھے کو بطور قاضی مقرر کروایا تا کہ مسلمان کا فیصلہ قرآن و سنت کی روشنی میں ہو سکے انہوں نے باقاعدہ عدلیہ اور انتظامیہ جو کسی ملک کے اہم ستون ہوتے ہیں ان میں ضابطے طے کروائے اور سلطان سے اس بات کی سفارش کروائی کہ وہ ذمہ دار سرکاری عہدوں پر دیانت دار مسلمانوں کو تعینات کرے تا کہ مسلمانوں کے ساتھ زیادتی نہ ہو۔ حضرت شاہ ہمدان کی آمد سے قبل کشمیری معاشرہ کئی برائیوں کی آماجگاہ بن چکا تھا آپ نے جب اصلاح احوال کا جائزہ لیا تو زنا کاری، قمار بازی اور شراب نوشی چند دنوں میں رک گئی اس عظیم انقلاب کو دیکھ کر غیر مسلموں نے اسلام قبول کرنا شروع کیا۔

حضرت شاہ ہمدان ایک سچا جذبہ لے کر کشمیر آئے تھے وہ حکومت یا اقتدار کے خواہش مند نہ تھے بلکہ ایسی سر زمین چاہتے تھے جہاں اسلام نافذ کر کے خلافت راشدہ اور عہد نبوی ﷺ کے دور کی یاد تازہ ہو وہ صرف

وعظ و نصیحت کے ذریعے اسلام نافذ نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ اسلامی اقتدار پر عمل کرانے کے خواہش مند تھے اس لیئے ان کو سلطان شہاب الدین جیسا حکمران میسر آیا جو ان کے کسی حکم کی سرتابی نہیں کرتا تھا آپ نے کشمیر کی سرزمین پر قدم رکھنے سے پہلے بتا دیا تھا کہ ان کو کسی اقتدار کی لالچ نہیں ہے اقتدار بے شک تمہارا ہو لیکن اس میں قانون اللہ اور اسکے رسول ﷺ کا ہوگا۔ اور میری خواہش ہے کہ اس کا نفاذ اپنی آنکھوں سے دیکھوں اس عظیم تحریک میں سلطان شہاب الدین نے آپ کا پورا ساتھ دیا اسلامی قانون کے نفاذ کے ساتھ حضرت شاہ ہمدان نے کشمیر کے تاجروں اور صنعت کاروں کے اندر جذبہ پیدا کیا کہ وہ گراں فروشی نہ کریں تجارت کو اسلامی اصولوں کے مطابق چلا کر انہوں نے بڑے بڑے تاجروں اور جاگیرداروں اور زمینداروں میں تحریک کی کہ وہ مساوات پر عمل کرتے ہوئے تمام ارضیات اپنے اپنے کاشتکاروں میں تقسیم کر دی تا کہ کشمیر میں معاشی ناہمواری نہ ہو حضرت شاہ ہمدان کی تشریف آوری سے قبل کشمیری معاشرہ دو طبقوں میں منقسم تھا ایک امیر اور دوسرا غریب جو امیر تھا وہ امیر تر تھا اور جو غریب تھا غریب تر تھا وہ نان جویں کا محتاج تھا آپ نے معاشی ناہمواری دور کرنے کے لیئے عملاً کوشش کی اس کے ساتھ ہی اسلامی نظام عشر و زکوٰۃ نافذ کروایا تا کہ غرباء اور مسکین کی سرکاری طور پر مدد کی جا سکے اس نظام کے ذریعے غرباء اور فاقہ کشوں کا مسئلہ ختم ہو گیا کیونکہ محتاجوں کو ماہوار امداد ملنے لگی اس طرح گداگری کا خاتمہ ہو گیا۔

تعلیمی خدمات:

ان اہم معاملات کے ساتھ حضرت شاہ ہمدان نے سب سے زیادہ توجہ اس طرف دی ملک کے کونے کونے میں مساجد تعمیر کروائیں ان میں آئمہ کرام کو مقرر کروایا تا کہ لوگوں کو نماز پڑھوانے کے علاوہ لوگوں کو انکے بچوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کریں حضرت شاہ ہمدان کے ہمراہ سینکڑوں علماء کرام کی جو جماعت تھی ان میں خطیب، مفسر اور فقہا بھی تھے اس کے علاوہ حافظ اور قاری بھی تھے خطاط اور ماہرین تعلیم

بھی تھے آپ نے ہر فرد کو اسکی اہلیت کے مطابق ذمہ داری تفویض کی جس قدر علماء حضرات تھے ان کو درسگاہوں میں متعین کیا تاکہ ملک میں پڑھے لکھے جوان تیار کیئے جائیں تاکہ لوگوں کے دینی مسائل حل کر سکیں جس قدر فقہا حضرات تھے ان کو عدالتوں میں قاضی مقرر کروایا انہوں نے خطیبوں کو یہ خدمت سونپی کہ دور دراز کے لوگوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کریں قراء حضرات اور حفاظ کرام کو قرآنی تعلیم عام کرنے پر زور دیا اور مساجد کی امامت ان کے سپرد کی تاکہ یہ لوگوں کو صوم وصلوٰۃ کا پابند بنائیں اور مساجد میں بچوں اور بوڑھوں اور جوانوں کو قرآن کی تعلیم دیں۔ ماہرین تعلیم کے ذمہ یہ خدمت تھی کہ وہ طلباء کو دینی اور دنیاوی تعلیم سے آراستہ کریں اور درسگاہیں قائم کریں چونکہ یہ سارے لوگ باہر سے تشریف لائے تھے اس لیئے ان کی زبان فارسی تھی کیونکہ اس زمانے میں پریس کا اہتمام نہیں تھا قرآن کریم اور درسی کتب ہاتھوں سے لکھی جاتی تھیں۔

غرض یہ کہ حضرت شاہ ہمدان نے کشمیر اور شمالی علاقہ جات مظفر آباد، پونچھ، راجوری، میر پور، گلگت وغیرہ میں ایک عظیم دینی انقلاب برپا کر دیا۔ کشمیر کے مسلمان بادشاہ سلطان شہاب الدین غوری نے اس دینی تحریک کے لیئے اپنے آپ کو وقف کر دیا خود حضرت شاہ ہمدان کا قیام سری نگر میں تھا مگر آپ کے عظیم المرتبت ساتھی اور کشمیر اور شمالی علاقہ جات جو کہ اس وقت کشمیر کا حصہ تھے میں گاؤں گاؤں پھر پھر کر خدمات سرانجام دے رہے تھے اور یہ بات تاریخی اہمیت کی حامل ہے کہ شاہ ہمدان اور ان کے مبلغ ساتھیوں نے ساتھ ساتھ کشمیر اور اس کے ملحقات میں فارسی اور فارسی ادب کے لیئے گراں قدر خدمات سرانجام دیں حضرت شاہ ہمدان کی آمد سے قبل نوشت خواند کشمیری زبان میں تھی مگر آپ کے ساتھیوں نے یہاں لوگوں کو فارسی زبان میں تعلیم دی اور عملی طور پر اس کا نفاذ بھی کیا حضرت شاہ ہمدان کی تحریک احیاء دین صرف زبانی کلامی نہ تھی بلکہ انہوں نے بادشاہ کے تعاون سے اسلام کے لیئے عملاً کام کیا اس انداز سے صرف اڑھائی سال کے عرصے میں زندگی کے تمام شعبوں میں اسلام نافذ ہو گیا سینکڑوں مساجد تعمیر ہوئیں سینکڑوں دینی

مدارس قائم کئے گئے وہ کشمیری جو برائے نام مسلمان تھے اسلام کا کامل اور اکمل نمونہ ہو گئے کشمیری مسلمانوں کو دین اسلام کے ساتھ ایک محبت قائم ہو گئی ان کے دل میں شاہ ہمدان کے ساتھ ایسی محبت ہو گئی کہ روزانہ ہزاروں مسلمان آپ کی نصیحت اور وعظ سننے کے لیئے جمع ہو جاتے جب حضرت والا پر سوز انداز میں خطاب فرماتے تو لوگوں کے ایمان تازہ ہو جاتے آپ نے اقامت گاہ کے لیئے محلہ علاؤ الدین پوری سری نگر میں دریائے جہلم کے کنارے ایک جگہ پسند فرمائی یہ جگہ نہ صرف چلہ گاہ اور باجماعت نماز کے لیئے موزوں تھی بلکہ آپ عبادت اور چلہ کشی بھی کرتے تھے اور چند ہی دنوں میں یہ مقام ایسا دینی اور روحانی مرکز بن گیا کہ چاروں طرف سے مسلمان رشد و ہدایت پر نثار ہونے لگے۔ حضرت شاہ ہمدان کے پاس ختلان میں ایک دینی کتب خانہ تھا جو آپ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ جب تشریف لائے تھے تو یہ کتب خانہ بھی اسی مرکز میں جمع کر دیا تھا یہی مقام اب سری نگر میں خانقاہ معلیٰ کے نام سے مشہور ہے اور یہاں حضرت شاہ ہمدان کی یادگار کے طور پر ایک عالیشان مسجد ہے اور یہ مقام بعد کی صدیوں میں دین اسلام کا عظیم مرکز بن گیا۔ (۳۳)

حضرت شاہ ہمدان کی تاریخ ولادت "نزہت والخواطر"، "طائف الابرار و تاریخ" حسن کے مطابق ۱۲رجب المرجب ۷۱۴ھ ۱۲ اکتوبر ۱۳۱۴ء ہے ۱۳۷۲ء میں جب آپ کشمیر تشریف لائے اور چار ماہ گزرے۔ دوسری بار ۱۳۷۹ء میں کشمیر تشریف لائے اڑھائی سال گزرے تیسری اور آخری بار ۱۳۸۳ء میں کشمیر تشریف لائے سلطان شہاب الدین کا عہد حکومت ۱۳۶۰ء بمطابق ۷۶۱ھ تا ۱۳۷۸ء بمطابق ۷۸۰ھ تھا گویا شاہ ہمدان پہلی دفعہ تشریف لائے تو سلطان شہاب الدین کی حکومت تھی اور چار ماہ قیام کیا اور واپس چلے گئے دوسری بار تشریف لائے اور یہاں سلطان قطب الدین کی حکومت تھی اس مرتبہ آپ نے اڑھائی سال قیام کیا اسی سال سات سو علماء آپ کے ہمراہ تھے۔ (۳۴) موقع محل کی مناسبت سے سلطان شہاب الدین کے حالات کا تذکرہ کیا جاتا ہے تا کہ اس دور کی معاشرتی حالات کا اندازہ کیا جا سکے۔

سلطان شہاب الدین :

ایام حکومت ۱۸ سال ۳ ماہ ۱۳۶۰ء تا ۱۳۷۸ء مطابق ۷۸۰ھ تا ۱۳۰۶ء میں سلطان علاؤ الدین کا بڑا بیٹا شہاب الدین تخت خلافت پر متمکن ہوا اور داد و دہش میں مصروف تھا ہاتف غیب میں ہر سال جلوس برگو شہنشاہ نامی ۷۶۱ء۔ (۳۵)

چونکہ شہاب الدین سلطان شمس الدین کے دوسرے بیٹے کا لڑکا تھا اس لیئے اسے آئین ملک کے تخت تاج پوشی کا کوئی حق نہ تھا لیکن واقعات کا سلسلہ کچھ اس طرح ہوا کہ سلطان علاؤ الدین اپنے بھائی جمشید کو معزول کر کے حکومت ملک پر قابض ہو گیا جس سے حکومت شہاب الدین کے ہاتھ لگ گئی اس کی نسبت روایت ہے کہ بچپن کے ایام میں ایک دن سلطان شہاب الدین شکار کھیلنے کے لیئے باہر گیا اثنائے شکار اس نے اپنا گھوڑا کسی شکار کے پیچھے دوڑایا جوش جوانی میں اس قدر آگے نکل گیا کہ اپنے تمام ہمرائیوں سے جدا ہو گیا صرف رائے شیر دل جھنڈا اور اختر جی جو قدم بقدم اس کے ساتھ چلے آرہے تھے اس دور دھوپ سے سلطان شہاب الدین پیاس کی شدت سے ادھر اُدھر بھٹک رہا تھا کہ ناگاہ ایک عارفہ دودھ کا پیالہ ہاتھ میں لے کر نکل آئی شہاب الدین نے اس کو عنایت ایزدی سمجھا پیالہ لے کر اس بقدر اشتہا پیا اور باقی ماندہ جھنڈا کو دے دیا جو اس سے بچ گیا تھا وہ رائے شیر دل نے نوش کر لیا اور اختر جی کے لئے کچھ نہ بچا پیالہ اس عارفہ نے واپس لے کر کہا شہاب الدین تو ایک اولوالعزم بادشاہ بنے گا جھنڈا اور رائے شیر دل علی الترتیب وزیر سپہ سالار بنیں گے مگر تشنہ لب اختر جی کا صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہوگا اور جلد ہی مر جائے گا۔ جب یہ لوگ شکار سے واپس آئے تو آتے ہی اختر جی جلد ہی مر گئے جس سے عورت کی پیشن گوئی کا یقین ہو گیا اب جبکہ نصیب نے یاوری کی تو شہاب الدین سلطان بن گئے اس نے جھنڈا کو سپہ سالار اور رائے شیر دل کو وزیر بنا لیا عارفہ کی پیشن گوئی سچ ثابت ہو گئی ان تینوں نے حکومت ملک پر تسلط پا کر انتظامی مملکت کے لیئے پوری کوشش کی مہمات ملکی بڑی دانشمندی اور قابلیت سے سرانجام دینے لگے ذالقدر خان کے وقت سے ملک میں بدانتظامی

اورابتری پھیلی ہوئی تھی اکثر جاگیرداراورعلاقہ دار چند قریوں اور قصبوں پر دست تسلط جما کر بعض تو بالکل خود مختار بن بیٹھے تھے بعض نذرانہ یارقم وتحائف دیا کرتے تھے شہاب الدین نے اول تو سرکشوں کی گوشمالی کر کے انہیں مطیع کیا پھر ملک میں انتظام کی طرف متوجہ ہوا تمام صوبہ کشمیر میں علاقہ بندی کروا کر کے خراج کے لیئے مناسب قواعد جاری کیئے۔ جب ادھر سے فراغت پائی تو جہانگیری کے لیئے آمادہ ہوگیا بے شمار فوج آراستہ کر کے اس نے سرتاج الدین کے بیٹے سید حسن کو ہراول فوج مقرر کیا اور بارہ مولا کے راستے نکل کھڑا ہوا پکھلی ،سوادکز ،باجوڑ اور علاقہ قومہ گکھڑ تسخیر کر کے کابل پہنچا دھان کا حاکم سلطان احمد خان اپنی فوج آراستہ کر کے مقابلے کے لیئے نکلا لیکن خون ریز لڑائی کے بعد بھاگ نکلا سید حسن نے اس کا تعاقب کر کے اس کو گرفتار کرلیا آٹھ ماہ سید احمد خان قید میں رہا آخر سید تاج الدین کی سفارش سے رہا ہوا سلطان شہاب الدین نے اس کا ملک واپس کر کے اس ملک کی حکومت اسکے سپرد کردی رابطہ قائم کرنے کے لیئے اسنے اپنی ہمشیرہ اسکے عقد میں دے دی اوراس کی بہن سے شادی کرلی کابل فتح کرنے کے بعد اس نے بدخشاں کا رخ کیا بدخشانی ،غزنی بورو برات فتح کرتا ہوا امان پہنچ گیا آخر کاران اطراف کے اکثر مما لک کو قبضے میں لاکر ہندوکش کے راستے کشمیر کی طرف مراجعت کی لیکن راستے میں گلگت اور دارستان کے علاقوں نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرلی سلطان نے ان علاقوں کو بھی فتح کرلیا اس زمانے میں تبت کاشغر کے قبضے میں تھا والی کاشغر نے اس کے لیئے بہت بڑی فوج جمع کی اس کو بھی فتح کر کے شہاب الدین خوشی کے شادیانے بجاتا ہوا کشمیر پہنچا یہاں پہنچ کر بھی اس نے بہادروں کو دم نہ لینے دیا تو اس نے اپنے سپہ سالاروں کو کشمیر کی تسخیر پر مامور کیا چنانچہ ۷۷۳ھ میں پچاس ہزار سوار اور پانچ لاکھ پیادہ فوج لے کر بارہ مولا کے راستے نکل کھڑا ہوا یوسف زئیوں کا علاقہ سوات باجوڑ اور پشاور فتح کر کے اسکو خبر ملی شاہان دہلی کی بدانتظامی نے ملک پنجاب میں شور وفساد برپا کررکھا ہے ان سے فائدہ اٹھا کر پہلے تو اس نے لاہور اور ملتان پر حملہ کیا ان علاقوں کو فتح کرلیا تقریباً تمام پنجاب کو روندتا ہوا جب دریائے ستلج کے کنارے پر پہنچا فیروز شاہ کی فوج جو اس کے

مقابلے کے لیئے آئی تھی اس سے مقابلہ ہوا خاندان تغلق کی فوج پہلے ہی بوسیدہ ہو چکی تھی بادشاہ دہلی شہاب الدین کا مقابلہ نہ کر سکا اس شش و پنج میں تھا کہ امیر کبیر علی ہمدانی درمیاں آ گئے انہوں نے شہاب الدین کو صلح کا حکم دیا اور راسخ العقیدہ حکمران نے ان کی بات تسلیم کر لی چنانچہ اس وقت ۷۷۵ھ میں صلح نامہ قرار پایا کہ سرہند سے کشمیر تک کا علاقہ سلطان شہاب الدین کے تصرف میں رہے گا اور باقی تمام ممالک فیروز شاہ کے دست بازو میں رہیگا۔ اس کے علاوہ فیروز شاہ کی تین لڑکیاں سلطان کے آدمیوں سے منسوب یعنی ایک اس کے لڑکے حسن خان اور دوسری سلطان کے بھائی قطب الدین سے تیسری سلطان کے بھائی سید حسین بہادر سے جس تمام جھگڑوں کا فیصلہ ہو گیا اور سلطان نے ممالک مقبوضہ کا خاطر خواہ انتظام کر کے کشمیر کی طرف فراجعت اختیار کی سلطان شہاب الدین نے ربط و ضبط ملک اور دیگر امورات جہانیانی میں اپنی نظیر آپ تھا چنانچہ اس کا زمانہ حسن انتظام کے لحاظ سے قابل رشک خیال کیا جاتا ہے شجاعت و جوانمردی اس کی فتوحات سے اور بلند خیالی اور عالی دماغی مفتوحوں اور مظلوموں کے ساتھ حسن سلوک کرنے میں خوب عیاں ہے جن ملکوں اور علاقوں کو فتح کیا اور پھر ان کے وارثوں اور حاکموں کے حوالے کر دیا جس سے اس کا نام عالم روشن ستاروں کی طرح چمک اٹھا فیروز شاہ سے صلح کے بعد شہاب الدین نے مستقل طور پر کشمیر میں سکونت اختیار کی اور یہ آبائی ملک اور بہبود آبادی کی طرف متوجہ ہوا اس کے عہد میں شہاب الدین پورہ جو اب شہام پورہ کے نام سے مشہور ہے جسکی بنیاد اس نے اپنے دادا سلطان شمس الدین کے عہد میں رکھی تھی کمال وسعت اور رونق حاصل ہوئی تھی بلکہ بجائے سری نگر کے وہاں دار الصدر میں مقرر ہو گیا اس میں اس نے ایک عالیشان مسجد تعمیر کروائی جسکے آثار آج بھی شہاب الدین کی شان و شوکت کی گواہی دیتے ہیں فوجیوں کے لیئے ایک ہزار بارکیں تعمیر کروائیں ملک کو امن و امان اور فارغ والبالی اور خوشحالی سے منور کر دیا اسلام کی خداداد ترقی دیکھ کر بعض برہمنوں اور خصوصاً مندروں کے پجاریوں کو جب نذر نیاز کے بند ہونے سے آمدنی کم ہونے لگی تو انہوں نے مسلمانوں کے خلاف آگ بھڑکانا شروع کر دی ہندو مرنے مارنے پر تیار ہو گئے کئی جگہ سے جب

فتنوں اور خبروں کی افوائیں اڑنے لگیں تو سلطان نے اس کا استحصال پولیٹیکل طور پر ضروری سمجھا کئی پرانے مندر جہاں مفسد پناہ لیتے تھے مسمار اور منہدم کردیئے ابھی یہ فتنہ فرو نہیں ہوا تھا کہ سلطان نے اپنی سندھی بیگم کی بھانجی لاہبہ سے نکاح کرلیا جس سے اس کی سندھی بیگم ناراض ہو کر چلی گئی سلطان نے اپنے بیٹوں حسن خان اور علی خان جو سندھی بیگم کے بطن سے تھے ان کو کشمیر سے باہر نکال دیا ۷۷۷ھ طوفانی سیلاب آیا جس نے کشمیر میں تباہی مچادی تقریباً دس ہزار افراد سیلاب کی نذر ہو گئے ہندوؤں شورش، بیگم کی ناراضگی ابھی ختم نہیں ہوئی تھی سلطان کے تازہ صدمے نے اُس کو بیمار کردیا سلطان نے آثار مرگ دیکھ کر اپنے بیٹے کو کشمیر واپس بلوالیا لیکن اس کا بیٹا ابھی راستے میں تھا کہ اس کے باپ نے آثار مرگ دیکھ کر اپنے ہنڈال المعروف قطب الدین کو اپنا جانشین مقرر کرلیا اور اس دنیا سے رحلت فرما گیا، تاریخ وفات دربا کشمیریوں رخصت بست، شہاب ودگر قطب جانشین نشست دربار کشمیر (شہاب) قطب ۷۸۰ھ محلّہ بلدیم میں اس کا مقبرہ بنا جس پر ایک رنگین گنبد بھی بنایا گیا البتہ سلطان زین العابدین کے مقبرہ سے تیس قدم کے فاصلے پر اب بھی اس قبر کے نشانات ملتے ہیں مہاراجہ زنبیر سنگھ کے عہد میں پرتاب سنگھ نامی ایک سردار نے اس کی مرمت کروائی اب پھر خستہ حال ہو رہا ہے۔(۳۶)

سلطان قطب الدین :

ایام حکومت ۱۳۷۸ء تا ۱۳۹۴ء بمطابق ۷۸۰ھ تا ۷۹۶ھ۔(۳۷)

۱۳۷۸ء میں سلطان قطب الدین نے سر پر سلطنت کو زیور عدل اور انصاف سے زینت بخشی اس نے شہر سری نگر محلّہ قطب الدین آباد کیا اور اپنا پایہ تخت شاہ شہاب الدین پورہ سے تبدیل خود وہیں آ گیا یہاں اس نے عالیشان عمارتیں اور محل تعمیر کروائے۔ یہ بادشاہ بڑا عادل منصف مزاج اور رعایا پرور تھا اگرچہ اپنے مذہب کا بڑا پابند تھا لیکن تعصب سے کوسوں دور بھاگتا تھا تمام مذاہب اور تمام اقوام کو ایک نظر دیکھتا تھا علم

دوست بھی اول درجے کا تھا طبع موزوں رکھتا تھا بلکہ شاعرانہ مذاق کا مادہ بھی اس میں اعلیٰ درجے کا تھا۔ سلطان قطب الدین نے مفسدوں اور فتنہ پروروں کا انسداد بھی اچھے طریقے سے کیا جب حاکم لوٹر کوٹ نے لوائے بغاوت کھڑا کیا تو اس نے فوج قاہرہ بھجوا کر اس کی خوب گوشمالی کی حاکم لوٹر کوٹ لڑائی میں مارا گیا اور اس کی فوج نے اس علاقے میں اپنا تسلط جما لیا سلطان مرحوم کا بیٹا جو باپ کی طلبی پر کشمیر آ رہا تھا شہاب الدین کی وفات کے بعد اپنے چچا قطب الدین کے دربار میں حاضر ہو گیا جس نے اس کو بھی امور ملک میں شامل کر دیا لیکن کچھ عرصہ بعد مخالفوں کی فتنہ انگیزی نے اس کو بدگمان کر دیا یہاں تک بادشاہ نے اس کی گرفتاری کا حکم دیا لیکن حسن خان نے اپنے باپ کے وزیر شیر دل کے ذریعے عین وقت پر خبر پالی اور وزیر مخالفوں کے مشورے سے بھاگ کر قطب الدین مخالفوں کے پاس لوٹر کوٹ واپس چلا گیا جب وزیر کی کارستانی کی اطلاع بادشاہ کو ہوئی تو وہ سخت ناراض ہوا اور شیر دل کو گرفتار کر لیا دونوں نے حاکم لوٹر کوٹ کو سلطان کے خلاف تیار کیا مگر موقع پا کر ایک زمیندار نے دونوں کو گرفتار کر لیا اور سلطان کے پاس لے گئے سلطان نے شیر دل کو قتل کر دیا اور حسن خان کو قید کر لیا سلطان کے جلوس کے دوسرے سال ۷۸۱ھ میں امیر کبیر سیّد علی ہمدانی کشمیر تشریف لائے قطب الدین جو اپنے بھائی سلطان شہاب الدین کے دور اقتدار میں بھی انکی خدمت گزاری پر معمور رہ چکا تھا کمال حسن عقیدت سے پیش آیا محلہ لب دریا میں ایک عبادت خانہ آپ کے لیئے تیار کیا گیا تھا آپ کے ہمراہ بھی سلطان امیر کبیر اور سلطان کے وزیر زندگی بسر کرنے لگے قطب الدین ان کی صحبت سے مستفید ہوا کرتا تھا آپ کے حکم کی بجا آوری خادم کے طور پر لاتا تھا اسکے عقد میں دو سگی بہنیں تھیں جب شاہ ہمدان نے اس کو بتایا کہ ایسا کرنا ممنوع ہے تو اس نے ایک بہن کو طلاق دے دی حضرت شاہ ہمدان اس موقع پر بڑی شفقت فرماتے تھے انہوں نے سلطان کو ایک کلہ تبرکاً دے دیا جو سلطان ہمیشہ اپنے تاج میں رکھتا تھا اس کی اولاد نے بھی ایسا ہی کیا یہاں تک کہ آخر سلطان یہ کلہ مبارک اپنے ساتھ لے گیا جس پر مولوی محمد صاحب نے جو اس زمانے میں مشائخ دین کے سرحلقہ تھے فرماتے ہیں۔

تاج شاہی از سر شاہان کشمیر برافتاء

وسرداری آنہمہ ادبر نگو نساری نہاد

چنانچہ ایسا ہی ہوا اسی دن سے حکومت میں ضعف آنا شروع ہو گیا تیسری مرتبہ ۷۸۵ھ میں ورد مسعود فرمایا کچھ عرصہ قیام کے بعد بغرض حج وعمرہ روانہ ہوئے اور آپ نے راستہ میں ہی وصال فرمایا اکثر سادات جو آج کشمیر میں پائے جاتے ہیں اسی زمانے میں شاہ ہمدان کے ہمرکاب پا پیش وارد خطہ ہوا کرتے تھے انہوں نے بھی یہاں کی رہائش اختیار کی اس کے علاوہ ہزاروں کشمیری جو حضرت امیر کبیر علی ہمدانیؒ کے دست بیعت سے مشرف با اسلام ہوئے چنانچہ اسلام نے باوجود سلطان کے بے تعصبی کے پورا تسلط جمالیا۔(۳۸)

مکمل تاریخ از محمد دین فوق ص 325 تا 334۔

☆☆☆

حوالہ جات

نمبر شمار **تفصیلات**

۱۔ ضیاء حرم ماہنامہ، جمادی الاول 1406ھ رجنوری 1986ء لاہور مضمون خاص خصاص سلسلہ قادریہ محمد نذیر رانجھا ص 45.

۲۔ تواریخ آئینہ تصوف، محمد حسن قصور مکتبہ صابریہ 1971 ص 48

۳۔ شجرہ قادریہ رشیدیہ مرتبہ شیخ مودود احمد فاروقی القادری کراچی ۔ رنگین پریس 1967 ص 1

۴۔ تواریخ آئینہ تصوف، بحوالا بالا ص 81

۵۔ ایضاً، ص 82

۶۔ ایضاً،ص103

۷۔ ایضاً،ص109 .

۸۔ ایضاً،ص104

۹۔ تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ رضوی عبد المجتبیٰ مولانا لاہور کشمیر انٹرنیشنل پبلیشرز، 1989 ،ص291۔

۱۰۔ انوار رحمانیہ فی الطریقۃ القادریہ الکلنز انیہ محم السید کسنزانی بغداد مکتبہ الوطنیہ 1988، ص 662،

۱۱۔ بابا تاج الدین اولیاء محمد فاروق سید مولانا، کراچی قلمی مضمون 1983ء صفحہ 4

۱۲۔ احوال العارفین، غلام فرید، حافظ، لاہور نذیر پبلشرز 1979،ص394۔

۱۳ تذکرہ اولیاء پاک و ہند ظہور الحسن شارب ڈاکٹر لاہور الفیصل پبلشنگ کمپنی 1965،ص 394۔

۱۴۔ تذکرہ مشائخ قادریہ، قادریہ محمد دین کلیم لاہور مکتبہ نبویہ 1975،ص182۔

۱۵۔ ایضاً،ص39۔

۱۶۔ ایضاً،ص72۔

۱۷۔ ایضاً،ص67۔

۱۸۔ ایضاً،ص67۔

۱۹۔ ماہنامہ حق گو قصور مارچ 2001،حق گو پبلشرز لاہور۔

۲۰۔ تاریخ آئینہ تصوف محولا بالا ص28۔

۲۱۔ ''بزرگان قادریہ''، ناصر الدین ڈاکٹر پروفیسر صدیقی اسلامک فاؤنڈیشن آف پاکستان، 1989 ص ۲۵

۲۲۔ ماہنامہ عزیمت شاہ، شمارہ اکتوبر ۱۹۹۳، آزاد محمود سید نظامت اوقاف مظفر آباد، ص ۳۳

۲۳۔ صوفیائے کشمیر، بخاری یوسف ڈاکٹر۔ سیّد۔ ص ۵

۲۴۔ اولیاء کشمیر، محمد طیب حسین پیرزادہ نذیر سنز پبلی کیشنز ۴۰ اردو بازار لاہور سن طباعت ۔نومبر 1993 ص ۱۰

۲۵۔ ایضاً، ص ۱۵

۲۶۔ تذکرہ اولیاء کشمیر، از محمود سید ناشر نظامت اوقاف آزاد حکومت ریاست جموں و کشمیر 1993۔ص ۲۳

۲۷۔ اولیاء کشمیر، محمد طیب حسین پیرزادہ نذیر پبلی کیشنز اردو بازار لاہور۔ص ۱۱

۲۸۔ اولیاء کشمیر، ایضاً۔ص ۱۳

۲۹۔ تذکرہ اولیاء کشمیر، ایضاً محمود سید ایضاً ص 20.21.22۔

۳۰۔ تذکرہ اولیاء کشمیر، ایضاً ص 27.26

۳۱۔ تذکرہ اولیاء کشمیر، ایضاً ص 38.37

۳۲۔ عالم تصوف اور کشمیر، بخاری محمد یوسف ۔ڈاکٹر ۔سید ،ناشر کلیم یوسف ،فہیم یوسف 154 اے، میکلورڈ روڈ لاہور۔

۳۳۔ مکمل تاریخ کشمیر، فوق محمد دین ناشر ویری ناگ پبلیشرز میر پور آزاد کشمیر 2001

۳۴۔ تاریخ کشمیر، محمود آزد سید ناشر سادات پریس اپر چھتر مظفر آباد۔

۳۵۔ مکمل تاریخ کشمیر، ص 327.326

۳۶۔ مکمل تاریخ کشمیر ،ص 330.329

۳۷۔ مکمل تاریخ کشمیر ،ص 334.333

۳۸۔ مکمل تاریخ کشمیر ،ص 336.335

☆☆☆

باب پنجم

ممتاز بزرگان قادریہ کے حکمرانوں سے روابط اور اثرات:

یہ ایک اٹل حقیقت ہے اولیاء کاملین امراء وزراء سے میل جول کو باعث فخر نہیں سمجھتے تھے نہ ہی ان کے لیئے یہ کوئی اعجاز تھا اور نہ ہی انہیں اس چیز کی ضرورت تھی کیونکہ یہ مقبولین بارگاہ الٰہی اپنے منصب کو کسی بادشاہ سے کم نہ جانتے تھے کیونکہ یہ سمجھتے تھے جس رب عزوجل کی اطاعت کے لیئے انہوں نے اپنی زندگی وقف کی ہوئی ہے جس مالک قدوس کی حمد وثناء ان کا اوڑھنا بچھونا ہے سارے ملک اور ساری بادشاہتیں اسی کی ہیں اگر بندہ اسکی اطاعت درست طریقے سے کرلے تو ساری بادشاہتیں اس کے قبضے میں ہو جاتیں ہیں کیونکہ وہ بادشاہوں کا بادشاہ ہے اس لیئے صوفیاء کی ہرگز تمنا یہ نہ رہی کہ حکمرانوں سے ان کے تعلقات مستحکم ہوں بلکہ حکمران اس بات کی ضرورت محسوس کرتے رہے کہ ان مقبولان بارگاہ سے رابطہ رکھا جائے یہی صورت حال کشمیر میں رہی لیکن دنیا اسلام کی طرح کشمیر میں بھی اولیاء عظام صوفیاء کرام کے ذریعے دین اسلام کی اشاعت ہوئی یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ دین اسلام آقاء دو جہان حضرت محمد ﷺ لے کر مبعوث ہوئے اور اسکے سب سے پہلے مبلغ بھی آپ ہی تھے اور آپ کے بعد آپ کے صحابہ نے اس کو کونے کونے تک پہنچایا پھر تابعین نے اس مشن کو جاری رکھا اور اس کے بعد علماء تحقیقی پہلوؤں میں مصروف ہو گئے انہوں نے اپنی کوششوں سے فقہ کو باقاعدہ فن کا روپ دیا اور اس کے آئے روز کے مسائل کی تحقیق میں مصروف ہو گئے اسی طرح محدثین نے احادیث جمع کی کتب حدیث کی تدوین کی اور وہ اس عمل میں مصروف کار رہے اسماء رجال کی تحقیق بھی ان کا موضوع رہا صحیح، حسن متواتر اور خبر واحد وغیرہ پر تحقیق میں مصروف ہو گئے۔ صوفیاء کرام تبلیغ اور اشاعت دین میں مصروف ہو گئے اور گھر بار چھوڑ کر جہاں کفرستان دیکھا جا کر ڈیرے ڈال دیئے یہ اللہ کے شیر نہ کسی بادشاہ کے رعب اور ہیبت سے خوفزدہ ہوئے تو نہ کسی کی جنگی طاقت سے خوفزدہ

ہوئے الغرض یہ درویش اپنے باطن میں اپنے رب کریم کی محبت کا چراغ جلائے کفر کی تاریکیوں سے ٹکرا گئے اور معرفت خداوندی کے ایسے چراغ روشن کیئے جو رہتی دنیا تک یاد رکھے جائیں گے جہاں صحابہ اور تابعین نے کام چھوڑا تھا انہوں نے اسی کو لیا اور دنیا کے کونے کونے تک پھیل گئے ۔ بے شمار اولیاء کرام ہیں جن کا وطن ہندوستان نہیں تھا لیکن خالص اشاعت دین کا جذبہ لے کر ہندوستان میں وارد ہوئے جن میں حضرت داتا علی ہجویری، حضرت معین الدین چشتی اور سید علی ہمدانی کی خدمات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں انکی کاوشوں سے آج ہندوستان میں تین اسلامی ریاستیں (ملک) پاکستان، بنگلہ دیش، کشمیر کے علاوہ بھارت میں پندرہ کروڑ مسلمان آباد ہیں۔

اور کشمیر میں اسلام کی دھوم اس وقت مچی جب یہاں حضرت عبدالرحمٰن عرف بلبل شاہ کے دست اقدس پر یہاں کے بادشاہ رنچین شاہ نے اسلام قبول کیا اور اس کا نام آپ نے صدرالدین رکھا جو سلطان صدرالدین کے نام سے کشمیر کا پہلا مسلمان حکمران بنا جس نے اسلام کو سرکاری مذہب کے طور پر پوری وادی میں نافذ کیا ورنہ پوری وادی میں ہندو ہی تھے آپ کا زہد و تقویٰ عبادت و ریاضت اور اسلام کے سنہری اصول دیکھ کر بے شمار غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا اگرچہ اس سے پہلے یہاں کچھ مسلمانوں نے تبلیغی سرگرمیاں جاری رکھی لیکن اسلام کو اصل طاقت آپ کے وجود پاک سے ہی نصیب ہوئی حقیقت ہی یہ ہے کہ اسلام کی شمع کشمیر میں آپ نے ہی روشن کی۔

حضرت بلبل شاہ 725 ھ میں کشمیر میں داخل ہوئے اس وقت یہاں راجہ سہدیو کی حکومت تھی اور آپ کی تاریخ وصال 737 گویا بارہ (۱۲) برس آپ نے خطہ کشمیر کو عطا کیئے اور بارہ برسوں میں ہزاروں ہندوؤں کو مسلمان کیا حکمرانوں سے تعلقات کی کیفیت یہ تھی کہ سلطان صدرالدین آپ سے متاثر ہو کر مسلمان ہوا۔

اثرات :

آپ کی سعی جمیلہ بارہ سالہ تبلیغ دین سے ہزاروں غیر مسلم دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور آپ

کے بعد آپ کے جانشین آپ کے خلفاء اور مریدین نے اس مشن کو جاری ساری رکھا۔

حضرت سید علی همدانی کی آمد:

حضرت سید علی ہمدانی پہلی دفعہ 1372ء میں کشمیر تشریف لائے چار ماہ قیام کیا کشمیر کے حالات کا جائزہ لیا اور پھر حج بیت اللہ کے لیئے تشریف لے گئے ان دنوں کشمیر کی کیفیت آپ کے ذہن میں تھی یہاں حکمران مسلمان تھا مسلمان لوگ بھی تھے مگر ہندوؤں اور مسلمانوں میں کوئی خاص فرق معلوم نہیں ہوتا تھا۔

دوسری بار آمداور اسلامی سلطنت کی بنیاد:

حضرت سید علی ہمدانی دوسری بار سات سال بعد 1379ء میں کشمیر آئے اب آپ پوری تیاری سے آئے تھے آپ کے ہمراہ سات سو جید علماء کرام کی کھیپ تھی جن میں اعلیٰ پائے کے مصنفین، مدرسین، واعظ، خطیب، قاضی، شیخ الحدیث تھے ان میں خطاط اور ماہرین بھی تھے سلطان شہاب الدین آپ کا گرویدہ تھا۔ اس نے آپ کا پرتپاک استقبال کرایا اور اپنے آپ کو خدمت دین کے لیئے وقف کر دیا آپ کے ہر حکم کو تسلیم کیا۔

آپ نے سات سو علماء کو ملک کے کونے کونے میں پھیلا دیا اس دفعہ آپ نے اڑھائی سال کشمیر میں قیام کر کے دین اسلام کی اشاعت و ترویج کی مکمل نگرانی کی اعلیٰ قسم کے مدارس قائم کیئے مساجد کی تعمیر کروائی علم و ہنر کے مرکز بنائے۔ فقہ حنفی کا تعزیراتی نظام مرتب کرا کر ملک میں نافذ کرا دیا گویا ایک اسلامی فلاحی ریاست کا قیام عمل میں لایا حضرت سید علی ہمدانی قادری بزرگوں میں سے تھے اس لیئے آپ کی آمد ہی بزرگان قادریہ کی پہلی آمد تھی۔

تیسری مرتبہ آمد:

آپ 1383ء میں تیسری مرتبہ آئے اور ایک سال قیام کیا اور حج بیت اللہ کے ارادے سے روانہ ہوئے اور واپسی پر 1384 میں آپ نے پکھلی مانسہرہ میں وصال فرمایا۔

حکمرانوں سے تعلقات اور اس کے اثرات:

حکمران آپ کے گرویدہ تھے اور آپ نے کشمیر میں مکمل اسلام نافذ کیا اور اسے مکمل فلاحی اسلامی ریاست بنایا آپ کی کوششوں سے 37000 ہندو مسلمان ہوئے آج پورے کشمیر میں سب سے بڑا مذہب اسلام ہے اور اس کا سہرا آپ کے سر ہے آپ خود بھی بڑے عالم دین تھے اور باکمال صوفی تھے اور بڑے تدبر کے مالک تھے آپ کے تدبر اور آپ کی حکمت عملی کے باعث کشمیر کے کونے کونے تک اسلام کی شمع روشن ہوئی۔ آپ نے کچھ دور سلطان شہاب الدین کے ساتھ گزارہ اور کچھ دور سلطان قطب الدین کے ساتھ گزارہ ہر دو حکمران آپ کے خدمت گزار اور فرمانبردار تھے چونکہ رعایا آپ پر جان قربان کرتی تھی لوگوں کی آپ سے بے حد عقیدت تھی صبح و شام علماء، صوفیاء، شعرا، اہل فکر و دانش اور عوام الناس کا آپکے گرد ہجوم ہوتا تھا اگر یہ کہا جائے کہ جس عظیم مشن کا آغاز آپ کے پیشرو حضرت عبدالرحمٰن عرف بلبل شاہ نے کیا تھا آپ نے اس کی تکمیل کی تو یہ بے جا نہ ہوگا۔(۱)

حضرت پیراں شاہ غازی قلندر کے حکمرانوں سے تعلقات اور اسکے اثرات:

حضرت پیرے شاہ غازی 1080ھ میں پیدا ہوئے آپ کا سلسلہ طریقت قادری تھا آپ سید محمد

امیر بالا کے مرید تھے آپ درویش صفت انسان تھے آپ کو بادشاہوں سے کوئی غرض نہ تھی۔ آپ جنگلوں اور بیابانوں میں عبادت خدا میں مصروف رہتے آپ کا دور بڑا مشکل دور تھا عوام بدحالی کی زندگی بسر کر رہی تھی اقتدار پر انگریز آہستہ آہستہ قبضے کر رہے تھے مغلیہ سلطنت کا زوال شروع ہو گیا تھا۔ حکمران عیاشیوں میں مصروف تھے عوام نان جویں کے لیئے ترس رہے تھے۔

حکمرانوں سے روابط نہ رکھنے کی وجوہات :

کشمیر اور ہندوستان پر یہ وہ وقت تھا جب شعائر اسلامی کو مٹایا جا رہا تھا انگریز فوج آہستہ آہستہ مسلمانوں پر گھیرا تنگ کرتی جا رہی تھی انگریز تجارت کی غرض سے آئے تھے اور آہستہ آہستہ انہوں نے قبضہ کرنا شروع کر دیا تھا ادارے تباہ حال تھے مغلیہ حکمرانوں کی گرفت اتنی کمزور ہو گئی تھی ہر ادارہ بدنظمی کا شکار تھا۔ اداروں کو تباہ برباد کیا جا رہا تھا۔ انگریز اقتدار پر قابض ہوئے تو ان کی زیادہ دشمنی مسلمانوں سے تھی انہوں نے چونکہ حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی اس لیئے وہ انہیں کو اپنا مد مقابل سمجھتے تھے اس لیئے انہوں نے ہر آن مسلمانوں کو پسماندہ اور بے علم اور بے ہنر رکھنے کی پوری پوری کوشش کی۔

حضرت پیراں شاہ غازی کو غازی کہنے کی وجہ:

حضرت پیرے شاہ غازی عالم جوانی میں شوق شہادت سے سرشار ہو کر فوج میں شریک ہوئے کئی جنگوں میں شرکت کی مگر اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا کیونکہ اللہ نے آپ کو ولایت کی منزلیں عطا کرنی تھیں اور مخلوق خدا کی خدمت مقصود تھی اس لیے اللہ نے آپ کو شاید شہادت نہیں دی اس وجہ سے دنیا آپ کو غازی کے نام سے پکارتی تھی یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ ایک درویش صفت انسان تھے حکمران آپ کے دربار میں ضرور حاضر ہوتے ہونگے لیکن آپ کی ان سے کوئی غرض نہ تھی اس لیئے کہیں واضح روابط کے متعلق کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

حضرت میاں محمد بخشؒ نے اپنے مرشد روحانی حضرت پیر پیرے شاہ غازی قلندر کہ ابتدائی حالات نہیں لکھے نہ یہ لکھا کہ حضرت کی ابتدائی زندگی کہاں کہاں گزری اور نہ یہ لکھا کہ انہوں نے علم کن کن بزرگوں سے حاصل کیا اور نہ ہی لکھا کہ آپ کس قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ البتہ میاں صاحب نے بوستان قلندری میں اپنے پیرو مرشد کی کرامات کے باب میں لکھتے ہیں کہ جس زمانے میں ایران کے بادشاہ نادر شاہ نے دلی پر حملہ کر کے بے گناہ مخلوق خدا کا قتل عام کروایا محمد شاہ بادشاہ دہلی کو بھی قتل کرنے کا ارادہ کیا اس زمانے میں حضرت پیرے شاہ غازی قلندر میر پور کے نواحی گاؤں ملوٹ کی ایک پہاڑی پر فروکش تھے ارادت مندوں کا ہجوم ہر وقت آپ کے پاس رہتا تھا اس وجہ سے یہاں پر کافی لوگ جمع تھے حاضرین نے دیکھا کہ فوراً آپ اُٹھ کھڑے ہوئے اور بلند آواز سے فرمایا خبردار خلیفہ کو نہ مارنا اتنا فرمانے کے بعد آپ بیٹھ گئے سارا مجمع متعجب تھا کہ خدا جانے کیا بات ہوئی ہے یا کیا ہونے والا ہے کسی کو برائے راست ان سے معلوم کرنے کی جرات نہ تھی نہ اس دور میں رسل رسائل کا کوئی انتظام تھا۔ جب محمد شاہ دہلوی کی جان نادر شاہ کے ہاتھوں سے بچ گئی اور دہلی کے قتل عام کا چرچا چاروں طرف ہونے لگا تب اس موقع کے ناظرین کو اس بات کا اندازہ ہوا کہ حضرت والا کا وہ پر جلال فرمان بادشاہ دہلی کے لیئے تھا۔ حضرت میاں صاحب لکھتے ہیں کہ اس موقع پر محمد شاہ بادشاہ دہلی کو بھی حضرت والا کا حلیہ نظر آیا اس نے دیکھا کہ ایک پا برہنہ فقیر صورت مرد آگے بڑھا جس نے نادری عتاب سے اسکی جان بچائی کہا جاتا ہے کہ بادشاہ دہلی کو حلیہ یاد تھا جب دہلی سے جنگ ختم ہوئی تو اس نے اس درویش کا پتہ کروایا مدت بعد اس کو آپ کے بارے میں علم ہوا تو وہ حضرت کی ملاقات کے لیئے بڑے سادے اور خفیہ طریقے سے آیا مگر آپ پہاڑوں کی طرف نکل گئے اور ملنا منظور نہ کیا اس بات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی کہ حکمران تو آپ کے دربار میں آتے تھے لیکن آپ ان سے ملاقات نہ فرماتے تھے کیونکہ یہ لوگ دنیا کے طالب تھے اور آپ کا مزاج ان سے نہ ملتا تھا اس وجہ سے شاید حکمران سے آپ کے روابط نہ تھے۔ (۲)

حضرت سید میر حسن گیلانی قادری بدھال شریف تحصیل کھوٹہ ضلع باغ آزاد کشمیر کے حکمرانوں سے تعلقات اور اسکے اثرات:

آپ کے والد محترم حضرت سید میر جی محمد گیلانی قادری تھے اور آپ کی والدہ ماجدہ راجہ شیر باز خان والی سدھروں کی ہمشیرہ تھیں اس لیئے آپ کی پیدائش پرورش اور ظاہری تربیت نوجوانی تک راجہ شیر باز خان راٹھور والئی سدھروں کھوٹہ کے گھر بوجہ ننھیال ہونے کے شاہانہ طور سرانجام پائی۔ شیر خوارگی اور عہد طفولیت میں کئی دایہ اور خدمت گار آپ کے لئے مقرر تھیں راجہ صاحب کی عقیدت اور ادب کا یہ عالم تھا اگر کوئی دایہ آپ کو ان کے سامنے لے جاتیں تو وہ فوراً اٹھ کر کھڑے ہو جاتے حالانکہ ضعیف العمر تھے اور کہتے کہ حضرت محبوب سبحانیؒ کی اولاد ہیں اس ماحول کا یہ اثر تھا کہ آپ کا لباس، غذا، نشست و برخاست گفتار کردار سب راجگانہ اور شاہانہ تھا۔ ابتدائی فیض اپنے والد سے حاصل کیا اور بعد میں حضرت خواجہ حیات صاحب قادری سے جو حضرت پیر احمد قادری نارویلی کے خلیفہ تھے سے خلافت پائی۔ المختصر یہ کہ اس وقت چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں جن میں راجے ہوتے تھے اس طرح راجگان راٹھور بھی تھے وہ چونکہ آپ کے ننھیالی تھے اس لیئے آپ کے روابط ان سے بہت پختہ اور عمدہ تھے آپ کے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے تھے ان کی اس تابعداری سے دین کو بڑی تقویت ملی دین کی ترقی میں آسانیاں پیدا ہوئی آپ کی وفات 1336ھ میں ہوئی اور آپ کے بعد آپ کے بیٹے حضرت شمس الدین بدھالوی سجادہ نشین ہوئے۔

حضرت پیر شمس الدین بدھالوی گیلانی قادری

سجادہ نشین :

آپ 1881ء میں بدھال شریف میں پیدا ہوئے جب آپ کے والد گرامی حضرت پیر سید میر حسن گیلانی قادری بدھالوی کا وصال ہوا تو آپ کی عمر تقریباً ۳۶ برس تھی آپ علوم سے فارغ ہو چکے تھے روحانیت کے اسباق کی بھی تکمیل کر لی تھی آپ نے جب سجادہ نشینی کی ذمہ داریاں سنبھالی تو اللہ نے آپ کو نظر کیمیا عطا کی آپ کا کمال یہ تھا مریض آپ کے چار پائی پر لائے جاتے اور نظر سے ہی ایسا علاج کرتے کہ بسلامت چل کر جاتے اس وجہ سے آپ کی شہرت چار دانگ عالم میں تھی لوگ کشا کشا آپکی طرف آتے ان میں امیر بھی ہوتے غریب بھی مسکین بھی اور بادشاہ بھی آپ ہر ایک کو فیض یاب کرتے۔ آپ کا دور چونکہ آزادی کشمیر کے قریب کا زمانہ تھا اس لیئے سخت شورش کا زمانہ تھا آپ نے دیکھا کہ ہندو سود کے ذریعہ مسلمانوں کو تنگ کر رہے ہیں اور مسلمانوں کی دولت لوٹ رہے ہیں تو آپ نے سود کے خلاف تحریک چلائی اور اسکی ذمہ داری اپنے صاحبزادے اور سجادہ نشین حضرت پیر عزیز الدین گیلانی قادری بدھالوی کو سونپی جنہوں نے دن رات ایک کر کے عوام کو سود کے نقصانات سے آگاہ کیا آپ کا وصال ۱۹۴۴ء میں ہوا اور آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت پیر عزیز الدین شاہ گیلانی قادری نے اس تحریک میں جان ڈال دی آپ چونکہ تحریک آزادی میں بھی صف اول میں تھے اس لیئے آزاد کشمیر حکومت قائم ہونے کے بعد آپ اس حکومت کا حصہ رہے چوہدری غلام عباس اور فتح محمد کریلوی نے آپکی خدمت کو سراہا۔ آپ آزاد کشمیر زکوۃ کونسل کے ممبر تھے۔ زکوۃ کونسل کے اجلاس میں شرکت کے لئے گئے اور راستے میں آپ کا وصال ہوا اور آپ کا وصال ۱۹۸۳ء میں ہوا آپ چونکہ بڑے سیاسی اور سماجی انسان تھے اس لیئے آپ کے جنازے میں ہر قوم کے افراد نے شرکت کی۔ المختصر راجگان راٹھور آپ کے گرویدہ تھے اب بھی جملہ حکمران آپ کے عقیدت مند ہیں۔ (۳)

حضرت قاضی فتح اللہ صدیقی شطاری قادری کے حکمران سے تعلقات اور اسکے اثرات:

حضرت قاضی فتح اللہ صدیقی شطاری قادری رہتاسی ثم میرپوری معروف زمانہ دربار چھپاں شریف اور موجودہ معروف زمانہ دربار گلہار شریف کوٹلی کے بزرگان حضرت قاضی سلطان عالم اور انکے بیٹے حضرت پیر صادقؒ کے جد اعلیٰ تھے عظیم محدث، فقیہہ، عالم دین، مفتی زماں اور قاضی القفاۃ کے منصب جلیلہ کے حامل تھے روحانیت میں اپنے وقت کے غوث تھے آپ کی شخصیت کا شہرہ دور دور تک تھا یہی وہ زہد و تقویٰ تھا جسکی بنیاد پر حاکم و بانی میرپور سلطان فتح خان اور انکے بھائی میرا خان نے آپ کو اپنے شہر تشریف لانے اور مسند قضا سنبھالنے کی درخواست کی اور پھر یہی حضرات آپ کے مرشد گرامی حضرت شیخ محمد حسن روہتاس کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور ان سے بھی آپ کو کہلوایا حضرت قاضی فتح اللہ صدیقی قادری کو اپنے مرشد گرامی سے اس قدر محبت تھی کہ آپ کے حکم پر سر تسلیم خم کر دیتے اس حکم کے بعد آپ تیار ہوئے اور میرپور آ گئے آپ خود فرماتے ہیں کہ رہتاسی سے حضرت شیخ محمد حسن کے حکم کے مطابق میرپور قصبہ میں جو پہاڑ کے کونے میں دنیا اور بادشاہ کی گزرگاہ سے دور واقع ہے فتح محمد گکھڑ کی جاگیر میں آنا گوارا کیا اللہ تعالیٰ اسے صالح اور ان فقراء کا خدمت گار بنائے 1051ھ میں قاضی القضاہ کا منصب جلیلہ پیش ہوا جو آپ نے قبول فرمایا اور یہ دونوں بھائی جو یہاں کے حکمران اور ریاست کے والی تھے آپ کی حلقہ ارادت میں داخل ہوئے آپ کے لیئے مسجد شریف تعمیر کرائی اور اسکے متصل عظیم الشان خانقاہ کی تعمیر کرائی فتح محمد گکھڑ ایک خدا ترس انسان تھا اس نے اپنی اکلوتی بیٹی کی شادی بھی آپ سے کروائی آپ شاہی گھرانہ کے گھر کے فرد ہو گئے جس کی وجہ سے دینی خدمات میں بے حد آسانی پیدا ہوئی تا دم مرگ یہ دونوں بھائی آپ کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کرتے رہے ان کی اس عقیدت کی وجہ سے دین اسلام کو بڑی قوت ملی خطہ میرپور میں آپ کی خانقاہ مسجد شریف اور پھر آپ نے

دینی ادارہ بھی قائم کیا جس نے اشاعت دین میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ آپ کی تصنیف لطیف خزائن فتحۃ الاسرار آپ کے علم وعرفان اور فضل کمال کا منہ بولتا ثبوت ہے اور دست بردزمانہ سے بچنے والا واحد مخطوطہ ہے۔

طریقت میں آپ کا مسلک قادری شطاری تھا۔(۴)

اورنگ زیب عالم گیر بادشاہ ہندوستان اور جناب قاضی رحمۃاللہ علیہ :

اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ حضرت قاضیؒ کا ہمصر تھا آپ نے اس عدل گیر بادشاہ کے زہد وتقویٰ کی بڑی تعریف کی ہے آپ بادشاہ کی تعریف میں فرماتے ہیں کہ پنجاب اور ہندوستان کی سرزمین میں بادشاہ دین پناہ کما حقہ انصاف عطار فرمانے علم اور علماء کو اعزاز بخشنے کے باعث جب کہ ان کا اپنا علم فوق کل ذی کل علم علیم کے درجے کا ہے اس کی ذات قدسی صفات پرہیزگاروں سے بڑھ کر صاحب ورع اور تقویٰ ہے قواعد عدل کی تمہید میں سلاطین ماضیہ کی نسبت عدل کرنے والوں سے بڑھ کر عادل ہے اور مجاہدات کی روح سے جہاد اکبر میں وہ زاہدوں اور عابدوں سے سبقت لے گیا ہے اسکی ذات قدسی صفات علم وفضل سے بھری ہوئی ہے۔ اورنگ زیب عالمگیر کی دینی خدمات کا اندازہ اسی وقت ہوتا ہے جب اس دور کا موازنہ دور اکبری سے کیا جائے اکبر اسلامی تشخص کو مٹانے اور متحدہ قومیت کے تشخص کو اجاگر کرنے نیز دین اسلام کو فتح کر کے ایک نئے دین الہیٰ کو جاری کرنے میں پوری طرح کوشاں تھا یہاں تک کہ اکبری دور میں اسلامی معاشرہ براگندہ اور منتشر ہو چکا تھا اسلامی شعائر کی اعلانیہ تضحیک ہوتی تھی اور علماء حق کے لیئے شدید آزمائش تھی اور علماء سو دندناتے پھرتے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ شیخ سرہندی اس سازش کے خلاف سینہ سپر ہو گئے بقول پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد حضرت مجدد الف ثانی نے اکبری دور میں مکی انداز تبلیغ اپنایا اور جہانگیری دور میں مدنی انداز اپنایا اعلانیہ تبلیغ کی رؤسا وامراء عمال سلطنت سے رابطے قائم کیئے ان کے ذہنوں کو بدلنے کے لیئے

ٹھوس فکری و عملی اقدامات فرمائے اورنگزیب خود سلسلہ مجددیہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اورنگزیب بڑے مضبوط ارادے اور ایمانی وقت کا مالک تھا اس کے معمولات اور کارنامے سنہری حروف سے لکھے جاتے ہیں بدخشاں کی لڑائی میں جب ظہر کی نماز کا وقت آگیا تو عالمگیر نے گھوڑے سے اتر کر میدان جہاد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھی اس موقع پر امامت کے فرائض خود سرانجام دیئے جب اورنگزیب کے مدمقابل عبدالعزیز کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عالمگیر نے تیروں کی بارش میں نماز ظہر ادا کی تو وہ حیران رہ گیا اور یہ کہہ کہ جنگ ختم کردی کہ ایسے شخص کا مقابلہ کرنا موت کو دعوت دینا ہے الختصر یہ کہ قاضی فتح اللہ صدیقی وشطاری قادری بڑے خوش قسمت تھے کہ ان کو ایسا سازگار ماحول ملا کہ ملک میں ہر طرف احیاء دین کی کوشش ہورہی تھی ان حالات میں آپ جیسے مقتدر عالم دین کو یقیناً عالمگیر کے دربار تک رسائی ہوگی ۸ شعبان ۱۰۸۸ کو آپ کا وصال بمطابق ۲۰ جلوس اورنگزیب بدھ کہ روز ہوئی آپ کی رحلت دار سپھنا لکہ کے پاس پانی پت کی منزل میں دہلی کا سفر کرتے ہوئے ہوئی یہ معلوم نہ ہوسکا کہ آپ دہلی سرکاری فرائض کے لیئے جارہے تھے یا کہ نجی دورہ تھا۔ الختصر یہ کہ جناب موصوف قاضی صاحب کے حکمرانوں سے بڑھے اچھے تعلقات تھے اور آپ کے تعلقات کا اثر یہ ہوا کہ دین کی ترقی ہوئی ایک عظیم خانقاہ معرض وجود میں آئی عظیم دینی درسگاہ بھی آپ نے قائم اور ایک مسجد بھی معرض وجود میں آئی اور اس مرکز دینی سے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد فیضاب ہوئی۔ (۵)

حضرت میاں محمد بخش عارف کھڑی کے حکمرانوں سے روابط اور انکے اثرات:

حضرت میاں بخش ۱۲۴۶ھ ۱۸۲۶ء کو بمقام کھڑی شریف ضلع میرپور میں میاں شمس الدین سجادہ نشین دربار حضرت پیرے شاہ غازیؒ کے ہاں پیدا ہوئے حضرت میاں صاحب شعر وسخن کی وادی کے عظیم

شاہسوار تھے آپ کی شاعری نے عوام و خواص سب کو آپ کا گرویدہ بنا دیا تھا یہ وہ وقت تھا کہ کشمیر پر مختلف گروہ قابض تھے ۱۸۲۶ء میں آپ کی پیدائش ہوئی ابھی آپ کی عمر ۲۰ سال تھی آپ علم کے حصول میں مصروف تھے کشمیر کا سودا مہاراجہ ہری سنگھ نے کر دیا تھا اور 75 لاکھ نانک شاہی سکہ کے عوض کشمیر انگریزوں سے خرید لی تھی آپ نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو کیفیت یہ تھی کہ مسلمانان کشمیر غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے مہاراجے طرح طرح کی بیگار لیتے تھے تعلیمی ادارے نہ ہونے کے برابر تھے حکمران عوام کو جان بوجھ کر تعلیم سے دور رکھ رہے تھے اس مشکل ترین دور میں مسلمانوں کے عقائد کی حفاظت ایک مشکل بات تھی مگر اس کے باوجود میاں صاحب نے خوب علم حاصل کیا اور مجاہدہ میں مصروف ہو گئے آپ حضرت پیرے شاہ غازی کے دربار کی خدمت کرتے تھے جب آپ علم سے فارغ ہوئے اور مجاہدے کا عمل شروع کیا تو آپ نے تلاش مرشد کے لیئے استخارہ کیا خواب میں حضرت پیرے شاہ غازی نے فرمایا حقیقتاً تم میرے ہی مرید ہو مگر ظاہر بیعت حضرت سائیں غلام حسین کلروڑی سے کرو حضرت میاں صاحب حضرت سائیں غلام محمدؒ ضلع میرپور کے ایک گاؤں کلروڑی کے پاس گئے اور پورا ماجرہ سنایا انہوں نے کہا کہ کچھ روز صبر کرو پھر بیعت کروں گا اس انتظار میں چند سال گزر گئے حضرت میاں صاحب کا اشتیاق بڑھتا گیا آخر ایک روز سائیں غلام محمد نے اپنے پیر و مرشد حضرت بابا بدوحؒ کے مزار کے پاس آپ کو بیعت کیا حضرت میاں صاحب کو بیعت کرنے کے بعد آپ کے پیر و مرشد نے فرمایا کہ سری نگر جا کر حضرت شیخ احمد ولی سے اپنا ولایت کا حصہ وصول کر لو۔

حضرت میاں صاحب کی سری نگر روانگی:

حضرت میاں صاحب پا برہنہ اور ایک کمبل آپ نے اوڑھ رکھا تھا اور سری نگر روانہ ہوئے جب حضرت شیخ احمد ولی کے دربار کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ ان سے ملاقات مشکل ہے وہ بہت کم لوگوں سے

ملاقات کرتے ہیں جنگلوں اور بیابانوں میں عبادت میں مصروف ہوتے ہیں آپ پریشان ہوئے مگر پائے استقلال میں لغزش نہ آئی جب جب درگار پر پہنچے اور درگاہ میں موجود ایک شخص جو ایک تخت پر بیٹھا ہوا تلاوت کرر ہا تھا سے معلوم کیا اس نے حال احوال بتائے اس دوران شیخ احمد ولی اندر داخل ہوئے ملاقات ہوئی مقصد بیان کیا تعارف کرایا فارسی زبان میں گفتگو شروع کی انہوں نے کہا کہ سری نگر میں رہو اولیاء کرام کے مزارات پر حاضری دو جب واپسی کا ارادہ ہوا تو اسی مقام پر ملاقات ہو جائے گی۔

حاکم کشمیر سے ملاقات:

ان دنوں سری نگر کا حاکم اعلیٰ دیوان ہشپت رائے تھا جو ایک مسلمان تھا اور اولیاء کرام کا غلام تھا اور بالخصوص حضرت میاں صاحب کا نادیدہ محبّ تھا خود بھی عالم دین تھا حضرت میاں صاحب کے اوصاف کے بارے میں اس نے سید باقر علی شاہ صاحب (جو مہاراجہ کشمیر کے درباری تھے سے جو حضرت میاں صاحب اور ہشپت رائے کہ قریبی دوست تھے) سے سن رکھے تھے حضرت میاں صاحب زیارت کے دوران جب شیخ نورالدین ولی کے مزار پر حاضری دینے لگے تو دیوان ہشپت رائے کے کسی ملازم نے جو میاں صاحب کو پہچانتا تھا شناخت کر لیا اور فوراً آپ کی موجودگی کی اطلاع دیوان کو کر دی جو چند معززین کے ساتھ آپ کے قدم بوس ہوا اور آپ کو رہائش گاہ پر لے آیا۔ حضرت سید باقر شاہ کو اطلاع ملی وہ بھی آ گئے آپ ایک ماہ تک سرینگر میں قیام پذیر رہے اس دوران آپ کی رہائش کا انتظام سید باقر علی شاہ صاحب نے کیا واپسی پر آپ حضرت شیخ احمد ولی سے ملاقات کر کے واپس عازم میر پور ہوئے۔

حاکم کشمیر مہاراجہ پرتاب سنگھ کی حضرت میاں صاحب کے پاس حاضری:

جب سے ڈوگرہ خاندان نے ریاست پر اپنا تسلط جمایا تھا مسلمانوں کو خاص طور پر ظلم وستم کا نشانہ

بنایا جا رہا تھا مسلمانوں کی معاشی حالت انتہائی ناگفتہ بہ ہو چکی تھی مسلمان غربت و افلاس کی زندگی بسر کر رہے تھے تمام تجارت ہندو بنیوں کے ہاتھ میں تھی سرکاری ملازمتوں کے دروازے مسلمانوں پر بند تھے مسلمانوں سے فقط بیگار کا کام لیا جاتا تھا مسلمان مرد جب بیگار کیمپوں میں ہوتے تو ان کے گھر والوں بیوی بچوں پر دل ہلا دینے والی تنگ دستی ہوتی حضرت میاں صاحب عموماً ایسے کنبوں کی دستگیری فرماتے۔ مہاراجہ پرتاب سنگھ حضرت میاں صاحب کا عقیدت مند تھا بارگاہ ولایت میں حاضری کے لیئے وہ کھڑی شریف آیا تو وہ مرد مومن جس کے قلم کے شہ پاروں نے ایک عالم میں ہلچل مچا دی تھی آپ اپنی کچی سادہ پست چھت مکان کے صحن میں ایک بوسیدہ چٹائی پر تشریف فرما تھے خدام نے اطلاع دی کہ والئی ریاست بارگاہ ولایت میں حاضری چاہتا ہے حضرت میاں صاحب نے ایک نئی چٹائی اندر سے منگوا کر سامنے بچھوا دی خدام سے کہا کہ مہاراجہ سے کہیں کہ تشریف لائیں مہاراجہ ہمرائیوں سمیت اندر آیا ہندوانہ رسم کے مطابق ہاتھ جوڑ کہ کھڑا ہو گیا حضرت میاں صاحب نے مہاراجہ کو بیٹھنے کو کہا مہاراجہ اور اسکے ساتھی بیٹھ گئے اور مہاراجہ نے اپنے وزیر سے کہا کہ نذرانہ اور ہدیہ پیش کریں وزیر نے روپوں کی چند تھیلیاں پیش کیں۔ حضرت میاں صاحب نے وہ واپس کر دیں اور مہاراجہ سے کہا فقیروں کو روپوں کی ضرورت نہیں ہوتی اس نے کہا کہ دربار پیرے شاہ غازی کے لنگر میں شامل کر دیں تو آپ نے فرمایا لنگر والا خود انتظام کر دیتا ہے مجھے ضرورت نہیں بہت اصرار پر آپ نے ایک روپیہ لیا اور باقی مہاراجہ کو واپس کر دیئے۔ مہاراجہ پرتاب سنگھ نے عرض کی کہ میری کوئی اولاد نرینہ نہیں ہے دعا کریں اللہ تعالیٰ کوئی وارث عطا فرمائے۔ حضرت میاں صاحب نے حضرت غازی قلندر کی ساوی جھنگی سے دو پتے لا کر کہا ایک خود کھائیں ایک اپنی بیوی کو کھلائیں اللہ تعالیٰ آپ کو بچہ دے گا اسکو بچپن میں کسی مندر میں نہ لے جانا نہ ہی اسکے لیئے ہندوانہ رسم ادا کرنا بڑا ہو کر خود اپنا مذہب جو پسند کرے گا اپنائے گا۔

حضرت میاں صاحب کی مہاراجہ کو وصیت:

آپ نے مہاراجہ کو وصیت کی کہ:

۱۔ بیگار ختم کردیں۔

۲۔ علم کی روشنی عام کی جائے پسماندہ علاقوں میں سکول کھولے جائیں۔

میاں صاحب کی پیش گوئی صحیح ہوئی:

مہاراجہ کے ہاں لڑکا پیدا ہوا اور محل کی رانی اس کو ایک ہندو کے پاس مندر لے گئی وہاں ہی اس کی موت واقع ہوگئی۔

وفات:

حضرت میاں صاحب دور غلامی میں ہی ۱۹۰۷ کو وصال فرما گئے۔ (۶)

المختصر:

حضرت میاں صاحب کی شاعری نے مشرق و مغرب میں آپکی دھوم مچادی تھی جسکی وجہ سے آپ کی شہرت عام تھی ہر حکمران آپ سے ملاقات اور آپ کے پاس حاضری کو بڑا اعزاز سمجھتا تھا۔

حضرت الحاج مولنا برکت اللہ جھاگوی کے حکمرانوں سے روابط اور اثرات:

حضرت مولانا الحاج برکت اللہ جھاگوی نقشبندی قادری 1901 وادی نیلم میں حضرت مولانا

حبیب اللہ ؒ کے گھر پیدا ہوئے آپ تقریباً 1930 تک مصروف علم رہے اس کے بعد مجاہدے کا عمل شروع ہو گیا یہ وہ دور تھا جب پورے کشمیر میں مہاراجوں کی حکومت تھی مسلمانوں کو جان بوجھ کر پسماندہ رکھا جا رہا تھا تجارت اور ملازمتوں پر ہندو قابض تھے ہندو مسلمانوں سے سود لے رہے تھے ہندوؤں کا پورا کاروبار سودی تھا مسلمانوں سے بیگار لی جا رہی تھی گاؤں کے نمبردار مسلمانوں کو پکڑ کے لے جاتے اور مہینوں ان کو بیگار کیمپوں میں رکھتے ادھر ان کے گھر میں مسلسل فاقے کا عالم ہوتا تعلیم و تربیت کا کوئی انتظام نہ تھا جب کھانے اور پہننے کا ہی انتظام نہ تھا تو تعلیم کون حاصل کرتا مسلمانوں پر ہر قسم کے ٹیکس لگائے گئے تھے ہر شخص کو زمین کا مالیا ادا کرنا پڑتا چولہ ٹیکس، دوکان ٹیکس الغرض ٹیکسوں کی بھر مار تھی ادھر ہندو مسلمانوں پر سود در سود لگاتے دوسری طرف مہاراجے ہر چیز پر ٹیکس لگاتے مسلمان کی زندگی اجیرن بنی ہوئی تھی ادھر کشمیر میں تحریک آزادی بھی جوش پر تھی مسلم کانفرنس جو مسلمانوں کی سیاسی جماعت تھی معرض وجود میں آ چکی تھی مسلم کانفرنس کے مجلس عاملہ کے متفقہ طور پر سردار ابراہیم خان غازی ملت کے گھر واقع آبی گزر سری نگر میں الحاق پاکستان کی متفقہ قرارداد منظور کر دی۔

اس دور میں حضرت برکت اللہ جھاگوی بھی اپنے سلوک کی منازل کی تکمیل کر کے عملی زندگی میں رکھ چکے تھے آپ نے منظم طریقے سے وادی نیلم میں مسلمانوں کی اصلاح احوال کا کام شروع کر دیا تھا۔ چونکہ آپ جس علاقے میں رہتے تھے وہاں رسل و رسائل کا کوئی انتظام نہ تھا آپ نے مسلمانوں کی بھلائی اسی میں سمجھی کہ وہ دینی علوم سے آشنا ہوں وہ قرآن پاک کو سمجھیں ان کے گھر بار اسلام کا ہی چرچہ ہو اس کے لئے آپ نے اس علاقے میں شرعی عدالتوں کا قیام عمل میں لایا جہاں مسلمانوں کے فیصلہ عدل و انصاف سے ہوتے تھے اور آپ خود چونکہ بڑے فقہیہ تھے اس لیئے عدالتوں میں چیف جسٹس کے فرائض خود آپ سرانجام دیتے تھے۔ آپ نے مرکزی ادارہ اپنے آستانہ عالیہ کے قریب سالک آباد میں قائم کیا اور دیگر جگہوں پر بھی ادارہ جات قائم کیئے آپ نے عوامی اجتماعات میں مسلمانوں کو آزادی کے لئے بھرپور تحریک بھی شروع کی

لیکن چونکہ اس وقت پورے آزاد کشمیر میں بالعموم اور جس علاقے میں آپ رہتے تھے وہاں باقاعدہ تصنیف و تالیف کا بندوبست نہ تھا جسکی وجہ سے آپ کی ان کاوشوں کو منصۂ شہود پر نہ لایا جاسکا۔ پھر جب 1947ء میں کشمیر آزاد ہوا تو آپ کے علاقے میں بھی جنگ ہوئی آپ نے مسلمانوں کی بھرپور مدد کی اپنے تمام مریدین کو بھی جہاد کے لیئے خوب ابھارا آپ کی تحریک کا نتیجہ تھا کہ ہندوؤں کو اور مہاراجہ کی فوج کو وادی نیلم سے بھرپور شکست ہوئی بہرحال آپ کا زیادہ زور مسلمانوں کی دینی اصلاح پر رہا آپ نے مدارس قائم کیئے۔(۷)

حکمرانوں سے تعلقات:

آپ چونکہ خدامست درویش تھے اور اہل اللہ کا ہمیشہ یہ طریقہ رہا کہ وہ بادشاہوں کے پاس حاضر نہیں ہوتے بلکہ بادشاہ فقراء کے آستانوں پر حاضری دیتے کشمیر کی آزادی کے بعد جب آپ مظفرآباد کا دورہ فرماتے تو حکمران وقت امراء اور وزراء آپ کی بارگاہ میں حاضری دیتے آپ ان کو دینی نظام کے نفاذ پر زور دیتے۔

آپکے دور میں مندرجہ ذیل حکمران آزاد کشمیر کے حکمران رہے:

۱۔	سردار محمد ابراہیم خان	بانی صدر آزاد کشمیر
۲۔	کیپٹن سید علی احمد شاہ	صدر آزاد کشمیر
۳۔	میر واعظ مولانا یوسف شاہ	صدر آزاد کشمیر
۴۔	کرنل شیر احمد شاہ	صدر آزاد کشمیر
۵۔	سردار عبدالقیوم خان	صدر آزاد کشمیر
۶۔	کے ایچ خورشید	صدر آزاد کشمیر

ان میں سے سید احمد علی شاہ سے آپ کا رابطہ رہا اور وہ دعا کی درخواست کرتے اور ملاقات بھی رہتی تھی۔

اسی طرح سردار عبدالقیوم سے بھی آپ کا رابطہ رہا ملاقات پر نفاذ اسلام پر بات ہوئی وہ بھی آپ سے دعا کے لئے درخواست کرتے کے ایچ خورشید جب حکمران بنے تو کئی رفقاء خاص نے دعا کے لیئے کہا تو آپ نے فرمایا قلم لے کر لکھیں بحکم اللہ خورشید حسن خورشید چار سال صدر رہیں گے صدر خورشید واقعی چار سال اس کے بعد اقتدار میں رہے۔(۸)

فیلڈ مارشل صدر ایوب صدر پاکستان :

صدر ایوب اولیاء کرام کا بڑا عقیدت مند تھا جب صدر ایوب کا مقابلہ محترمہ فاطمہ جناح سے ہوا تو صدر ایوب کا کارندہ آپ کے دربار پہنچا تو اس نے کہا حضرت کیا انجام ہوگا تو آپ نے فرمایا فاطمہ جناح جیت جائیں گی آپ کے دربار میں موجود کسی دوسرے فرد نے عرض کی حضرت عورت کی حکمرانی شرعاً جائز نہیں تو آپ نے فرمایا اسکا جواب کل دوں گا۔ دوسرے دن استفسار پر فرمایا۔ صدر ایوب کے لیئے چار سال کی منظوری ہوگئی ہے اور واقعی اس کے بعد صدر ایوب چار سال حکمران رہے آپ ہر حکمران کو یہی وصیت فرماتے رہے کہ یہ ملک ہندوؤں اور مہاراجوں سے لڑ کر آزاد کروانے کا مقصد ایک خوشحال فلاحی اسلامی ریاست تھا ہمارے اس خواب کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔ آپ چونکے دور دراز علاقے میں رہتے تھے جہاں باقاعدہ سڑک بھی نہ تھی اس لئے اتنے دور حکمرانوں کا جانا مسلہ تھا اس لیئے حکمرانوں سے آپ کے روابط زیادہ نہ تھے بہرحال جن جن حکمرانوں کی ملاقات ہوئی اس کے اچھے اثرات مرتب ہوئے۔(۹)

حضرت پیر حیدر شاہ کے حکمرانوں سے روابط اور اثرات:

یہ حضرت پیر حیدر شاہ کی کتاب علوم اولیاء کے شروع میں تعارف سے لی گئی ہے۔

حضرت پیر سید حیدر شاہؒ کے حکمرانوں سے روابط اور اس کے اثرات:

ولادت:

حضرت پیر سید حیدر شاہ 1320ھ/1902ء موضع ٹاہلیاں موہڑہ ٹپ تحصیل سدھنوتی سابق ضلع پونچھ علاقہ بارل میں ہوئی یہ جگہ آج کل تحصیل پلندری آپ کے والد محترم کا نام نامی حضرت پیر سید زند علی شاہ تھا اور آپکے والد محترم اور دادا حضرت پیر سید شیر شاہ یہ دونوں صاحب نظر و صاحب کرامت ہستیاں تھیں۔

حضرت پیر حیدر شاہ کا سلسلہ نسب:

حضرت پیر سید حیدر شاہ گیلانی سید تھے۔

تعلیم و تربیت:

آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت آپ کے گھر میں ہی ہوئی کیونکہ آپ کا گھرانہ نہایت علمی تھا والد اور دادا صاحب نظر بزرگ تھے ضروریات دین کا علم آپ نے اپنے گھر میں ہی حاصل کیا۔

ذوق جہاد:

حضرت پیر سید حیدر شاہ کی عمر 12 برس تھی کہ آپ بچہ پلٹن میں بھرتی ہو گئے اور بعد از ٹریننگ آپ

کو ایسٹ انڈیا کمپنی میں ایڈجسٹ کر کے شیشہ جھنڈی کا کام پر بحری جہازوں کے بیڑے پر مامور کر دیا اسی کام کے سلسلہ میں آپ تین سال تک ہانگ کانگ میں رہے۔ واپس گھر آمد، تلاش مرشد، والدین کی وفات، تمام چیزیں بالتفصیل علمی خدمات میں آچکی ہیں۔

حضرت پیر سید حیدر شاہ صاحب کی زندگی کا خاکہ:

حضرت پیر سید حیدر شاہ صاحب 1902ء میں پیدا ہوئے 1914 کو آپ بچہ پلٹن میں بھرتی ہوئے 1924 میں آپ گھر واپس آئے آپ نے اپنے مرشد کے حکم کے مطابق والدین کی خدمت شروع کر دی 1925 میں والدہ ماجدہ کا انتقال ہوا 1926 میں والد محترم کا انتقال ہو گیا۔ 1926 میں ہی آپ ہجرت کر کے علاقہ مہنڈر میں چلے گئے 1928 کو آپ کے مرشد پاک کا انتقال ہو گیا 1928 اسی دن آپ کے گھر بیٹا پیدا ہوا جن کا نام سرور حسین شاہ معروف بزرگ گزرے ہیں آپ تبلیغ دین کا سلسلہ شروع کر دیتے ہیں 1947 میں آپ نے جہاد کشمیر میں بھرپور شرکت کی آپ کے نام سے فرسٹ حیدری، تھرڈ حیدری دو پلاٹون آپ کے مریدین نے قائم کیں اور جہاد کشمیر میں شرکت کی اس کے بعد آپ مختلف علاقوں میں قیام کے بعد 13 نومبر 1956 کو پناگ شریف کوٹلی میں تشریف لائے اور یہاں ہی آپ 30 مئی 1961 کو آسودہ خاک ہوئے آپ کا مزار پاک پناگ شریف میں ہے۔

حضرت پیر حیدر شاہ اور تحریک آزادی کشمیر:

حضرت پیر حیدر شاہ کے اندر شروع سے ہی حیدری جوہر موجود تھے آپ بڑے ہی بہادر شخص تھے جب آپ ہانگ کانگ سے واپس آرہے تھے تو راستہ میں ایک جگہ پہلوانوں کا کشتیوں کا مقابلہ ہو رہا تھا بے انداز تماشائی موجود تھے بڑے بڑے رستم زمانہ موجود تھے پیر حیدر شاہ وہاں سے ایک راہ گزر کے طور پر گزرتے ہوئے ٹھہرے نامعلوم کتنے دنوں سے کچھ کھایا نہ تھا کیونکہ ایسے مسافر تھے جن کے پاس زادراہ بھی

نہ تھا۔آپ نے بھی مقابلے میں حصہ لیااور جو ہر مردانہ دکھاتے ہوئے میدان مار دیا مقابلہ جیت گئے آپ کی مجاہدانہ کیفیت اور ذوق کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔اور آپ کے مرشد پاک نے آپ کے نفس کو مارنے کے لیئے آپ سے مجاہدات کرائے ان میں بڑا مجاہدہ یہ تھا کہ والدین کی خدمت کریں آپ نے مسلسل دو سال اس ذوق سے اپنے والدین کی خدمت کی کے ساری مجاہدے کی منزلیں طے ہوگئی جب 1947 میں تحریک آزادی کا آغاز ہوا تو وہی ذوق حیدری تھا وہی شوق وہی تربیت تھی جس سے لوگوں کو منظم کیااور فرسٹ حیدری تھرڈ حیدری کی صورت میں جہاد میں شریک ہوئے اور آپ کے صاحبزادے بنفس نفیس ان دو گروپوں میں رہ کر سرپرستی کرتے رہے اور شریک جہاد رہے۔(۱۰)

حکمرانوں سے حضرت پیر سید حیدر شاہ کے روابط اور اثرات :

حضرت پیر سید حیدر شاہ اپنے دور کے بہت ہی مشہور بزرگ تھے آج ہم مشاہدہ کرتے ہیں حضرت پیر حیدر شاہ کے پوتے سجادہ نشین اور تقریبا آزاد کشمیر گورنمنٹ صدر، وزیر اعظم اور وزراء کرام سے شرکت کرتے ہیں۔اور یہ ہر سال کا معمول ہے جب اس آستانہ کے روح رواں سالار ولایت حضرتؒ پیر سید حیدر شاہ جن کا شہرہ دور دور تک تھا بذات خود موجود ہوئے ہونگے تو یہ ممکن نہیں کہ حکمران حاضری نہ دیتے ہوں۔عرس پاک کی تقریب میں سابق صدر آزاد کشمیر کے دو مرتبہ وزیر اعظم رہنے والے سردار سکندر حیات کے ذاتی الفاظ تھے کے میں تو ان کے گھر کا آدمی ہوں نہ ہی میں اعلان کر کے حاضری دیتا ہوں جب جی چاہتا ہے چلا آتا ہوں میں اس آستانہ کا خادم ہوں۔

سردار عبدالقیوم سابق صدر و وزیراعظم آزادکشمیر :

سردار عبدالقیوم سابق صدر و وزیراعظم آزادکشمیر بارہا عرس پاک میں پناگ شریف ضلع کوٹلی تشریف لے جاتے رہے اوراس آستانہ عالیہ کی جہادی اور دینی خدمات کوخراج تحسین پیش کرتے رہے۔

سابق وزیراعظم بیرسٹر سلطان محمود چوہدری:

یہ بھی ہرسال عرس پاک کی محفل میں شرکت کرتے ہیں اور خودکوآستانہ عالیہ کا خادم کہتے ہیں۔

سابق وزیراعظم عتیق احمد:

یہ بھی ہرسال حاضری دیتے ہیں اور خودکواولیاء کرام کا خادم کہتے ہیں اوراس آستانہ عالیہ بالخصوص تعلق کا اظہار کرتے ہیں۔

موجودہ وزیراعظم سردار محمد یعقوب خان :

یہ جب وزیر تھے اس وقت سے حاضری دیتے ہیں اور خودکواولیاء کرام کا غلام کہتے ہیں اور عرس کی تقریب میں عقیدت سے تشریف لے جاتے ہیں۔

(مقالہ نگار کئی مرتبہ عرس پاک کی محفل میں شریک رہا ویسے بھی میڈیا ،اخبارات ، پرائیوٹ چینلز بھی اطلاعات شائع کرتے رہتے ہیں۔)

حکمرانوں سے تعلقات کے اثرات:

اس میں دو طرح کے اثرات پڑھتے ہیں:

۱۔ حکمرانوں کے ذاتی فوائد:

حکمران یہ سمجھتے ہیں کہ اولیاء اللہ کے پاس عوام کا ہجوم ہے اور یہی عوام کل ہمارا انتخاب کرے گی اور مرید کی محبت اپنے پیر سے فی سبیل اللہ ہوتی ہے اور اگر مرشد کسی لیڈر کے لیئے اشارہ بھی کر دیں تو مرید اس کو نبھاتے ہیں۔

۲۔ اولیاء کرام کی نیت:

اولیاء کرام کی نیت یہ ہوتی ہے یہاں انکو دین کی وصیت کی جائے تاکہ یہ لوگ حرام کھانا چھوڑ دیں عوام کی فلاح و بہبود کے کام کریں نیکی کا راستہ اختیار کریں ملک کے بارے میں اچھے فیصلے کریں۔

تحریک نفاذ نظام مصطفیٰ ﷺ اور آستانہ عالیہ پناگ شریف:

جب 1985ء میں حضرت پیر علاؤ الدین صدیقی چانسلر محی الدین اسلامی یونیورسٹی نے تحریک نفاذ مصطفیٰ ﷺ کا آغاز کیا تو آپ کے شانہ بشانہ جس آستانے کا کردار تھا وہ آستانہ عالیہ پناگ شریف کے سجادہ نشین جناب حضرت پیر سرور حسین شاہ گیلانی قادری تھے۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ ایک ایسی عظیم تحریک تھی کہ اس نے حکومت آزاد کشمیر کو ہلا کر رکھ دیا تھا حکمران کے ان درباروں سے نہیں اٹھتے تھے اور اس کے

اثرات یہ ہوئے کہ ہر عرس پر حکمران حاضری کو یقینی بناتے ہیں اور بنسبت پاکستان کے سیاست دانوں کے بڑے باادب طریقے سے حاضری دیتے ہیں میں نے آزاد کشمیر کا کوئی بھی صدر یا وزیر اعظم سر برہنہ تقریر کرتے ہوئے نہیں دیکھا جبکہ پاکستان میں یہ چیز عام دیکھنے میں آتی ہے۔ (پاکستان میں جب بھی بڑے بڑے لیڈر کسی عرس میں جاتے ہیں تو ان کا سر برہنہ ہوتا ہے۔) (۱۱)

حضرت خواجہ غلام محی الدین غزنوی کے حکمرانوں سے روابط اور اسکے اثرات:

حضرت خواجہ غلام محی الدین غزنوی نیروی 1902 میں غزنی میں پیدا ہوئے بائیس سال تک علم حاصل کرتے رہے اور بائیس کے عمر میں علوم سے فراغت پائی اور دو اڑھائی سال تک تجارت کی اور اس کے بعد عرصہ بارہ سال تک حضرت خواجہ قاسم صادق موہڑوی کی خدمت میں رہے اور وہاں سے خرقہ خلافت حاصل کیا اور اپنے پیر و مرشد کے حکم سے نیریاں شریف آزاد کشمیر میں آباد ہوئے۔آپ نے تقریباً 1939 سے نیریاں شریف کو مستقل مسکن بنایا آپ کی باکمال شخصیت کی وجہ سے تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کی مقبولیت ہوگئی شاہ وگدا ہر ایک سے آپ کے راہ ورسم بڑھ گئے آزاد کشمیر کے حکمران اور پاکستان کے حکمرانوں سے بھی آپ کے مراسم تھے۔ (۱۲)

غازی ملت بانی صدر آزاد کشمیر سردار محمد ابراھیم خان کی دربار عالیہ پر حاضری

راقم (یعنی مقالہ نگار) اس موقع پر موجود تھا۔ جب سردار محمد ابراہیم حاضر ہوئے عرس کی آخری

تقریب تھی یہ سن 1996 کی بات ہے کہ تمام تقاریر ختم ہو چکی تھیں اور اب آخری خطبہ سجادہ نشین دربار عالیہ نیریاں شریف الحاج پیر علاؤ الدین صدیقی خطبہ کے لیئے کھڑے ہوئے تو اس دوران غازی ملت آ پہنچے پیر صاحب نے لوگوں سے کہا کہ میں اپنی تقریر ختم کر کے غازی ملت کو دعوت خطاب دوں گا اور انکی تقریر کے بعد دعا کروں گا۔ پیر صاحب نے اپنی تقریر ختم کی تو جب غازی ملت کو دعوت دی تو انہوں نے سٹیج پر آتے ہی کہا کہ میں نے کہا تھا اگر میں نیریاں شریف میں آکر متاثر ہو گیا تو داڑھی رکھ لوں گا اگر پیر صاحب کہیں تو میں داڑھی رکھ لوں گا۔ پیر صاحب فوراً کھڑے ہو گے اور کہا بسم اللہ میں آپ کو کہتا ہوں کہ داڑھی رکھ لیں اور پھر بڑے پیار سے سینے سے لگایا اس کے بعد انہوں نے داڑھی نہیں منڈ وائی حتی کہ انکی وفات ہو گئی۔

سابق صدر و وزیر اعظم آزاد کشمیر سردار عبدالقیوم خان کی حاضری:

سردار عبدالقیوم ایک انتہائی دیندار اور مذہبی شخصیت ہیں کچھ دینی کتب کے مصنف بھی ہیں خاصی دینی معلومات رکھتے ہیں آزاد کشمیر میں سرکاری سطح پر اسلام کے نفاذ کے سلسلہ میں انکی بڑی خدمات عدالتوں میں قاضیوں کا تقرر نکاح کی رجسٹریشن اور فتویٰ نویسی کے لیئے مفتیوں کا تقرر محکمہ امور دینیہ کا قیام ان سب میں سردار عبدالقیوم کا بڑا اہم کردار رہا ہے۔ سردار عبدالقیوم 1998ء عرس کے موقع پر بریاں شریف تشریف لائے اور بڑے ہی حسن انداز میں اس آستانہ عالیہ کی خدمات کا اعتراف کیا۔

سابق صدر و وزیر اعظم سردار سکندر حیات کی حاضری:

سردار سکندر حیات یہاں اکثر و بیشتر عرس شریف کی تقریب میں حاضر ہوتے رہتے اور بڑے فخر

سے خود کو صاحب آستانہ کا مرید کہتے اور بڑی عقیدت کا اظہار کرتے رہے آستانہ عالیہ کی علمی اور دینی کاوشوں کا تزکرہ بڑے احسن انداز میں کرتے رہے۔

سابق وزیر اعظم بیرسٹر سلطان محمود چوہدری کی حاضری:

سابق وزیراعظم آزاد کشمیر سلطان محمود چوہدری نیریاں شریف حاضر ہوئے انہوں نے اسٹیج سے اعلان کیا کہ میں اس آستانہ کا مرید ہوں میرے پیر کی مجھ پر بڑی شفقت ہے اور آستانہ عالیہ کے علمی و روحانی کام کی بڑے خوبصورت کلمات میں خراج پیش کیا جناب سجادہ نشین نے کہا کہ یہ بڑے کام کے آدمی ہیں ہم نے پہلے بھی ان سے کام لئے اور اب بھی لیں گے۔

سابق وزیراعظم سردار عتیق احمد خان کی حاضری:

سردار عتیق احمد خان سردار عبدالقیوم کے بیٹے ہیں اس لئے ایک دینی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں ان کا تعلق باغ کی تحصیل دھیرکوٹ سے ہے وزیراعظم بننے کے بعد پہلے عرس میں کسی مصروفیت کی بنا پر حاضر نہ ہو سکے انہوں نے اپنی نمائندگی کے وزیر اوقاف و زکوۃ وعشر مولانا حافظ حامد رضا کو بھیجا انہوں نے وزیراعظم کی نمائندگی ان الفاظ میں کی کہ وزیراعظم صاحب جناب سجادہ نشین کے لیئے پیغام ہے کہ سفید کاغذ آپ کے سامنے ہے جو آپ حکم کریں گے پورا کیا جائے گا جناب سجادہ نشین نے ان کی خدمات کو ان الفاظ میں سراہا جناب وزیراعظم نے میر پور میڈیکل کالج کے سلسلہ میں ہماری بڑی معاونت کی اور آئندہ جیسے

ضرورت پڑھی ان کی خدمات حاصل کریں گے۔

وفاقی وزیر مذہبی امور راجہ ظفرالحق کی حاضری:

وفاقی وزیر مذہبی امور راجہ ظفرالحق محی الدین اسلامی یونیورسٹی نیریاں شریف کے افتتاح کے لئے عرس شریف پر تشریف لائے حضرت پیر غلام محی الدین غزنوی کے ساتھ ہونے والی ملاقاتوں کا بڑھی خوبصورتی سے ذکر کیا اور اس آستانہ عالیہ کی علمی خدمات کو سراہا اور کہا کہ باقی آستانوں کو بھی ایسے کاموں میں انکی تقلید کرنی چاہیئے۔

دیگر وزراء کرام کی حاضری:

ان کے علاوہ اکثر و بیشتر وزراء کرام نے حاضری دی جن میں سردار خان بہادر خان سابق وزیر خوراک، سردار اختر ربانی سابق وزیر برقیات، سردار منشاء خان وزیر تعلیم، چوہدری یاسین، ثناء اللہ قادری حافظ حامد رضا چوہدری عبدالعزیز، سردار طاہر انور کے علاوہ بے شمار وزراء حاضری دیتے رہے اور آپکی علمی کاوشوں کو سلام کرتے رہے۔

قانون ساز اسمبلی کے ارکان کی حاضری:

ان میں سردار میجر رضائل خان، سردار عارف خان آف پلندری سردار غلام صادق آف ہجیرہ اور بے شمار ایم ایل اے صاحبان تشریف لاتے رہے۔ المختصر آستانہ عالیہ نیریاں شریف کے حکمرانوں کے ساتھ

بہت عمدہ تعلقات رہے ہیں اوراس کے مثبت اثرات مرتب ہوئے تمام حکمران بڑی عقیدت کے ساتھ اس آستانہ پرتشریف لاتے ہیں۔(۱۳)

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ باب پنجم میں جن اولیاء کرام کا ذکر ہوا ہے یہ سب اپنے دور کی بڑی بڑی شخصیات ہیں جو علم وفن کے اعتبار سے بابغہ روزگار ہیں ان کا مقصد ذاتی شان وشوکت نہ تھا بلکہ رب کی رضا مقصود تھی وہ ادنیٰ واعلیٰ سے ملاقات صرف اللہ کی رضا کے لیئے کرتے تھے۔

ان کے تعلقات حکمرانوں سے دنیاوی جاہ ومنصب کے لیئے نہ تھے بلکہ اس لیئے تھے کہ انکو نصیحت کی جائے کے مخلوق کی خدمت کرو مال مفت سمجھ کر حکومت کو نہ لوٹو بلکہ عوام کا خزانہ سمجھ کر عوام کی فلاح و بہبود پر خرچ کریں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ کشمیر کا پہلا حکمران رنجن شاہ حضرت بلبل شاہ کے دست اقدس پر مسلمان ہوااور اس کے بعد ہر حکمران نے اللہ کے ان برگزیدہ بندوں سے گہری محبت کا اظہار کیا حضرت سید علی ہمدانی، شہاب الدین اور قطب الدین کے دور میں وارد کشمیر ہوئے ہر دو حکمران آپ کو مرشد ومربی مانتے تھے۔اسی طرح حضرت قاضی فتح اللہ صدیقی شطاری قادر قاضی القضاہ کے منصب پر فائز تھے اوراس دور کی ریاست میرپور کے بانی میرا خان نے اپنی اکلوتی بیٹی آپ کے نکاح میں دے کر آپ کے ساتھ حد درجہ عقیدت کا اظہار کیااور خود آپ کا مرید اور عقیدت مند ٹھہرا۔

اسی طرح حضرت میاں محمد بخش کے ساتھ حکمرانوں کے گہرے مراسم تھے وہ غیر مسلم حکمران تھے لیکن جب 1947ء کے بعد آزاد کشمیر معرض وجود میں آیا تو ماشاء اللہ یہاں کے حکمران بزرگوں کے ساتھ گہری عقیدت رکھتے رہے کم ازکم ہر حکمران کشمیر کے ان بے تاج بادشاہوں سے تعلقات رکھنا اپنے لیئے بڑی عزت سمجھتا ہے۔خود تحریک آزاد کشمیر کے پیرو بانی صدر آزاد کشمیر غازی ملت سردار محمد ابراہیم خان آستانہ عالیہ نیریاں شریف کے سالانہ عرس کی تقریب میں کئی ہزار کے مجمع میں کھڑے ہو کر اعلان کرنا کہ میں جب

نیریاں شریف کی طرف چلا تھا تو کہا تھا کہ اگر متاثر تو اپنے چہرے پر سنت رسول ﷺ کے مطابق داڑھی سجاؤں گا۔ پھر زندگی بھر داڑھی پر کاربند رہنا یہ وہ اثرات ہیں جو ہمیشہ کشمیر کے حکمران طبقے پر رہے۔ بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ کشمیر کے حکمران اولیاء اللہ کے بڑے عقیدت مند رہے اور جو آج دین کے اثرات ہیں یہ اسی عقیدت کا مظہر ہیں۔

☆☆☆

حوالہ جات:

۱۔ تذکرۂ اولیاء کشمیر، سید محمود آزاد، صفحہ 70 تا 16

۲۔ بوستان قلندریہ، میاں محمد بخش، ناشر صفحہ 22 تا 21، ایضاً

۳۔ انوار شمسیہ، صفحہ 20 تا 18، ایضاً

۴۔ فتح اللہ شطاری قادری، نقشبندی علیم الدین، صفحہ 125

۵۔ مکمل تاریخِ کشمیر، فوق، محمد دین، صفحہ 470

۶۔ عارف کھڑی، صفحہ 15 تا 10

۷۔ جموں و کشمیر بک آف نالج، صفحہ 190

۸۔ مجلّہ کاروان مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

۹۔ انٹرویو حضرت میاں محمد شفیع، صاحبزادہ موصوف بتاریخ 2008-10-25 بعد نماز مغرب بمقام مظفرآباد

۱۰۔ عین فقر، ابتدائی مقدمہ صفحہ 10 تا 5

۱۱۔ ملاقات انٹرویو بذریعہ موبائل فون صاحبزادہ سید عارف شاہ گیلانی نیاگوی 11-02-2008

۱۲۔ حضرت غلام محی الدین نیروی صاحبزادہ سلطان العارفین نیریاں شریف۔ صفحہ 13 تا 12

۱۳۔ انٹرویو صاحبزادہ سلطان العارفین الازہری نیریاں شریف بتاریخ 10-07-2009 دربارِ عالیہ نیریاں شب 10 بجے تا 12 بجے

☆☆☆

باب ششم

باب ششم کو پانچ ڈویژنز میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱)۔ میرپور

(الف)۔ میاں محمد بخشؒ، کھڑی شریف

(ب)۔ آستانہ عالیہ ڈھنگروٹ، منگلا

(۲)۔ کوٹلی

(الف)۔ آستانہ عالیہ گلہار، کوٹلی۔

(ب)۔ آستانہ عالیہ پناگ، کوٹلی

(۳)۔ پونچھ

(الف)۔ غلام محی الدین غزنوی ثم نیروی

(ب)۔ سائیں سید میر بادشاہ

(ج)۔ سائیں جعفر خان

(د)۔ آستانہ عالیہ بدھال ضلع باغ

(۴)۔ مظفرآباد

(الف)۔ الحاج مولانا برکت اللہ جھاگوی

(۵)۔ گلگت

(الف)۔ مولانا محمد صدیق استور، گلگت

(ب)۔ مولانا عین اللہ چیلاس، گلگت

(ج)۔ حضرت نجم الدین اخوندزادہ المعروف بڑے ملا صاحب کی دینی و علمی خدمات

حضرت میاں محمد بخشؒ کے خاندانی حالات:

حضرت میاں محمد بخشؒ کے خاندانی حالات بہت سارے لوگوں نے لکھے ہیں لیکن ان میں سب سے زیادہ مستند ملک محمد کے تحریر کردہ حالات زندگی ہیں اس کی جوہ یہ ہے کہ انہوں نے زندگی کا ایک بڑا حصہ میاں صاحب کی خدمت میں گذارا ہے ملک محمد کے نام میاں صاحب نے پنجابی نظم میں خطوط لکھے ہیں ان سے میاں صاحب کے خلوص و محبت کا پتہ چلتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ میاں صاحب کے لواحقین میں بھی یہ کوائف درست تصور کئے جاتے ہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ میاں صاحب کی شہرہ آفاق تصنیف سیف الملوک کی ابتداء ملک محمد کے تحریر کردہ خاندانی کوائف درج ہیں۔

ملک محمد کی روایت کے مطابق: "میاں صاحب کا شجرہ نسب خلیفہ دوئم حضرت عمر فاروقؓ سے ملتا ہے ملک محمد آپ کے پردادا حضرت سائیں دین محمد سے آگے تفصیلی حالات قلمبند نہ کر سکے انہوں نے لکھا ہے کہ بابا سائیں دین محمد نے حضرت پیرے شاہ غازیؒ کی آغوش میں تربیت پائی لیکن وہ یہ نہ لکھ سکے ان کے پاس کیسے آئے سید محمود آزاد لکھتے ہیں کہ اس بارے میں گجرات سے حاجی محمد اکرم صاحب نے ایک حوالہ ارسال کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جس زمانے میں حضرت پیرے شاہ غازی گجرات کے گاؤں چک بہرام کے قریب خیمہ کش تھے وہاں ایک عمر رسیدہ خاتون انکی خدمت کیا کرتی تھیں۔ ایک دفعہ خاتون نے عرض کیا کہ حضور دعا فرمائیں اللہ مجھے بچہ دے حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ وعدہ کرو تم اپنا بچہ میری خدمت کے لئے وقف کرو گی خاتون نے وعدہ کیا اور جب بچہ پیدا ہوا تو اس نے وہ حضرت اقدس کے نام وقف کر دیا اور جب ذرا سیانا ہوا تو ان کے حضور پیش کر دیا اور یہی بچہ ہے جو بابا سائیں دین محمد کے نام سے حضرت اقدس کا خلیفہ اور جانشین ہوا اور یہی بزرگ حضرت میاں محمد بخش کے پردادا تھے۔" (۱)

میاں محمد بخشؒ کی فارسی تصنیف (جو کہ اشعار ہیں) جس کا ترجمہ آپ کے مرید خاص ملک محمد نے کیا اس میں میاں صاحب نے حضرت سائیں دین محمد کا تذکرہ مختصر کیا۔ وہ بتاتے ہیں کہ سائیں دین محمد کو

حضرت پیرے شاہ غازی نے اپنے بیٹے کی طرح پرورش کیا وہ جہاں بھی جاتے تھے اس بچے کو کندھے پر اٹھائے رکھتے تھے ایک مرتبہ کسی مقام سے گزر ہوا وہاں عورتیں تنور میں روٹیاں لگا رہیں تھیں حضرت پیرے شاہ غازی نے اس بچے کو جلتے تنور میں پھینک دیا اور جب حضرت نے بچے کو باہر نکالا تو اس پر آگ کا کچھ اثر نہ ہوا فرمایا مجازی آگ سے اس کو تپش دیتے ہیں تاکہ حقیقی آگ کا اس پر اثر نہ ہو اس واقعہ کے بعد سائیں دین محمد کامل ولی ہو گئے۔(۲)

جب حضرت پیرے شاہ غازی نے رحلت فرمائی تو بابا سائیں دین محمد ہی ان کے خلیفہ اور سجادہ نشین بنے آپ نے ہزاروں لوگوں کو فیض یاب کیا جب بابا سائیں دین محمد نے رحلت فرمائی تو آپ کو حضرت پیرے شاہ غازی کے پہلو میں مشرق کی سمت دفن کیا گیا۔ موجودہ وقت میں زائرین آپ کے مزار کو دو دفعہ سلام کرتے ہیں ایک دفعہ پیرے شاہ غازی کے مزار پر جاتے ہوئے اور ایک دفعہ واپسی پر۔ حضرت بابا سائیں کے دو فرزند تھے ایک میاں ڈھیرو اور دوسرے میاں جیون بابا سائیں کے بعد میاں جیون ہی سجادہ نشین ہوئے میاں جیون کے چار فرزند تھے۔

(۱)۔ میاں قادر بخش۔ (۲)۔ میاں کرم بخش۔

(۳)۔ میاں الٰہی بخش۔ (۴)۔ میاں شمس الدین۔

میاں شمس الدین میاں جیون کے خلیفہ اور سجادہ نشین تھے بوستان قلندریہ کے مطابق میاں شمس الدین کو اکثر بزرگانِ قادریہ قلندریہ سے فیض ملا انکا بچپن یتیمی میں گزرا لیکن خاندان کی ارواح مقدسہ ہمیشہ ان پر سایہ فگن رہیں۔ انہوں نے گجرات سے دینی تعلیم حاصل کی اور فراغت کے بعد جب حضرت پیرے شاہ غازی کے آستانہ کی خدمت شروع کی تو انہوں نے روحانی کمال سے ان کو ولی کامل بنا دیا وہ صاحب کرامت بزرگ ہو گئے ان کی کرامت کا شہرہ عام ہو گیا۔

میاں محمد بخش نے بوستان قلندریہ میں جتنا تذکرہ اپنے والدِ گرامی میاں شمس الدین کا کیا وہ سب

آپ کی کرامات ہی ہیں اور تذکرہ کئی صفحات پر پھیلا ہوا ہے لیکن یہ بات مسلمہ ہے کہ حضرت بابا سائیں دین محمد کے طفیل اس خاندان پر حضرت پیرے شاہ غازی کی خاص نظرِ کرم رہی اور اسی کے اثر سے اس خاندان کے چشم و چراغ حضرت میاں محمد بخش عارف کھڑی نے اپنے مرشد اور اپنے خاندان کا نام درخشندہ آفتاب کی طرح قیامت تک روشن کر دیا جس کی ضیائیں وقت کے ساتھ ساتھ چاروں طرف پھیلتی جاتی ہیں اور اہلِ دل کے درد کا درماں ثابت ہوتی ہیں۔ (۳)

حضرت میاں محمد بخش کی پیدائش:

حضرت میاں شمس الدین کے تین فرزند میاں بہاول بخش، میاں علی بخش، میاں محمد بخش تھے۔ میاں محمد بخش عارف کھڑی کی پیدائش 1246ھ/1826ء کو صبح صادق کے وقت بمقام کھڑی شریف میر پور آزاد کشمیر میں ہوئی۔ جس کمرے میں آپ تولد ہوئے وہ بوقت ولادت قدرتی روشنی سے منور ہو گیا ان کی والدہ ماجدہ حیران ہو کر سہم گئیں مگر بعد میں انہیں اندازہ ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اس بچے کا نام چاروں طرف روشن رکھے گا اس کو بزرگی اور عظمت نصیب ہو گی آپ کی عمر پانچ یا چھ سال تھی کہ ایک دفعہ بگا شیر ولی کی درگاہ عالیہ کے سجادہ نشین صاحبزادہ عبدالحکیم کھڑی شریف تشریف لائے دربار پر حاضر کے دوران جب آپ کی نظر اس گوہر گرانمایا پر پڑی تو انہوں نے حضرت میاں صاحب کی والدہ ماجدہ سے کہا کہ اس بچے کی پرورش پر خصوصی توجہ دیں کیونکہ انہیں میاں صاحب کی پیشانی کے آثار نظر آنے لگے۔

بچپن:

حضرت میاں محمد بخش کا بچپن کھڑی شریف میں ہی گزرا آپ عموماً ہم عمر لڑکوں سے الگ تھلگ ہی رہتے تھے میلان طبیعت بچپن ہی سے سوچ بچار دین، محبتِ الٰہی اور محبتِ رسول ﷺ کی طرف مائل تھا گھر

میں ماحول انتہائی سادہ علمی اور مشفقانہ ملا آپ کی طبیعت بچپن ہی سے فقیری کی جانب مائل ہوگئی شوق ایسا غالب آیا کہ ایک روز دوپہر کے وقت آپ کے والد میاں شمس الدین چادر اُوڑھے ہوئے آرام فرما رہے تھے کہ میاں صاحب ان کے قدموں کی طرف بیٹھ گئے اور پاؤں دبانے لگے اور میاں شمس الدین کے استفسار پر اپنا نام بتایا اور سچا فقیر بننے کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت میاں شمس الدین نے جب چھوٹے معصوم کی یہ تمنا سنی تو ان کو سینے سے لگایا اور نہایت عجز وانکساری سے یوں بارگاہِ الٰہی میں ملتجی ہوئے اے میرے پروردگار تو علیم و بصیر ہے میرے اس کمسن بیٹے نے مجھ سے کبھی کسی دینوی کام یا جسمانی حاجت کی آرزو نہیں کی بلکہ تیری رضا کا طلبگار رہا میں اسے تجھ کو سونپتا ہوں یا اللہ اس کو اپنے نیک بندوں کی صف میں شامل کرنا آمین سبحان اللہ ایک معصوم کے لئے ولی کامل اور شفیق باپ کی زبان سے نکلے ہوئے حروف عین شرف قبولیت ہوئے حضرت میاں صاحب میں شوق کی عجیب کیفیت تھی آپ کے مندرجہ ذیل دوہڑے سے اہل شوق اندازہ کرسکتے ہیں کے آپ عشقِ رسول ﷺ میں کس حد تک فنا ہو چکے تھے۔

کی گل آکھ سناواں سجناں درد فراق ستم دی
آیا حرفِ زبان پر جس پھٹ گئی جیو قلم دی
چٹا کاغذ داغی ہو یا پھر سیاہی غم دی
دکھاں کیتاں زور محمد خبر سی دم دی

تعلیم:

حضرت میاں محمد بخش نے ابتدائی تعلیم گھر میں ہی حاصل کی اور اس کے بعد حافظ محمد علی سے زانوئے تلمذ طے کیا ان کی درسگاہ سموال شریف میں تھی آپ کا معمول تھا کہ آپ مولانا جامی کی یوسف زلیخا کی کتاب جماعت سے الگ بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے آپ کے ایک بھائی ناصر صاحب بھی اس مدرسے میں

موجود رہتے تھے اور انکی حالت مجذوبانہ تھی ان پر اکثر اوقات محویت کی کیفیت طاری رہتی تھی ایک دن میاں صاحب اپنے بھائی سے مل کر ترنم سے یوسف زلیخا پڑھنے لگے ناصر صاحب جھوم اٹھے ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے میاں صاحب نے ختم کیا تو کہنے لگے صاحبزادے ایک دفعہ پھر سناؤ میاں صاحب نے عرض کی پھر تب سنائیں گے کہ آپ دعا فرمائیں ہمیں تمام نصابی کتابیں زبانی یاد ہو جائیں۔ انہوں نے یہ شرط منظور کر لی میاں صاحب اپنے بھائی کے ساتھ مل کر ایسے پُر سوز انداز میں یوسف زلیخا پڑھا کہ ایک سماں بندھ گیا۔ ناصر صاحب دیر تک جھومتے رہے اور روتے رہے جب آپ نے اس کا ایک باب ختم کیا مجذوب ناصر صاحب نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ تم پر دین اور دنیاوی علوم کے دروازے کھولے اس کے بعد فی الواقع میاں صاحب کی کیفیت بدل گئی اس دعا کا اثر تھا کہ حضرت میاں صاحب کو چھوٹی عمر میں ہی عربی اور فارسی زبانوں پر عبور حاصل ہو گیا۔ علومِ شرعی اور دنیاوی علوم میں عالم و فاضل ہو گئے آپ دوران طالب علمی ہی میں اشعار کہنے لگے۔ (۴)

آپ نے پنجابی زبان میں اپنے دوست کو خط لکھا اس میں اردو بھی شامل ہے یہ خط اردو اور پنجابی کا حسین امتزاج ہے اس کے چند اشعار یہ ہیں۔

یہ نامہ ہے بنام خالق پاک
دیا جس نے اسے ایمان کا نور
ہوئے جس سے منور تیرا گوں خاک
قصور ہوتے کیا پھر اس کو مغفور

آخری شعر اس طرح ہے:

اسی کے ساتھ اپنی دوستی کی
رکھوں گا پھر امید اس طور پر کیا

اسی کو معرفت اپنے کے بعد دی

جنازے پر نہ پہنچے گور پر کہاں پہنچے (۵)

میاں صاحب کا ایک طویل خط ہے جس کے چند اشعار عرض کئے گئے یہ وہ اشعار ہیں جو میاں صاحب کے ابتدائی دور کے ہیں آپ نے پنجابی زبان کو ترقی یافتہ زبان بنانے کی ایک انتہائی کوشش کی ہے۔(۶)

آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ پنجابی زبان وادب کو ترقی دینے میں صرف ہوا ہے اوپر کے اشعار آپکی ابتدائی شاعری کا نمونہ ہیں ان میں اردو اور پنجابی دونوں زبانوں کی ملاوٹ ہے اردو الفاظ کو پنجابی زبان کا لباس پہنایا گیا ہے لب ولہجہ انداز بیاں بالکل پنجابی ہے آج سے سوسال قبل پنجابی میں اردو کو سمونے کی جو کوشش میاں صاحب نے کی وہ آج اپنی انتہا پر ہے۔ یعنی پنجابی زبان اپنے اندر بے انداز اردو اور فارسی الفاظ جذب کر رہی ہے۔(۷)

المختصر حضرت میاں محمد بخش تفسیر، فقہ، اصول، منطق، حدیث اور دیگر علوم وفنون سموال شریف کی مشہور درسگاہ میں فاضل اجل علامہ غلام حسین سموالوی سے حاصلی کی۔

سلسلۂ طریقت:

میاں محمد بخش کا سلسلہ طریقت قادری، قلندری مجروی تھا روحانیت میں آپ کا شجرۂ نسب اس طرح ہے۔ میاں محمد بخش۔ حضرت شاہ محمد امیر بالا پیر۔ حضرت محکم دین شاہ محمد مقیم حجرہ شاہ مقیم حضرت سید ابوالعمالی قادری حجروی۔ حضرت سید نور محمد۔ حضرت بہاول شیر قلندر۔ حضرت عبدالجلال صحرائی۔ حضرت محمود شاہ۔ حضرت علاؤ الدین۔ حضرت شہاب الدین جیلانی قطب ربانی غوث صمدانی۔

زُھد و ریاضت اور مجاھدات:

حضرت میاں صاحب جب ظاہری علوم حاصل کر چکے تو تنہا جنگلوں اور بیابانوں میں مصروف عبادت ہو گئے شب و روز عبادت میں مصروف رہتے کوہ و دشت میں بغیر آب و غذا کے رواں دواں رہتے کئی روز تک بغیر خورد و نوش کے سفر کرتے رہتے کئی دفعہ شیطان سے آمنا سامنا ہوا مگر آپ کے پائے استقلال میں ذرا بھر بھی فرق نہ آیا انہی دونوں جب حضرت میاں صاحب ایک جنگل سے گزر رہے تھے آپ کو ایک باکمال بزرگ ہستی سے ملاقات کا شرف نصیب ہوا میاں صاحب فرماتے ہیں جونہی میں نے ان بزرگ کو دیکھا میرے دل نے گواہی دی کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں اس وقت میاں صاحب کا لباس ایسا تھا کہ ناواقف کو یہ گمان نہیں ہو سکتا تھا کہ آپ فارسی زبان جانتے ہوں گے دوران گفتگو جب ان پر یہ حقیقت کھلی کہ ان کے مخاطب حضرت میاں صاحب اچھی طرح فارسی زبان جانتے ہیں تو وہ بہت خوش ہوئے اور دیر تک باتیں کرتے رہے گفتگو کے دوران اچانک اس بزرگ ہستی نے حضرت میاں صاحب کا دایاں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا جنگل کی طرف چند قدم آگے بڑھ کر ایک سبز بوٹی کے پاس جا کر ٹھہرے بوٹی کو زمین سے اکھاڑ کر میاں صاحب سے مخاطب ہوئے اگر تمہاری خواہش ہو تو اس بوٹی سے جو اپنے اندر اثر رکھتی ہے تمہیں زر خالص بنانے کا راز بتا دوں حضرت میاں صاحب نے نہایت ادب کے ساتھ بزرگ کو جواب دیا اگر دولت میری حاجت روائی کر سکتی تو اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے میرے گھر میں کافی تھی پھر گھر کو خیر آباد کہہ کر یوں جنگل اور بیابانوں کی خاک چھاننے کی کیا ضرورت تھی مجھے تو ایسے کیمیا گر کی جستجو ہے جو میرے قلب کی ماہیت کو بدل دے اور اس میں سوائے درد اور شوق کے باقی کچھ نہ چھوڑے۔

چاہیئے عشق سیاہی ایسا میں نوں مار گواوے

تھانہ کڈھ طبیعت والا صفتاں سب بدلا دے

یعنی عشق ایسا ہو جو تمام خواہشات نفسانی کو مٹا دے اندرونی لوح پیدا کر دے۔ حضرت میاں

صاحب سے یہ باتیں سن کر انہوں نے تبسم فرمایا اور جلد ہی وہاں سے رخصت ہو گئے کچھ عرصہ بعد پھر وہ بزرگ جنگل میں تشریف لائے۔ اتفاق سے میاں صاحب موجود تھے آتے ہی میاں صاحب سے فرمانے لگے ہم قندھار سے آئے ہیں آپ کو ایک ایسا عمل بتائیں گے جن سے تمام جنگل کے جانور آپ کے تابع ہو جائیں گے مگر میاں صاحب اس مقام سے بہت آگے نکل چکے تھے ان دنوں میں آرزوئے شوق چٹکیاں لے رہی تھی آپ کے دل میں فقط ایک ہی تمنا تھی اور وہ کیا تھی؟

سیف الملوک کرے اُٹھ عرضاں سن شاہ بابل میرے
جے سب آن بہشتی حوراں میرے پھرن چو فیرے
خواہش نال نہ دیکھا کوئی بانجھ بدیع الجمال
دوئے جہاں نہ بھاون مینوں اسدی طلب کمالوں (۸)

بدیع الجمال، محبوبِ حقیقی کے بغیر حوران بہشت اور دونوں جہاں شہنشاہ میں بھی میرے لئے کشش نہیں بلکہ مجھے اس سے نفرت ہے۔

حضرت میاں صاحب نے اس بزرگ ہستی سے صرف اپنا مقصد اعلیٰ حاصل کرنے کی جدو جہد میں کامیابی کے لئے دعا کی التجا کی انہوں نے حضرت صاحب کے حق میں دعا فرمائی اور وصیت اور عمل بتلا کر آپ سے رخصت ہو گئے حضرت میاں صاحب نے ان بزرگ صاحب کا نام کسی کو نہیں بتایا اس طرح یہ صیغہ راز میں رہا۔ (۹)

یوں محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رجال غیب کے طور پر ان بزرگ کو میاں صاحب پر معمور کیا جو اپنا فرض ادا کر کے روپوش ہو گئے۔ جس زمانے میں حضرت میاں شمس الدین کی رحلت ہوئی میاں صاحب پندرہ، سولہ سال کے تھے والد کی وفات کے بعد چار سال تک گھر پر موجود رہے اس کے بعد گھر کی سکونت ترک کر کے دربارِ عالیہ حضرت پیر پیرے شاہ غازی کے ساتھ رہنے لگے صبح و شام دربارِ عالیہ کی جاروب کشی

کی خدمت اپنے ذمہ لے لی کیونکہ ان کے لئے یہ سعادت ازلی وابدی تھی پھر متواتر 14 برس تک وہ رات دن حضرت پیرے شاہ غازی کے دربار پر رہ کر انکے عقیدت مندوں کی خدمت کرتے رہے کیونکہ دنیاوی کاروبار اور مال و دولت سے انہیں کوئی علاقہ نہ تھا ایک رات حضرت پیرے شاہ غازی کے مزار کے قریب بیعت کے لئے استخارہ کیا تو خواب میں حضرت پیرے شاہ غازی انہیں بالکل اسی طرح ملے جیسے بیداری کی حالت میں کسی سے ملاقات ہوتی ہے انہوں نے فرمایا اے فرزند باطنی طور پر تم میرے ہی مرید ہو البتہ ظاہری طور پر سائیں غلام محمد صاحب کلروڑی کے ہاتھ پر بیعت کرو جب حضرت پیرے شاہ غازی کے حکم پر میاں صاحب کلروڑی گئے تو دیکھا کہ حضرت سائیں غلام محمد دنیا و مافیہا سے بے نیاز حالت استغراق میں ہیں وہ ایک متمول خاندان کے چشم و چراغ تھے مگر اللہ تعالیٰ نے جب انہیں اپنے برگزیدہ بندوں میں شامل کیا تو ان کی دنیا ہی بدل گئی تھی۔ ملاقات کے بعد جب میاں صاحب نے حضرت پیرے شاہ غازی کا ارشاد سنایا تو فرمایا کچھ دن صبر کرو اس طرح کئی سال گزر گئے جب بھی میاں صاحب حاضر ہوتے بیعت کی درخواست کرتے آپ یہی ارشاد فرماتے صبر کرو بالآخر ایک دن انہوں نے حضرت میاں صاحب کو حضرت بدو شاہ ابدال کے مزار کے متصل بٹھا کر بیعت کی شرطیں بتائیں پھر بیعت لینے کے بعد ارشاد فرمایا کشمیر کے ایک بزرگ شیخ احمد ولی کے پاس تمہارا حصہ ہے آپ ان کے دربار پر حاضری دے کر اپنا حصہ ان سے لے لیں۔(۱۰)

سفرِ کشمیر: (سری نگر)

حضرت سائیں غلام محمد کے حکم سے میاں صاحب سری نگر کی طرف روانہ ہوئے تا کہ حضرت شیخ احمد ولی سے اپنا باطنی فیض حاصل کریں کیونکہ ان کے باطنی فیض کا حصہ ان کے پاس امانت تھا۔ حضرت احمد ولی ولائیت میں نہایت اعلیٰ وارفع مقام رکھتے تھے فیوض و برکات کے متمنی ہزاروں لوگ آپ کے دربار آتے

لیکن آپ کی ملاقات کم ہی ہوتی تھی کیونکہ آپ زیادہ تر کوہ بیاباں میں مستغرق ریاضت وعبادت رہتے تھے سیر و سیاحت میں بھی مصروف رہتے۔ حضرت میاں صاحب جب سری نگر پہنچے تو آپ پابرہنہ تھے تہبند اور کرتا میں ملبوس تھے اور ایک کمبل اوڑھے ہوئے تھے اور سارا سفر پیدل ہی کیا۔ حضرت میاں صاحب کی راستے میں لوگوں سے ملاقات ہوئی جو دو دو تین تین ماہ حضرت شیخ احمد ولی کا انتظار کر کے واپس جارہے تھے انہوں نے میاں صاحب کو بتایا کہ ان سے ملاقات ناممکن ہے مگر حضرت میاں صاحب کے پائے استقلال میں ذرا بھی فرق نہ آیا بقول میاں صاحب۔

لوڑن والا رہیا نہ خالی جس لوڑ کیتی پکی
لوڑ کریندا جو مڑ آیا لوڑ اوہدی گن کچی

حضرت میاں صاحب سری نگر پہنچ کر اس محلے میں گئے جہاں حضرت شیخ صاحب کا قیام تھا تو دروازہ بند تھا آپ نے دستک دی تو دروازہ کھلا تو آپ نے دیکھا ایک فرشتہ صورت انسان تخت پر بیٹھ کر قرآن پاک کی تلاوت کر رہا تھا حضرت میاں صاحب اس نوجوان سے اجازت لے کر اندر داخل ہوئے اور اپنے آنے کا مقصد بیان فرمایا نوجوان نے جواب دیا کہ مکان شیخ صاحب ہی کا ہے مگر وہ اس وقت یہاں موجود نہیں ہیں وہ دو ماہ کے عرصے میں کسی وقت تشریف لاتے ہیں ان کی تشریف آوری کا کوئی وقت یا دن مقرر نہیں ہے نیز یہاں ان کا قیام نہایت مختصر ہوتا ہے حضرت میاں صاحب یہ باتیں سن کر سوچ رہے تھے کہ اب کیا ہو اچانک بیرونی دروازہ کھلا ایک نورانی بزرگ اندر داخل ہوئے ان کے دائیں ہاتھ میں عصا تھا اور حضرت میاں صاحب سے ایسے ملے جیسے کوئی دیرینہ آشنا ملتے ہیں۔ میاں صاحب کو بھی یقین ہو گیا کہ جس در مقصود کی تلاش تھی وہ مل گیا حضرت شیخ صاحب نے فارسی زبان میں گفتگو کا آغاز کیا حضرت میاں ساحب سے سفر وغیرہ کے حالات دریافت کئے حضرت میاں صاحب نے پھر مقصدِ سفر بیان کیا اور اپنا نام اور وطن بتایا حضرت شیخ صاحب نے دوران گفتگو جب حضرت پیرے شاہ غازی کا اسم مبارک سنا اشارتاً سر کو خم کر کے

ادب بجالائے اور میاں صاحب کے شانے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا ''زیرک ہستی'' کچھ ٹھہرنے کے بعد حضرت میاں صاحب نے واپسی کے لئے اجازت چاہی تو حضرت شیخ صاحب نے چند رائج الوقت سکے میاں صاحب کو دیئے اور فرمایا کہ کوچا ہائے سری نگر گندھے ہیں اور آپ ایک مرد نمازی ہیں گھاس کے پاپوش جو بازر میں فروخت ہوتے ہیں خرید کر پہن لیں اور فرمایا جب وطن واپسی کا ارادہ ہو تو اسی جگہ تشریف لائیں انشاءاللہ ضرور ملاقات ہوگی اس کے بعد حضرت شیخ صاحب اس نوجوان کو جو تخت پر بیٹھ کر تلاوت کر رہا تھا کو ساتھ لے کر نکلے اور میاں صاحب مزارات کی زیارت کے لئے نکلے۔

ان دنوں سری نگر کا حاکم اعلیٰ دیوان ہشپت رائے تھا جو حضرت میاں صاحب کا نادیدہ محبّ تھا اور فقراء کا بہت بڑا عقیدت مند تھا خود عالم تھا اور حضرت میاں صاحب کے اوصاف کے بارے میں اس نے سید باقر علی شاہ (جو مہاراجہ کشمیر کے درباری تھے اور حضرت میاں صاحب اور دیوان ہشپت رائے کے قریبی دوست تھے) سے سن رکھے تھے اور ان کے دیدار کا مشتاق تھا۔ حضرت میاں صاحب حضرت شیخ صاحب سے رخصت کے بعد مزارات مقدسہ کی زیارت کے لئے نکلے پہلے شیخ نورالدین ولی کے مزار پر حاضری دی پھر درگاہ حضرت بل اس دوران ہشپت رائے کے کسی ملازم نے آپ کو شناخت کر لیا اور فوراً آپ کی موجودگی کی اطلاع دیوان کو کرادی جو چند معززین کے ہمراہ حضرت میاں صاحب کے قدم بوس ہوا اور آپ کو رہائش گاہ پر لے گیا جب سید باقر علی شاہ کو اطلاع ہوئی تو وہ بھی آپ کی ملاقات کے لئے حاضر ہوئے آپ کے ایک ماہ کے قیام کے دوران آپ کی خورد و نوش اور رہائش کا انتظام سید باقر علی شاہ کے ذمہ رہا۔ ایک ماہ بعد حضرت میاں صاحب رخصت ہو کر حضرت شیخ احمد ولی کی درگاہ پر تشریف لائے وہاں حالات حسب سابق تھے حضرت میاں صاحب اندر داخل ہوئے وہ نوجوان اسی طرح تخت پر تلاوت قرآن میں مصروف تھا ادھر میاں صاحب اندر داخل ہوئے ادھر حضرت شیخ احمد ولی بھی آگئے شاید اسی کی منظر کشی میاں صاحب نے اس طرح کی۔

دل مومن دا شیشہ بنیا اک دوجے دے کارن

پر جاں سان عشق دی دھر کے خوب زنگارا تارن

گگن بتال نہ چھپن دیندا چیز تکے ہر دل دی

دور بین انگریزی لاکھاں اس اک نال نہ رلدی

حضرت شیخ صاحب نے آتے ہی حضرت میاں صاحب کا ہاتھ پکڑ لیا اور آپ کو حجرۂ خاص میں لے گئے (جو حضرت شیخ صاحب کی عبادت خانہ تھا) اور دروازہ بند کر لیا اس سے آگے خلوت کا راز ہے، جس کو میاں صاحب نے افشاں نہیں کیا۔ قطرے کو گوہر بننے تک بیشک مدتیں درکار ہوتی ہیں لیکن مومن کی ایک نگاہ سے دل کی حالت کو فوراً بدل دیتی ہے۔ گوشت وخون کا یہ لوتھڑا جب قلب سلیم کی منزل کو پہنچتا ہے تو اس میں کیا صفات پیدا ہوتی ہیں میاں صاحب فرماتے ہیں۔

نور یقینوں روشن ہوکے چمکے نال صفائی

صیقل ہووے تاں سب کچھ وسے نظر کرے ہر جائی

حضرت میاں صاحب نعمت باطنی سے فیض یاب ہو کر حضرت شیخ احمد ولی سے رخصت ہوئے تو عرصہ دراز تک تنہا جنگلوں اور بیابانوں میں مصروفِ ریاضت رہے جوں جوں عشق ﷺ میں آپ کا شوق بڑھتا گیا توں توں دردِ جگر سے اشعار کے سوتے پھوٹتے گئے آپ نے اہلِ پنجاب وکشمیر کے دلوں میں اپنے پُرتاثیر اور اپنے پُرسوز اشعار کے ایسے تیر چبھوئے کہ ان کے درد کی لازوال کسک سے تمام پنجاب گونج اٹھا۔

درد منداں دے سخن محمد دین گواہی حالوں

جس پلے پھل بدے ہون آوے باس رومالوں (۱۱)

حضرت میاں صاحب کا شخصی کمال:

سری نگر سے واپس آ کر حضرت میاں صاحب نے اپنے کچے اور انتہائی سادہ مکان میں اقامت اختیار کی جس کا ایک حصہ چلہ کشی اور ریاضت کے لئے مخصوص تھا اس کے ساتھ ایک بڑا کمرہ آپ کے اسپ ہائے تازی کے لئے اصطبل کے طور پر استعمال ہوتا تھا آپ کا یہ مکان چار دیواری دربار شریف سے مشرق کی جانب واقع ہے اس کے صحن میں وہ مشہور پتھر کی سلیں پڑھیں ہیں جن پر بیٹھ کر آپ نے اپنی تخلیق سیف الملوک کے کچھ حصے کی تکمیل کی آپ کے پاس ہر وقت لوگوں کا ہجوم رہتا جن میں اہلِ علم حضرات، اہلِ شوق زائرین، شاعروں اور حاجت مندوں کی کافی تعداد موجود رہتی ایک ولی اللہ، ایک سجادہ نشین اور ایک شاعر ہونے کے ناطے آپ کی زندگی انتہائی مصروف ترین زندگی تھی جتنا عرصہ بھی آپ کھڑی شریف رہتے آپ کا معمول اس طرح تھا آپ نمازِ فجر کے بعد حضرت پیرے شاہ غازی کے دربار پر حاضری دیتے اس وقت آپ کا عز و نیاز اپنی مثال آپ تھا جتنی دیر آپ دربار کے اندر رہتے آپ پر جذبہ عشق غالب رہتا آنکھیں اشک بار رہتیں چہرے کی رنگت ذرد و سوز سے زرد حضرت پیرے شاہ غازی سے آپ کو وہی نسبت تھی جو امیر خسرو کو محبوب سبحانی، حضرت نظام الدین اولیاء سے تھی جس طرح حضرت معین الدین چشتی اجمیری نے حضرت داتا علی ہجویریؒ کے مزار پر چلہ کشی کی اسی طرح حضرت میاں صاحب نے بھی حضرت پیرے شاہ غازی کے مزار مبارک کے ساتھ چھوٹی سی ڈیوڑھی میں ایک نہایت مختصر سے حجرہ میں چلہ کشی کی جب میاں صاحب حضرت پیرے شاہ غازی قلندر کے مزار مبارک سے باہر تشریف لاتے تو ایسا محسوس ہوتا جیسے آپ کے جسم مبارک میں کافی نقاہت پیدا ہوگئی ہے مگر جونہی آپ آ کر مجلس میں بیٹھتے جہاں صدہا لوگ آپ کے انتظار میں ہوتے نقاہت غائب ہو جاتی اور چہرے کی سرخی لوٹ آتی آپ لوگوں کے مسائل سنتے ان کے لئے دعا کرتے اور آپ کے فیوض و برکات سے بہرہ ور ہو کر لوگ گھروں کو لوٹتے مجلس میں علماء کی بھی کثیر تعداد ہوتی جو آپ سے مسائل دریافت کرتے آپ ہر مسئلہ پر سیر حاصل بحث کرتے اکثر زائرین دنیوی

مشکلات میں گھرے لوگوں کی ہوتی آپ ان کے لئے دعا فرماتے آپ غرباء اور ضرورت مندوں کی مالی امداد بھی فرماتے انسانیت کی خدمت حضرت میاں صاحب کا محبوب مشغلہ تھا۔

ساداتِ کرام کا احترام:

سردارِ دو عالم ﷺ سے اپنی نسبت غلامی کے باعث اہلِ بیت و سادات کے خلاف کسی طرح کی کوئی بات سننا گوارہ نہ فرماتے ایک دفعہ ایک مال افسر جو میرپور تعینات تھے اور حضرت میاں صاحب کے عقیدت مند تھے ایک سید صاحب جو کلرک تھے اور ان کے دفتر میں کام کرتے تھے کسی جرم کی پاداش میں معطل کردیا وہ کلرک (سید صاحب) حضرت میاں صاحب کے پاس آئے اور شکایت کی کہ حضور ایک عیالدار آدمی ہوں اور آپ کا عقیدت مند فلاں افسر نے نوکری سے برخاست کردیا میرا اور کوئی ذریعہ معاش نہیں آپ ان سے فرمائیں بحال کردیں اس کے بعد وہ افسر مذکور دو تین بار میاں صاحب کے پاس آئے حضرت میاں صاحب ان سے بات چیت کئے بغیر اُٹھ کر چلے جاتے میاں صاحب کے جلال کی وجہ سے ناراضگی کی وجہ بھی دریافت نہ کرسکے آخر سائیں نجیب اللہ کے ذریعہ پتا چلا کہ ناراضگی کی وجہ شاہ صاحب کی معطلی ہے ایک دن جرأت کرکے عرض کی حضور شاہ صاحب کا جرم اتنا ہے کہ ان کو نوکری سے برخاست کردیا جاتا مگر میں نے صرف معطل ہی کیا ہے حضرت میاں صاحب نے فرمایا سادات پر یہ الزام کوئی نیا نہیں۔ یزید ملعون نے بھی حضرت امام حسین ؓ پر یہی الزام لگایا تھا کہ وہ سلطنت کے باغی ہیں اور کام میں بے جا مداخلت کررہے ہیں اگر آپ میری خوشنودی چاہتے ہیں تو ان سید صاحب کو فوراً بحال کراؤ اور پھر میرے پاس آنا مال افسر نے فوراً دفتر جاکر دوڑ دھوپ کرکے ان سید صاحب کو بحال کروایا اور میاں صاحب کو فوراً بحالی کی اطلاع دی آپ سادات کی بہت تعظیم کرتے اگر آپ کی مجلس میں کوئی سید صاحب تشریف لاتے تو آپ ان کی تعظیم میں کھڑے ہوجاتے آپ کے کھڑے ہونے سے تمام لوگ جو آپ کے آس پاس ہوتے کھڑے ہوجاتے آپ

اس وقت تک کھڑے رہتے جب تک سید صاحب بیٹھتے ان سادات میں اکثر آپ کے مرید اور عقیدت مند ہوتے مگر سرکارِ کونین ﷺ کی وجہ سے آپ ان کا احترام فرماتے ایک دفعہ مجلس میں ایک سید صاحب نے آپ کے جوتے اٹھا لئے آپ نے ساری زندگی وہ جوتے نہیں پہنے۔

حضرت میاں محمد بخش کے معمولات:

آپ فجر کی نماز کے بعد مزار شریف حضرت پیرے شاہ غازی پر حاضر ہوتے وہاں سے فراغت کے بعد ظہر تک زائرین سے ملاقات کرتے اس کے بعد پھر آپ عبادت میں مصروف ہو جاتے آپ کے عقیدت مندوں کا سلسلہ جاری رہتا اس لئے بعض اوقات ظہر سے عصر یا مغرب سے عشاء تک لوگ وقفوں میں ملاقات فرماتے۔ آپ فرض اور سنت کے پابند تھے بیشتر وقت عبادت و ریاضت میں گزارتے صوم وصلوٰۃ کے اتنے پابند تھے کہ کبھی بھی آپ کی نماز یا روزہ قضا نہیں ہوا رات کا بیشتر حصہ عبادت و ریاضت میں گزرتا مغرب وعشاء کے درمیان عموماً قصیدہ غوثیہ کا ورد فرماتے جس وقت وظیفہ فرماتے آپ پر رقت اور جذب طاری ہو جاتا کوئی آدمی آپ کے نزدیک نہیں جا سکتا تھا۔ گرمیوں میں حضرت میاں صاحب پنجن پہاڑ پر تشریف لے جاتے پنجن ایک پُر فضا مقام ہے وہاں گرمی محسوس نہیں ہوتی یہ گاؤں پہاڑ کے اوپر میدان میں واقع ہے اس جگہ ہر وقت ہوا چلتی رہتی ہے یہاں بہت سے چیل کے درخت ہیں اور جب ہوا چلتی ہے تو چیل کے پتوں سے سائیں سائیں کی آواز آتی ہے جون اور جولائی کے مہینوں میں بھی یہاں کافی سردی ہوتی ہے رات کو رضائی کے بغیر نہیں سویا جا سکتا۔ وہاں کے لوگ سکھوں کے مظالم کی چکی میں پس پس کر نادار اور غریب ہو چکے تھے۔ حضرت میاں صاحب نے ایک مسجد بھی وہاں تعمیر کروائی اس پر خطیر رقم خرچ کی یہ فنِ تعمیر کا نادر نمونہ ہے اور ایک چشمہ پر بند باندھ کر پانی کا ذخیرہ جمع کیا گیا تا کہ ہر موسم میں لوگوں کی ضرورت پوری ہو سکے تالاب کے پاس ہی ایک بہت بڑا پتھر تراش کر جائے نماز بنوائی تا کہ یہاں آنے جانے والے

نماز ادا کر سکیں وہاں میاں صاحب کا چھوٹا سا کمرہ بھی ہے ان تمام چیزوں کو دیکھ کر میاں صاحب کی زندگی کا احساس ہوتا ہے میاں صاحب دکھی انسانیت کے بہت بڑے ہمدرد تھے۔ پنجن کے لوگ ایک (پڑاٹ) (یعنی جہاں پتھر ہی پتھر ہوتے ہیں پر رہتے ہیں) اس کے باوجود وہاں غلے کے سلسلے میں مطمئن ہیں یہ حضرت میاں صاحب کے فیض اور وہاں قیام کی برکت ہے۔ (۱۲)

مسلمانوں کے محسن اور قوم کے سچے ہمدرد:

جب سے ڈوگرہ خاندان نے ریاست پر اپنا تسلط جمایا تھا مسلمانوں کو خاص طور پر ظلم وستم کا نشانہ بنایا جا رہا تھا مسلمانوں کی معاشی حالت انتہائی ناگفتہ بہ ہو چکی تھی مسلمان غربت و افلاس کی زندگی بسر کر رہے تھے تمام تجارت ہندو بنیوں کے ہاتھ میں تھی سرکاری ملازمتوں کے دروازے مسلمانوں پر بند تھے مسلمانوں سے صرف بیگار کا کام لیا جاتا تھا مسلمان مرد جب بیگار کیمپوں میں ہوتے تو ان کے بیوی بچوں کی دل ہلا دینے والی تنگ دستی سے حضرت میاں صاحب بخوبی واقف تھے اور عموماً ایسے کنبوں کی مالی امداد فرماتے رہتے تھے۔ ۱۳

مہاراجہ کشمیر کی میاں صاحب کی خدمت میں حاضری:

حکمرانِ وقت مہاراجہ پرتاب سنگھ حضرت میاں صاحب کا عقیدت مند تھا بارگاہ ولائیت میں حاضری دینے کے لئے اپنے بھائی اور دیگر کارندوں کے ہمراہ کھڑی شریف آیا تو وہ مرد درویش جس کے قلم کے شہ پاروں نے ایک عالم میں ہلچل مچا دی تھی اپنے کچی سادہ اور پست چھت مکان کے صحن میں ایک بوسیدہ سی چٹائی پر تشریف فرما تھے خدام نے اطلاع دی کہ والی ریاست بارگاہ ولائیت میں حاضری چاہتا ہے تو حضرت میاں صاحب نے ایک نئی چٹائی اندر سے منگوائی اپنے برابر بچھوائی اور خدام سے کہا کہ مہاراجہ کو کہیں کہ اندر

آجائیں مہاراجہ معہ برادر اور رفقاء اندر آیا اور ہندو رسم کے مطابق ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا حضرت میاں صاحب نے مہاراجہ کو بیٹھنے کے لئے کہا جب مہاراجہ اور اس کے تمام حکام بیٹھ گئے تو مہاراجہ نے اپنے ایک وزیر کو نذر اور ہدیہ میاں صاحب کی خدمت میں پیش کرنے کو کہا اس وزیر نے روپوں کی چند تھیلیاں حضرت میاں صاحب کی خدمت میں پیش کیں حضرت میاں صاحب نے روپے واپس کر دیئے اور مہاراجہ سے مخاطب ہو کر کہا فقیر کو روپوں کی ضرورت نہیں اس پر مہاراجہ نے کہا حضرت یہ نیاز حضرت پیرے شاہ غازی قلندر کے لنگر میں شامل فرما دیں حضرت میاں صاحب نے مہاراجہ کو جواب دیا کہ صاحب لنگر اپنے لنگر کا خود ہی انتظام فرما لیتے ہیں اس لئے یہ روپے واپس لے جائیں دراصل میاں صاحب مہاراجہ کو یہ ذہن نشین کرانا چاہتے تھے ظلم و جور سے جمع کیا ہوا یہ روپیہ لنگر میں استعمال کے قابل نہیں ہے آخر مہاراجہ کے بہت زیادہ اصرار پر حضرت میاں صاحب نے فقط ایک روپیہ لیا اور باقی تھیلیاں واپس کر دیں اس کے بعد مہاراجہ نے لنگر کے لئے جاگیریں پیش کیں مگر حضرت میاں صاحب نے وہ بھی مسترد کر دیں اس کے بعد مہاراجہ نے عرض کی یا حضرت میری کوئی نرینہ اولاد نہیں ہے دعا کریں اللہ تعالیٰ مجھ کو وارث عطا کریں اللہ اللہ مردان حق کی نگاہوں میں کیا بات تھی کہ ہندو اور دوسرے مذہب کے لوگ بھی مشکلات اور محرومیوں کے وقت اسلام کی آغوش میں پناہ ڈھونڈتے تھے اور آج مسلمان اپنے دکھوں کا مداوا سوشلزم میں ڈھونڈتے ہیں یہ اللہ کے فقیر بھی عجیب ہیں کہ خود تو حضرت میاں صاحب نے مہاراجہ سے کچھ نہ لیا اس نے تخت کے وارث یعنی اولادِ نرینہ کا سوال کیا تو حضرت میاں صاحب نے دعا فرمائی اور حضرت پیرے شاہ غازی کی ساوی جھنگی میں ایک درخت کے دو سبز پتے مہاراجہ کو عطا کئے اور فرمایا ایک خود کھائیں اور ایک مہارانی کو کھلائیں اللہ تعالیٰ تمہیں بیٹا عطا فرمائے گا اس کو بچپن میں کسی ہندوانہ عبادت خانے میں نہ لے جانا نوجوان ہو کر جو مذہب چاہے اختیار کرے۔

حضرت میاں صاحب نے مہاراجہ پرتاب سنگھ کو وصیت فرمائی:

۱۔ بیگار ختم کر دیں۔

۲۔ علم کی روشنی عام کرنے کے لئے پسماندہ علاقوں میں اسکول کھولے جائیں۔

وہ روانہ ہو گیا۔

حضرت میاں صاحب کی دعا کا اثر:

مہاراجہ پرتاب سنگھ کے ہاں لڑکا پیدا ہوا اس کا نام انہوں نے موتی سنگھ رکھا محلات کی رانیاں حضرت میاں صاحب کی وصیت کے خلاف اس کو ایک ہندو پروہت کے ہاں مندر میں لے گئیں جہاں اس کی فوری موت واقع ہو گئی اور مہاراجہ کو بہت صدمہ ہوا کہ اس کا اکلوتا بیٹا محض ہندو مذہب کی بھینٹ چڑھ گیا۔(۱۳)۔

حضرت میاں صاحب کی خودداری:

میاں صاحب بڑے خوددار تھے بادشاہ امراء، وزراء آپ کی خدمت میں تحائف جاگیریں نقدی پیش کرتے آپ واپس فرما دیتے حضرت میاں صاحب حضور ﷺ کی سنت کے پیکر تھے جس طرح آپ ﷺ کو مال و اسباب پیش کیا جاتا آپ مال اللہ کی راہ میں لوٹا کر فاقہ کرتے اسی طرح میاں صاحب بھی اپنے کچے پست چھت والے مکان کو بادشاہ کے محلات سے افضل سمجھتے آپ اکثر فرماتے فقیر دولت کو کیا کرے گا۔ کوئی تحفہ دیتا اس کو واپس اس سے بڑا تحفہ دیتے ایک دفعہ آپ بیلہ شاہ نواز میں قیام پذیر تھے ایک صاحب

ہندو گنیش مل (جو آپ کا عقیدت مند تھا) نے نہایت قیمتی حمائل شریف اور چند دیگر قیمتی تحائف میاں صاحب کی خدمت میں پیش کیے حضرت میاں صاحب نے اس کے عوض پنڈت گنیش مل کو ایک اعلیٰ نسل کا یارقندی گھوڑا تحفہ میں بخشا پنڈت نے گھوڑا واپس کرتے ہوئے دعا کی درخواست کی اس پر میاں صاحب نے ایک شعر تحریر فرمادیا جو درج ذیل ہے۔

لینا دست دراز کہ جو بخشیں درویش
کار انکار ہنکار ہے پنڈت ستو گنیش

پنڈت کو فوراً قبول کرنا پڑا اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے حضرت میاں صاحب کسی کا حق اپنے ذمے نہیں رہنے دیتے تھے۔ (۱۴)

حضرت میاں محمد بخش کی سخاوت:

آپ کا معمول تھا کہ آپ ضرورت مندوں کی مدد کرتے رہتے تھے آپ کے پاس غریب سفید پوش آتے آپ ان کی مدد فرماتے آپ بھوکوں کو کھانا کھلاتے جو آپ کے پاس آتا حضرت پیرے شاہ غازی کا لنگر جاری رہتا اس کے علاوہ نقدی کی صورت میں بھی آپ لوگوں کی مدد فرماتے آپ نے اپنی زندگی میں بہت سارے لوگوں کو اپنی گرہ سے حج بیت اللہ کروایا ایک دفعہ ایک صاحب جن کو آپ نے حجِ بیت اللہ کے لئے روانہ کیا وہاں جا کر وہ بیمار ہو گئے اور اخراجات میں زیادتی کے باعث ان کے پاس رقم کم ہو گئی اس بیماری کے عالم میں انہوں نے حضرت میاں صاحب سے روحانی امداد طلب کی اس دن ایک کابلی وضع قطع کا آدمی ان کے پاس آیا کچھ رقم ان کو دے کر بغیر اپنا نام بتائے غائب ہو گیا واپسی پر انہوں نے یہ واقعہ حضرت میاں صاحب کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا شاہ صاحب یہ واقعہ کسی کو نہ بتانا یہ صاحب جنہوں نے آپ کو یہ رقم دی یہ سید عبداللہ سکنہ گڈاری تحصیل جہلم کے رہنے والے ہیں۔ (۱۵)

تعمیرات:

حضرت میاں صاحب کو تعمیرات سے بہت لگاؤ تھا آپ نے اپنی زندگی میں بہت ساری تعمیرات کروائی جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت پیرے شاہ غازی قلندر کا مزار تعمیر کروایا اور باہر درخت لگا کر ان کے اردگرد چاردیواری تعمیر کروائی۔ درختوں کے اس ذخیرہ کو آپ نے اپنی تخلیق سیف الملوک میں ساوی جھنگی کا نام دیا آپ فرماتے ہیں۔

ساوی جھنگی جو بن رنگی جلوہ حسن کمالوں
شاخاں مستاں سر لٹکائے دم دم جھولن حالوں

ان درختوں کے حسن کا تذکرہ زبان زد خاص و عام ہے صبح کاذب کے وقت ساوی جھنگی میں طیور چہچہا کر یادِ حق میں مصروف ہوتے ادھر صوفی اور اہلِ سوز کی صبح کی خموشیوں کو توڑتی ہوئی ہو، ہو کی آوازیں دلوں میں پیوست ہوتی جاتی ہیں۔ عرس پاک کے موقع پر جب آپ کے ہزاروں عقیدت مند حاضری کے لئے آتے سخت گرمی میں ساوی جھنگی نے چھوٹے چھوٹے بچوں کو اپنے پروں کے نیچے چھپالیتی ہے۔

۲۔ آپ نے کھڑی شریف حضرت پیرے شاہ غازی کے مزار کے ساتھ ایک مسجد بھی تعمیر کروائی۔

۳۔ آپ نے پنجن بالا جس کا ذکر آچکا ہے میں بھی ایک مسجد تعمیر کروائی۔

۴۔ آپ نے حضرت مرید خان کا مزار تعمیر کروایا۔

۵۔ حضرت بابا جامی بگا شیر کا روضہ تعمیر کروایا۔

۶۔ حضرت میاں شمس الدین کا مزار تعمیر کروایا۔

۷۔ حضرت بابا بدوح پلیر شریف علاقہ اندرہل کا مزار تعمیر کروایا۔

یہ تمام تعمیرات میاں صاحب نے اپنی زیرِ نگرانی تعمیر کروائیں۔(۱۶)

حضرت علامہ اقبال کے متعلق پیشن گوئی:

ایک مرتبہ آپ لاہور شہر میں قیام پذیر تھے حضرت علامہ اقبال کے والد اولیاء اللہ سے بہت محبت کرتے تھے خاص طور پر حضرت میاں صاحب سے بہت عقیدت رکھتے تھے۔ علامہ اقبال (جو اس وقت بچے تھے) کو لیکر حضرت میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کے لئے گزارش کی حضرت میاں صاحب نے اقبال کے سر پر نہایت شفقت اور پیار سے ہاتھ پھیرا اور ان کے والد کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا یہ بچہ امتِ محمد ﷺ کا ایک نہایت دردمند دل ہوگا اور شعر و سخن کے افق پر آفتاب بن کر چمکے گا۔ اس لئے آپ پر لازم ہے کہ ان کی تعلیم و تربیت اور دیکھ بھال میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں۔ علامہ اقبال کے والد نے عرض کیا حضرت یہ بہت ضدی ہے اس پر حضرت میاں صاحب نے فرمایا بڑے لوگ عموماً ضدی ہوتے ہیں آپ لوگ جس چیز کو ضد کہتے ہیں دراصل یہ دوسروں سے اپنی بات منوانے کا جوہر ہوتا ہے یہ ملکہ انہیں قدرت کی طرف سے ودیعت ہوتا ہے اور آپ لوگ اسے ضد کا نام دیتے ہیں بچے کی اس بات پر آپ فکر نہ کریں یہ بچہ ایک دن بڑا آدمی بنے گا اور تمام خاندان بلکہ ملتِ اسلامیہ کے لئے عزت و وقار کا باعث بنے گا۔ اس کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دیں اور علامہ اقبال کو کچھ شیرینی دیکر رخصت کیا وہی بچہ ایک وقت شاعرِ مشرق، مصورِ پاکستان علامہ ڈاکٹر محمد اقبال بنا آپ کی شاعری کسی تعارف کی محتاج نہیں وطنِ عزیز پاکستان کا تصور آپ نے پیش کیا حضرت میاں صاحب کی پیش گوئی حرف بحرف درست ثابت ہوئی۔ (۱۷)

حضرت میاں صاحب اور علامہ اقبال کے کلام میں مماثلت:

حضرت میاں صاحب اور علامہ اقبال کے کلام میں عجیب مشابہت پائی جاتی ہے دونوں حضرات کے مرشد معنوی حضور مولانا روم ہیں اندازِ بیاں اور زبان بے شک اپنی اپنی مگر دونوں کے کلام میں روح ایک ہے سوز ایک ہے اور ایک ہی قسم کا جذبہ کارفرما ہے دونوں کے پیغام کے مرکزی نکات، ہمت جوانمردی،

جوش وولولہ، خودی بے خودی ہیں دونوں کشمیری ہیں دونوں میدان فکرودانش، فلسفہ شعروسخن میں نہایت پرشکوہ شاہسوار کی صورت میں یکے بعد دیگرے نمودار ہوئے دونوں کا مشرب روحانی قادری ہے دونوں کو فارسی اور عربی پر دسترس حاصل تھی دونوں نے فارسی زبان میں بھی شاعری کی حضرت میاں صاحب 1826ء میں پیدا ہوئے 1907ء میں وفات پائی۔(۱۸) حضرت علامہ اقبال 1876ء میں پیدا ہوئے اور 1936ء میں وفات پائی۔

کلام میں مماثلت:

حضرت میاں محمد بخش کا کلام (از سیف الملوک)

بال چراغ عشق دا میرا روشن کر دے سینا
دلی دے دیوے دی روشنائی جاوے وچ زیناں
دیہیں دل عشق دے درداں کارا
سخن بولے محبت دانیارا (نیرنگ خیال)
جس وچ گھجی رمز نہ ہوئے درمنداں دے حالوں
بہتر چپ محمد بخشا سخن اے جہے نالوں
کامل عشق خدایا بخش غیر دلوں مکھ موڑاں
کہو جاناں ہکو تکان کہو آ گہاں لوڑاں
آوے مستی جاوے ہستی بلھے شکل پرستی
پیرا کسیر گھتے ہو سونا ایہہ کھالی جستی
ملک عبادت خاص اندر دائم رہن کھلوتے

پر عشق دی لہر دے اندر مار نہ سکدے غوطے

بھار عشق دا کسے نہ چاہا عذر بہانے

آکھ بلی بلا سیڑی افسانے نادانے(۱۹)

علامہ اقبال کا کلام:

بال جبریل

خدایا آرزو میری یہی ہے

میرا نور بصیرت عام کردے

کانٹا وہ دے جسکی کھٹک لازوال ہو

یارب وہ درد جسکی کسک لازوال ہو

سینہ روشن ہو تو سوز وسخن عین حیات ہے

ہو نہ روشن تو سخن مرگ دوام ہے ساقی

عطا اسلاف کا جذب دروں کر

شریک زمرہ لایحزنوں کر

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں

میرے مولا مجھے صاحب جنوں کر

خطر پسند طبیعت کو سازگار نہیں

وہ گلستان کے جہاں گھات میں نہ ہو صیاد

مقام شوق تیرے قدسیوں کے بس کا نہیں

انہیں کا کام ہے جن کے حوصلے ہیں زیاد(۲۰)

معنی اور مفہوم دونوں کلاموں کا تقریباً ایک ہے علامہ اقبال کی زبان اردو ہے جبکہ میاں صاحب کا کلام پنجابی اور اردو ملی جلی ہے اور پوٹھاری بھی شامل ہے میاں صاحب نے اپنی زندگی میں ہی علامہ کے والد کو نوید سنا دی تھی۔

حضرت میاں صاحب کا کلام:

عشقے دا رخ دیکھ محمد ہووں فیل پیادے
متیں لگے نہ اوٹھ وگے کی مقدور شہزادے
بلی بن کے وڈ دا یار و شیر اندر بن جاندا
خون لئے بن ہاڑ نہ چھڈے بہادروں دا
حسن و جمال تیرا کس کاری عاشق سکدا مری
جان دیدے نابینے ہوئے فرسرمہ کی کرسی

علامہ اقبال کا کلام:

کبھی آوارہ و بے خانماں عشق
کبھی شاہ شہاں نو شیرواں عشق
کبھی میدان میں آتا ہے زرہ پوش
کبھی عریاں و بے تیغ و سنان ہے عشق
تیرے شیشے میں مے باقی نہیں ہے

بتا کیا تو میرا ساقی نہیں ہے؟
سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم
بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے (۲۱)

حضرت علامہ اقبال کا حضرت میاں صاحب سے

عقیدت ایک منظر:

تحصیل گوجر خان علاقہ پوٹھوہار کے ایک صاحب جو کافی عمر رسیدہ ہو چکے تھے ایام جوانی میں بڑے خوش الحان نعت خوان تھے اور وہ بھی حضرت میاں صاحب کا کلام بڑے درد و شوق سے پڑھا کرتے تھے انہوں نے ہمیں بتایا کہ ایک دفعہ لاہور میں جب کہ وہاں نعت کے لئے بلائے گئے ایک اردو نعت پڑھنے کے بعد میاں صاحب کا کلام شروع کر دیا وہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ میاں صاحب کے کلام کے دوران تمام جلسے پر وجد طاری تھا اور اس جلسے میں اسٹیج پر علامہ اقبال بھی تھے علامہ اقبال کی طرف دیکھا تو وہ نہایت ذوق سے میاں صاحب کا کلام سن رہے تھے اور ان پر رقت طاری تھی جب سیف الملوک پڑھنا بند کیا تو علامہ اقبال پاس بلا کر فرمانے لگے میاں صاحب کا کلام اور سناؤ پھر سنانا شروع کیا پھر جب ختم کیا علامہ اقبال سے پوچھا جناب اور سناؤں کہنے لگے ضرور ضرور سناؤ اہلِ جلسہ کی طرف دیکھا تو محسوس ہوا کہ میاں صاحب کے کلام سے اور تڑپ پیدا ہو رہی ہے پھر جب سنا کر ختم کیا تو دیکھا کہ علامہ اقبال کی آنکھیں پرنم تھیں اور پاس بیٹھے ایک صاحب سے کہہ رہے تھے میاں صاحب کے کلام میں انتہا کا سوز ہے۔ (۲۲)

حضرت میاں صاحب کا عشق رسول ﷺ:

حضرت میاں صاحب کا معمول تھا کہ ہر سال نہایت شوق سے چک جانی ضلع گجرات میں

رسول ﷺ کے موئے مبارک کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے جن لوگوں نے حضرت میاں صاحب کو وہاں جاتے ہوئے دیکھا ان کا بیان ہے کہ خاص اہتمام سے میاں صاحب چک جانی کی حدود میں داخل ہوتے آنکھوں سے پانی کے چشمے اُمڈ پڑتے اور اس مقام تک پہنچتے پہنچتے جہاں حضور ﷺ کا موئے مبارک رکھا ہوا تھا آپ کی ریش مبارک اور آپ کے پیراہن کا سامنے کا حصہ آنسوؤں سے تر ہو جاتا تھا چک جانی ابھی دو میل کے فاصلے پر ہوتا تو آپ گھوڑی کی سواری چھوڑ کر پیدل چلنا شروع کر دیتے نہایت ادب کے ساتھ زیارت کرتے اور واپسی پر الٹے پاؤں تشریف لاتے پیٹھ ادھر نہ کرتے گاؤں کی حدود سے نکل کر گھوڑی پر سوار ہوتے۔

حضرت میاں محمد بخش کی اپنے اساتذہ سے عقیدت:

حضرت میاں محمد بخش کو اپنے استاد حافظ غلام حسین سے بڑا لگاؤ تھا وہ آپ کی خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے ہمیشہ عزیز رکھتے تھے آپ کو پیار اور محبت بھری نظروں سے دیکھتے جیسے کسی سونار کے پس کوئی قیمتی ہیرا آتا ہے تو وہ سوچتا ہے اس کو کیسے رکھا جائے کہ یہ بہت خوبصورت رہے۔ حضرت میاں صاحب اپنی معروف زمانہ تصنیف سیف الملوک میں اپنے استاد مکرم و محترم کی شان میں دراستدعا والتماس پیش ایں شان کہ قصہ را اصلاح دھند کے عنوان سے سولہ اشعار پر مشتمل نظم لکھی اس نظم میں اپنے استاد کے نام کو کمال ادب سے ذکر کیا تاریخ میں ایسی مثالیں خال خال ہی ملتی ہیں۔ آپ کے یہ تین اشعار ملاحظہ ہوں۔

حافظ، عالم، فاضل، صوفی، سالک راہ ہدایت
دائم مست محبت اندر عارف اہل ولایت
خاص غلام امام وڈے دے صاحب میرے سر دے
ہے اوہ خاک اساڈہ سرمہ جس رستے پر چلا دے

سخن میرے جاء پاک بنانوں ہے تو فی آزاداں

چوہڑے دایت مومن ہوندا جاں ملا استاداں

درج بالا اشعار میں آپ کے ادب اوراحترام کی عظیم مثال ملتی ہے اپنے استاد محترم کے نام کو خاص غلام امام وڈے دے سے منسوب فرما کر اپنے کمال مؤدب ہونے کی روشن مثال قائم فرمادی جو رہتی دنیا تک روشن مینار کی مانند قائم رہے گی۔(۲۳)

حضرت میاں بخش کو رومیٔ کشمیر کہنے کی وجہ:

حضرت میاں صاحب نے بیس برس کی محنت شاقہ سے اپنی مثنوی سیف الملوک تصنیف کی اس کو بنظر عمیق دیکھا جائے تو میاں صاحب کے مکمل کلام میں مولانا کی روح بولتی ہے۔مولانا کی مثنوی اپنی جدت اور فکر کی بلندی کے باعث سات صدیاں گزرنے کے باوجود پوری شادابی اور تازگی کے ساتھ انسانی معاشرے میں زندہ ہے آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی ﷺ ان کے معانی اور مفاہم سے استفادہ بلند صوفیانہ افکار، اخلاقی اور تہذیبی نفس کے متعلق تعلیمات، خداشناسی اور خودشناسی کے متعلق معلومات اور انبیاء کرام کے واقعات کا تذکرہ مثنوی مولانا روم کی وہ ممتاز خصوصیات ہیں جسکی بدولت وہ ہمیشہ ہندوستان کے علماء اور صوفیاء کی توجہ کا مرکز بنی رہی ہے مثنوی کے انہی خصائص نے درویشوں، تاریخ نویسوں، دانشوروں اور شاعروں کو اپنے سحر میں مبتلا رکھا اس کے علاوہ مثنوی نے فلسفی، انقلابی اور سیاسی شخصیات کو بھی ان کے اہداف کے حصول میں بے پناہ مدد دی ایسی شخصیات میں میاں محمد بخش ؒ اور علامہ اقبال بھی ہیں جنہوں نے فلسفہ خودی کا درس مولانا روم سے لیا یوں میاں صاحب اور علامہ اقبال کے اشعار میں گہری وابستگی پائی جاتی ہے۔(۲۴) میاں صاحب اپنی شاعری کا مقصد یوں بیان فرماتے ہیں۔

بات مجازی رمز حقانی ون و نال دی کاٹھی

سفر العشق کتاب بنائی سیف چھپی وچ لاٹھی

یہ کتاب تصوف و معرفت کا خزینہ ہے اور سالکین (مسافران راہ سلوک و معرفت) کے لئے کامل رہبر و راہنما ہے اس شعر میں آپ فرماتے ہیں میں نے مجازی عشق کی بات کر کے حقیقی عشق کو آشکار کیا سیف چھپی وچ لاٹھی کا معنی یہ ہے کہ دراصل یہ باہر سے عام چیز نظر آتی ہے اندر اس کے حاصل طریقت و معرفت حقیقت چھپی ہے میاں صاحب نے خود اس حقیقت کا اظہار کیا کہ مولانا روم کا فلسفہ ہی میرا فلسفہ ہے آپ فرماتے ہیں۔

مثنیوں ایہہ معنی لبھن جے کوئی سمجھے بھالے
اس حکایت وچوں جتھوں پیٹوں ناگ نکالے
قصہ سارا دے اشارا جے کوئی سمجھن ہارا
کاہنوں ظاہر کریں محمد گجھا بھیت نیارا

آپ نے واضح فرمایا کہ میرے کلام کا معنی وہی ہے جو مولانا روم کی مثنوی کا ہے پھر فرماتے ہیں:

شاہ شمس تبریزی جو تھا اک گھٹ شرخ شرابوں
ملاں رومی نوں جیوں دتا ہو یا کرم جنابوں
شالا دولو دمڑی ولا جوٹھا اپنا کھانا
دیوے میں بھکھے دے تائیں رج رج موجاں ماناں
جے او مرشد مہریں آوے جو ٹھا گھٹ پلاوے
ملاں رومی والے مینوں سچے سخن سکھا وے

گویا میاں صاحب فرماتے ہیں شاہ شمس تبریز نے مولانا روم کو شراب عشق پلائی اور اسی کا اثر مثنوی روم کی صورت میں انکا فیض جاری ہوا میاں صاحب فرماتے ہیں کہ میں بھی حضرت پیرے شاہ غازی دمڑی

والے کے در کا خادم ہوں اور ان سے التجا ہے کہ مجھے مولانا روم کی طرح کلام میں پختگی پیدا ہو۔ آپ کی التجا قبول ہوئی اور انہی افکار کو آپ نے روشن سے روشن تر کیا اور پنجابی زبان کو ذریعہ کلام بنایا۔ (۲۵)

حضرت میاں محمد بخش کا شعری کمال:

حضرت میاں محمد بخش پیدائشی طور پر شاعر تھے شاعری کے لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں طبع موزوں دی تھی قدرت کاملہ کو یہ منظور تھا کہ ان کا کلام دکھی دلوں کا مداوا ہو اور اپنے اور انکے نام کے ساتھ پورے خاندان کا نام درخشندہ آفتاب کی طرح روشن ہو۔ جس نے سال ہا سال تک حضرت پیرے شاہ غازی قلندر کے دربار کی خدمت کی اور خود حضرت میاں صاحب نے بھی اس دربار کی خدمت کا حق ادا کیا جب کبھی دربار حضرت پیرے شاہ غازی کی خدمت سے فرصت ملتی تو اپنا وقت شعر و سخن پر صرف کرتے یہ بات ثابت شدہ ہے شاعر شاعری کے لئے طبع موزوں لے کر پیدا ہوتا ہے اگر کسی شخص کی سرے سے شاعر کے لئے طبع موزوں نہ ہو تو وہ الفاظ کی ترتیب سیکھنے یا علم عروض جاننے سے شاعر نہیں بن سکتا وہ الفاظ کی ترتیب تو ضرور دے سکتا ہے مگر ان میں شاعرانہ حسن پیدا نہیں کر سکتا اگر اسکی طبع شاعری کے لئے موزوں ہو اور دل میں سوز و گداز کی آگ کا سمندر بھی ہو اور شاعری کے اوصاف اور محاسن سے بھی آگاہ ہو تو یہ عطیہ الہیٰ ہے۔ میاں صاحب فطری اور پیدائشی طور پر شاعر تھے ساتھ ساتھ دردِ دل کی دولت سے بھی مالا مال تھے اور ایک صوفی باصفا اور ایک متقی عالمِ دین تھے خود فرماتے ہیں۔

قصے ہور کسے دے اندر درد اپنے کج ہووں
بے پیڑاں تا شیراں ناہیں بے پیڑے کدروں
درد لگے تے ہائے ہائے نکلے کوئی کوئی رہندا جر کے
دلبر اپنے دی گل کر لئے اوراں نوں منہ دھر کے

جے وچ کجھی رمز نہ ہوئے درد منداں دے حالوں
بہتر چپ محمد بخشا سخن اجئے نالوں
جو شاعر بے پیڑا ہوئے سخن اوہدے وی رکھے
بے پیڑے تھی شعر نہ ہوندا اگ بن دھواں نہ دھکے
دیکھے دیکھی شعر بناؤں شعروں خبر نہ پاون
اس طرح تے صفتا سٹھاں بہتے دوئم بناون
ردی ردیفوں نام نہ جانن قافیوں بدھ نہ کائی
وزن برابر ٹنڈ اجڑ دا صفت رسم نہ بھائی
سخن بھلا جو دردوں بھر یا بن درددوں کج ناہیں
نرا کماداں فرق نہ ہوندا کیا کانیکیا کاہیں
درد منداں دے سخن محمد دین گواہی حالوں
جس پلے پھل بدے ہو ون آوے بورو مالوں

شاعری میں سوز و درد اور درد و گداز کی کیا اہمیت ہے اس کی تشریح میاں صاحب نے متذکرہ بالا اشعار میں اس طرح کردی ہے کہ اس سے اچھی وضاحت ممکن نہیں۔ یہ سچ ہے کہ میاں صاحب شاعری کے اوصاف اور محاسن کے استاد ہونیکے ساتھ ساتھ اپنے سینے میں ایک درد بھرا دل بھی رکھتے تھے اور اس دل میں عشق و محبت کی کسک بھی موجود تھی ان اشعار میں میاں صاحب نے واضح کیا ہے کہ شاعری کے لئے دردمند دل کا ہونا ضروری ہے شاعری بغیر دل کی چوٹ کے مزہ نہیں دیتی۔ میاں صاحب بنیادی طور پر ایک سجادہ نشین اور ولی کامل تھے اور عالم باعمل بھی تھے فارسی اور عربی زبان سے بھی واقف اور انکی طبیعت حد درجہ تصوف کی طرف مائل تھی یہ ساری باتیں اپنی جگہ ہیں لیکن ان کا کلام گواہ ہے کہ وہ درد محبت کی چوٹ سے خالی

نہ تھے اور اسی درد نے انکے ہر شعر کو سوز و گداز کی آگ کے شعلوں میں لپیٹ دیا تھا یہاں تک کہ وہ اپنے احباب کو خط بھی نظم میں ہی لکھا کرتے تھے اور خط میں بسا اوقات ایسی پر تاثیر بات کہہ جاتے تھے کہ مکتوب پڑھنے والا کیف و سرور کی وادیوں میں محو سا ہو جایا کرتا تھا۔ پنجابی زبان کی تاریخ میں شاعروں کی لمبی قطار ہے جس میں نمایاں شخصیات میں خواجہ غلام فرید گنج شکر۔ شاہ حسین۔ سلطان باہو۔ بلھے شاہ۔ حافظ برخوردار وارث شاہ، حضرت میاں محمد بخش جیسی بزرگ ہستیاں شامل ہیں جن کے کلام نے زندہ جاوید شہرت حاصل کی انہوں نے پنجابی شاعری کے دھارے کو عالمگیر انسانیت کی طرف موڑے جس طرح وارث شاہ کی ہیر نے عالمگیر شہرت حاصل کی اور گھر گھر پڑھی جانے لگی اسی طرح پنجابی شاعری کے انبار سے میاں محمد بخش کی سیف الملوک سفر العشق ایک ایسا ہیرا نکلا جسکی چمک دھمک ایک پوری صدی سے پنجابی زبان کی جان ہے دراصل یہی وہ کتاب جس سے حضرت میاں صاحب کو حیات ابدی ملی۔ (۲۶)

سیف الملوک (سفر العشق کا پس منظر):

سیف الملوک کی داستانِ عشق کئی زبانوں میں لکھی گئی اور کئی چھوٹی بڑی زبانوں میں اس کے منظوم و مشہور تراجم بھی ہوئے اور یہ کہانی الف لیلیٰ کی کہانیوں میں بھی موجود ہے ڈاکٹر گیان چند اپنی مشہور تصنیف، اردو کی نثری داستانیں، میں لکھتے ہیں کہ ابتداء میں سیف الملوک کی کہانی الف لیلیٰ میں موجود نہں تھی مگر جب اس میں اور کہانیوں کا اضافہ کر دیا گیا تو یہ کہانی بھی شامل کر دی گئی کہا جاتا ہے کہ غزنی کا بادشاہ محمود (غالباً سلطان محمود) علم پرور اور اہلِ ہنر کا قدرشناش تھا اس نے اپنے دربار میں جس قدر علماء، فضلاء اور شاعر جمع کر رکھے تھے ان کی معاشی کفالت کے لئے باقاعدہ املاک اور جاگیریں وقف تھیں تاکہ یہ معاشی طور پر خوشحال رہیں اور اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کماحقہ کر سکیں بادشاہ کو پرانے زمانے کی کہانیاں سننے کا بے حد شوق تھا اس خدمت کے لئے دربار میں باقاعدہ داستان گو مقرر تھے اس کے ذاتی کتب خانے میں مجمع

الحکایات نامی ایک ضخیم کتاب تھی ایک دن بادشاہ بڑے انہماک سے ایک کہانی سن رہا تھا کہ اس میں ذکر آیا کہ ملک شارستان میں ارم نام کا ایک باغ ہے جس کی دنیا میں کوئی مثال نہیں یہ باغ پریوں کا ہے اور آدم زاد کا اس طرف گزر ممکن نہیں اس ملک کے بادشاہ کا نام شاہ پال تھا اس کی ایک شہزادی بدیع الجمال نامی اس قدر خوبصورت تھی کہ اس کے حسن و جمال کی دھوم چاروں طرف مچی ہوئی تھی اس شہزادی پر مصر کے بادشاہ عاصم بن صفوان کا لڑکا سیف الملوک عاشق ہو گیا اور اس کی بے قراری یہاں تک بڑھی کہ وہ بادشاہی کو لات مار کر اپنی محبوبہ کی تلاش میں ملک شارستان کی طرف چل پڑا راستہ بے حد دشوار تھا دریاؤں، سمندروں اور پہاڑوں کو عبور کرتا ہوا شہزادہ سیف الملوک ملک شارستان پہنچا بدیع الجمال پری کے ساتھ ملاقات کی اور پھر اس کے ساتھ شادی کر کے کامیاب و کامران اپنے وطن مصر واپس آیا۔

جب بادشاہ نے یہ قصہ مختصر سنا تو اس کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ یہ کہانی مکمل سنے بادشاہ کا اصرار بڑھا تو اسکے وزیر مہمندی نے عرض کی مجھے ایک سال کی مہلت دی جائے اور سفر کا اہتمام بھی کیا جائے تو آپ کو پوری کہانی سناؤں گا وزیر بے حد عقلمند تھا وہ ملک روم پہنچا اور بادشاہ کے دربار تک رسائی حاصل کی اور کہا کہ اس کہانی کو مکمل سننا چاہتا ہوں بادشاہ روم نے کہا کہ یہاں کوئی ایسا انتظام نہیں البتہ دریا کنارے ایک درویش کہیں سے آکر ٹھہرا ہے کہا جاتا ہے کہ اس نے بہت سے ممالک کی سیر کی ہے اس سے معلوم کرو شاید وہ تمہیں بتادے وزیر اس درویش کے پاس پہنچا تو درویش سے قصہ کے متعلق پوچھا اس نے کہا اگر تلاش کرو تو پالو گے۔ درویش نے کہا ایک دفعہ شہر دمشق گیا وہاں بادشاہ کے دربار میں شہزادہ سیف الملوک کا نام سنا وہاں جاؤ پوری کہانی معلوم ہو جائے گی یہ فقیر روشن ضمیر تھا اس نے وزیر سے کہا آنکھیں بند کرو اس نے آنکھیں بند کر کے کھولی تو دمشق شہر میں تھا اس نے کسی نہ کسی طرح بادشاہ کے دربار تک رسائی حاصل کر لی اور بتایا کہ میرے آنے کا مقصد یہ ہے۔ بادشاہ نے وزیر کی بات سن کر کہا یہ کہانی یہاں صرف رمضان کے مہینہ میں سنائی جاتی ہے تم رمضان کے مہینے تک ٹھہرو اتفاق سے رمضان کا مہینہ قریب تھا رمضان میں جب کہانی

سنائی جانے لگی تو وزیر نے کاتبوں سے لکھوائی اور جا کہ غزنی کے بادشاہ کی خدمت میں پیش کر کے بے اندازہ انعام پایا۔(۲۷)

داستان سیف الملوك عهد به عهد:

یہ بات قابلِ غور ہے کہ کہانی حضرت میاں محمد بخش ؒ تک کن کن مراحل سے گزر کر پہنچی اگر اس پہلو پر تحقیقی نگاہ ڈالی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ سیف الملوک اور بدیع الجمال کی عشقیہ کہانی کئی زبانوں میں لکھی گئی کئی چھوٹی بڑی زبانوں میں اس کے تراجم ہوئے یہاں تک کہ یہ کہانی الف لیلیٰ کی کہانیوں میں بھی موجود ہے ڈاکٹر گیان چند اپنی کتاب اردو کی نثری کتابوں میں لکھتے ہیں کہ ابتداء میں سیف الملوک کی کہانی الف لیلیٰ میں نہیں تھی بعد میں جب اس میں اردو کی کہانیوں کا اضافہ ہوا تو یہ کہانی بھی شامل کر دی گئی۔ ڈاکٹر گیان چند کی تحقیق کے مطابق یہ کہانی سب سے پہلے ترکی زبان میں لکھی گئی تھی فارسی زبان میں سب سے پہلے محمد عمر نامی شاعر نے مثنوی کی طرز میں اس کو نظم کیا جسے بعد میں منصور علی نے عشق کے نام سے 1218ھ مطابق 1803ء میں نثر کیا اور اس کے نسخے کو 1247ھ میں میر صو بیدار نے دوبارہ فارسی میں نظم کا جامہ پہنایا ڈاکٹر گیان چند بتاتے ہیں کہ اس کہانی کا سن تصنیف 1553ء کے لگ بھگ ہے اس کا ایک قلمی نسخہ بھی ملا جس سے اس کے سن تصنیف کی تائید ہوتی ہے۔ 1625ء میں دکن شاعر ملا غواصی دکنی نے اس قصے کو مثنوی کی طرز میں دکن میں نظم کیا تھا1218ھ مطابق 1803ء میں اس کہانی کو شاکر علی نے اردو نثر میں لکھا۔ 1893ء میں یہ نسخہ نجم الدین نے دہلی سے طبع کروایا عاجز بٹالوی نامی شاعر نے اس کو اردو کا جامہ پہنایا اس کے بعد امام الدین خان انور نامی ایک مصنف نے اس قصے کو نثر میں لکھ کر اس کا نام فسانہ عشق رکھا اس کے بعد 1248ھ میں خیر اللہ نے اسے پھر اردو نظم میں لکھ کر شائع کیا سندھی زبان میں اس قصے کو منشی پوکر داس نے شکار پور سے شائع کیا بنگالی زبان میں یہ داستان پوتھی ادب کے نام سے لکھی گئی کہا جاتا ہے کہ

اس کہانی کو بنگالی زبان میں جس شاعر نے منتقل کیا اس کا نام ڈونا غازی تھا اور اس نے 185 صفحات پر مشتمل یہ کہانی 1500ء میں بنگالی زبان میں منتقل کیا گر یہ روایت درست ہے تو ماننا پڑے گا کہ اس کہانی کا پہلا ترجمہ ترکی زبان سے بنگالی میں ہوا اس کا سن پندرویں صدی ہے بنگالی زبان میں اسے ایک اور شاعر ابراہیم نامی نے بھی 1828ء میں نظم کیا یہ معلوم نہیں کے اس شاعر نے اس کا نام کیا رکھا۔ پشتو زبان میں اس کو نعمت اللہ خان نے نظم کیا اور پنجابی زبان میں مولانا عبدالطیف بہاولپوری نے مثنوی کی طرز پر نظم کیا اس کے بعد احمد یار گجراتی نے بھی اسے پنجابی میں نظم کیا آخر میں یہ ناتراشیدہ ہیرا حضرت میاں محمد بخش ؒ جنہوں نے اسے پنجابی شاعری کا نور بنا دیا۔ (۲۸)

میاں صاحب اور سیف الملوک:

پندرہویں صدی عیسوی کے بعد بدیع الجمال کا عشقیہ افسانہ کئی ہاتھوں سے نکلا اور نظم اور نثر کا قالب اختیار کرتا رہا مگر پنجابی زبان کی دہلیز پر قدم رکھ کر حضرت میاں محمد بخش ؒ کے ہاتھوں اس قصے کو اتنی شہرت حاصل ہوئی کہ کثرت عام اور بقائے دوام کا تاج سر پر رکھ کر ہر محفل اور ہر مجلس کی روح بن گیا تارک الدنیا صوفی نے اس کو سینے سے لگایا کیونکہ اس کے دل کی بات اس میں موجود تھی ادیب نے اس کو سینے سے لگایا کیونکہ اس کا ذوق اس میں موجود تھا علماء نے اس کو اپنی زینت بنایا کیونکہ قرآن واحادیث کا فلسفہ اس میں موجود تھا عشق ومحبت میں گرفتار نوجوان نے اس کو چوما کیونکہ اس کے دل کی آواز تھی جس آگ کی انہیں تلاش تھی اس کے شعلے اس میں موجود تھے پیران عظام نے اپنے مریدوں کے لئے اسے نصاب بنایا۔ پنجاب بالخصوص پوٹھوہار اور کشمیر کے پہاڑی حصوں کے مہم پسند بہادروں نے اسے اپنا راہنما تصور کیا کیونکہ اس کہانی کی بنیاد ہی بہادری، شجاعت اور دلیری پر رکھی گئی یہی باتیں ان کا خون گرم رکھتی تھیں شعراء نے اسے پڑھ کر راہنمائی حاصل کی کیونکہ اس میں میاں صاحب نے فقر کی گہری رمزیں اور پُر تاثیر حکایات بیان کی ہیں عام

لوگوں میں یہ مثنوی اس لئے مشہور ہوئی کہ اسے جس طرز سے بھی پڑھا جائے ایک نیا سرور، نیا لطف اور انوکھے درد کا احساس ہوتا ہے اور ہر پڑھنے والا اس سے اپنی بات تلاش کر سکتا ہے بڑی بات یہ ہے کہ اس کہانی کو حضرت میاں صاحب نے عالم شباب میں نظم کیا تھا اس کے لئے اپنے دل میں بھی عشق و محبت کی ایک کسک موجود تھی اس کے اظہار کے لئے ان کے پاس اس سے بڑھ کر اور کوئی ذریعہ نہ تھا خود فرماتے ہیں۔

بات مجازی رمز حقانی سن و نادی کاٹھی
سفر العشق کتاب بنائی سیف چھپی وچ لاٹھی
جھاں طلب قصے دی ہوسی سن قصہ خوش ہوسن
جھاں جاگ عشق دی لینے جاگ سویلے روسن
شاعر دی آزمائش آئی اس قص وچ بھائی
ہر رنگوں خوش سخن سناوے تاں اس دی دانائی

حضرت میاں صاحب کے متذکرہ اشعار اس بات کے گواہ ہیں کہ وہ اپنے دور کے عوامی زندگی کے ہر گوشے سے آشنا تھے اور انہوں نے اس کتاب کو نظم کرتے ہوئے معاشرے کے تمام طبقوں کے ذہنی اور فکری رجحانات کو مدِ نظر رکھا اور یہی بات ان کی مثنوی سیف الملوک کے بے پناہ مقبولیت کا سبب بنی کیونکہ اس میں عوامی احساسات و جذبات کی ترجمانی کی ہے انہوں نے پہلے شعر میں واضح کیا کہ بعض لوگ اس کو قصہ سمجھ کر اس داستان عشق سے بہرہ مند ہونگے سوسرے شعر میں واضح کیا کہ جن کے سینے میں عشق کی آگ بھڑک رہی ہوگی وہ صبح اس کو پڑھیں گے اور عشق و محبت میں تڑپ تڑپ کر روئیں گے۔ تیسرے شعر میں واضح کیا کہ شاعر کے سامنے تمام شعبہ ہائے زندگی کے لوگ ہیں اور ان سب کو اس سے محظوظ کرنا ہے اور یہ بڑی آزمائش ہے اور میاں صاحب اس آزمائش میں سو فیصد کامیاب نظر آتے ہیں پھر فرماتے ہیں۔

قصے ہور کسے دے اندر درد اپنے کج ہو ن

بن پیڑاں تاثیر ناہیں بے پیڑے رو ون

درد لگے تا ہائے ہائے نکلے کوئی کوئی رہندا جر کے

دلبر اپنے دی گل کریئے اوراں نوں منہ دھر کے

ان اشعار میں میاں صاحب نے اپنی پوری کیفیت بیان کر دی کہ ان کو سیف الملوک اور بدیع الجمال سے غرض نہیں بلکہ ان کے دل کے اندر سوز و گداز ہے ایک درد دل ہے ایک تڑپ ہے اور عشق کی ایک لازوال کیفیت ہے اور ظاہر میں سیف الملوک کی بات اور حقیقت اس مرد درویش کی جس کو جو محبت اپنے رب سے اور اس کے حبیب ﷺ اور جناب غوث پاک اور دمڑی والی سرکار سے ہے حقیقت میں اس کا اظہار ہے اور اپنے در کی داستان سیف الملوک کے اندر چھپا کر پیش کر دی۔

حضرت میاں صاحب کی مثنوی سیف الملوک میں جو بنیادی بات ہے اور جو اس کی مقبولیت کا سبب بنی وہ اس کا انداز بیان ہے انہوں نے اس کتاب کو عوامی رنگ دیا اور وہی ضرب الامثال ، وہی استعارے، وہی تلمیحات اور وہی محاورے استعمال کئے جو عام لوگوں کی بول چال تھے اور اس میں کسی قسم کا الجھاؤ نہیں رہنے دیا زبان وہ استعمال کرنے کی کوشش کی جو بالائی پنجاب، پوٹھار اور کشمیر کے نواحی پہاڑی علاقوں میں بولی جاتی ہے۔

میاں صاحب کی عقیدت:

حضرت میاں صاحب نے اس کتاب کا آغاز حمد باری تعالیٰ سے کیا اس حمد کا صرف ایک شعر عرض کیا جاتا ہے کیونکہ خوف طوالت ہے۔

اول حمد ثناء الٰہی جو مالک ہردا

اس دا نام چتارن والا ہر میدان نہ ہر دا

خوبصورت انداز میں منظر کشی فرمائی کہ مالک الملک وہی ہے اس کے نام کی برکتیں اور اس کے بعد واضح کیا کہ شجر، حجر، بحر و بر خشک و تر پھلوں میں اور پھولوں میں اسی کا حسن مطلق جلوا نما ہے۔

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم:

اللہ رب العزت کی حمد کے بعد نعت مصطفیٰ ﷺ سے اس کے حسن کو دوبالا کیا نعت کا صرف ایک شعر رقم کیا جاتا ہے۔

واہ کریم امت داوالی مہر شفاعت کردا

جبریل جے جس دا چاکر نبیاں دا سر کردا

حضور ﷺ کی شان شفاعت کا ذکر کیا اس مقام کی طرف اشارہ کیا کہ سارے فرشتوں کا سردار جس کا چاکر ہے اس کے مقام کا کیا کہنا اس کے بعد حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ کی بارگاہ میں نذرانہ عقیدت پیش کیا صرف ایک شعر عرض ہے۔

واہ واہ میراں شاہ شہاں دا سید دوئیں جہانی

غوث الاعظم پیر پیراں دا محبوب سبحانی

اس کے بعد حضرت پیرے شاہ غازی دمڑی والی سرکار کی شان میں اشعار کہتے ہیں فرماتے ہیں۔

بسم اللہ بسم اللہ اگوں مدح مبارک آئی

ہادی مرشد دی جس دوے چارے کوٹ نوائی

حضرت پیرے شاہ غازی کی مدح کے قصہ سیف الملوک کی روایت کا ذکر کیا ممہندی وزیر سلطان

محمود کا ذکر کیا کہ اس بادشاہ کی فرمائش پر کس طرح یہ کہانی مکمل کی فرماتے ہیں۔

سنو حسن مہندی والی دساں کھول حکایت
جھنوں اس قصے دی اول ظاہر ہوئی روایت

پوری روایت کو میاں صاحب نے نہایت دلنشیں پیرائے میں نظم کیا اور یہ بھی واضح کیا کہ مہندی کس مرد درویش کی مدد سے دمشق پہنچا تھا میاں صاحب نے بڑے ہی پُر تاثیر انداز میں اس واقعہ کو شعری قالب عطا کیا فرماتے ہیں۔

مرد ملے تے درد نہ چھوڑے اوگن دے گن کردا
کامل لوک محمد بخشا لعل بنان پتھر دا

ان مرحلوں سے گزرنے کے بعد میاں صاحب نے سیف الملوک اور بدیع الجمال کی عشقیہ داستان کے بعض پہلو پر اور بعض خصوصیات پر اظہارِ خیال کیا عشق کی حقیقی رمز کو چھیڑا اور داستان شروع کرنے سے پہلے پھر حضرت پیرے شاہ غازی کی مدح فرمائی فرماتے ہیں۔

پیرا مرا او دمڑی والا پیرا شاہ قلندر
ہر مشکل وچ مدد کریندا دوہاں جہاناں اندر

گویا میاں صاحب نے اس پُر خار وادی میں قدم رکھتے ہوئے پھر ایک مرتبہ اپنے مرشد حضرت پیرے شاہ غازی کو پکارا پھر عاصم بن صفوان کا ذکر کیا اور بتایا کہ کس طرح اس کی شادی ہوئی اور پھر شہزادہ سیف الموک پیدا ہوا۔ اس کے بعد میاں صاحب نے شہزادہ سیف الملوک کے جوان ہونے اور تصویر دیکھ کر اس کے عاشق ہونے کا واقعہ بیان کیا شہزادی کو دیکھنے کے بعد شہزادہ مذکور کے دل میں محبت کی جو آگ لگی تھی یہ ساری کیفیت میاں صاحب نے اس پُر تاثیر اور پُر سوز انداز میں بیان کی کہ پڑھنے والا اس آتش سوز ان کے شعلے اپنے دل میں محسوس کرتا ہے خصوصاً نوجوان آدمی کا دل اس آتش سوزاں کے شعلے اپنے دل میں

لپکتے ہوئے محسوس کرتا ہے خصوصاً نوجوان آدمی کا دل کیف وسرور سے مالا مال ہو جاتا ہے اس کے بعد سیف الملوک کی پریشانی اور بدیع الجمال کی تلاش میں ادھر ادھر آدمی بھیجنے کا ذکر کیا بالآخر سیف الملوک کی خود پری کی تلاش میں سفر کی داستان بیان کی جس کا آغاز اس طرح کیا۔

جان سبوکم رہیا پکا کیتی شاہ تیاری
سیف الملوک ماؤتھیں رخصت لیندا اچھیکڑ واری
جا گراں وچ کول ماؤدے بدے ہتھ کھلوندا
نالے آکھے رخصت دو نالے ہنجوں روندا

ماں سے رخصت ہونے کے بعد شہزادہ سمندری سفر پر روانہ ہوتا ہے ایسے مصائب وآلام گھیر لیتے ہیں سفر کے دوران اس کی کشتیاں تباہ ہو جاتی ہیں ان تمام واقعات کی منظر کشی میاں صاحب کے گوہر بار قلم نے اس طرح کی کہ وہ سارے سمندری طوفان اور حیرت ناک آبی و جنگلی درندے قاری کی آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں میاں صاحب اسی کمال کی منظر کشی کرتے ہیں کہ جو واقعات بیان کرتے ہوئے اس کی تصویر ہو بہو قاری کے ذہن میں گھوم جاتی ہے قاری اپنے آپ کو اسی ماحول میں گھرا ہوا محسوس کرنے لگتا ہے سمندروں، صحراؤں اور ریگستانوں اور بیابانوں سے گزرتا ہوا شہزادہ سیف الملوک جب ایک قلعہ میں پہنچتا ہے وہاں اسے محوخواب ایک شہزادی ملکہ خاتون ملتی ہے جو ایک دیو کی قید میں ہے اور دیو نے جادو کے ذریعے اس کو بے ہوش کر رکھا ہے شہزادہ سیف الملوک اسم اعظم کے ذریعے اس شہزادی کو بیدار کرتا ہے اور پھر دیو کو مار کر اسے آزاد کراتا ہے میاں صاحب نے اس موقع کی مناسبت سے ملکہ خاتون کا جو سراپا لکھا ہے یہ ان کی مثنوی میں روح کی حیثیت رکھتا ہے فرماتے ہیں۔

مست بے ہوش ستی ایک لڑکی صورت دی شہزادی
حسن و جمال کمال اوہدے حدوں کل زیادی

سورج وانگ نورانی متھا نظر نہ کیتی جاوے

جے پتھر دل والا تکے اکھیں پانی اوے

میاں صاحب نے یہاں منظر نگاری، استعارہ کو کمال طریقے سے استعمال کیا کہیں ملکہ خاتون کو چاند سے تشبیع دی کہیں اس کے ناک کو چھری اور تلوار سے تشبیع دی کہیں گلاب کے پھول سے اس کو تشبیع دی کہیں بہار وچمن، شمشاد گلستان کہیں نرگس کہیں باغِ ارم اور کہیں ستاروں کہیں انگوری اور کہیں کافوری سے تشبیع دی المختصر میاں صاحب نے ملکہ خاتون کا سراپا 26 صفحات میں مکمل کیا اور اس کے سراپا کا ایک ایک شعر دمکتا ہوا ہیرا ہے۔

اس کے بعد شہزادہ سیف الملوک ملکہ خاتون کو ساتھ لے کر اس وطن کی طرف روانہ ہوتا ہے جس طرف اس کا اصل مقصود شہزادی بدیع الجمال ہے اور ملکہ خاتون کی والدہ کے ذریعے بدیع الجمال کو بلایا جاتا ہے اور انکی ملاقات ہوتی ہے اس منظر کو میاں صاحب نے اس انداز سے پیش کیا کہ قاری اس منظر میں کھو کر رہ جاتا ہے اور جتنا عرصہ اشعار پڑھتا رہتا ہے اس پُر کیف وسرور کی بدلیاں چھائی رہتی ہیں قلم میاں صاحب اور ملاقات سیف الملوک اور بدیع الجمال کی ہے۔ پھر میاں صاحب نے بڑے خوبصورت منظر میں بدیع الجمال اور سیف الملوک کی ملاقات کا ذکر کیا بدیع الجمال سوئی ہوئی تھی اور سیف الملوک بے خبری میں اپنے جذبات اور احساسات کا اظہار کر رہا تھا پھر پری کا جاگنا اور شہزادہ کا اس کے سرہانے موجود ہونا یہ کلام ایک عاشق زار کی بے زاری اور معشوق گل اندام کے ناز وادا کا ایسا پُر تاثیر مرقع ہے کہ اس کی مثال پنجابی زبان میں بہت کم ملے گی اس سے آگے میاں صاحب معشوق کے کلام کو شعری زبان میں ڈھالتے ہیں۔

شاہ پری نے کہیا اگوں ناکر ایڈی دلیری

میں پری تو آدم زاد کی گل تیری میری

نامحرم نوں منہ نہ دساں ہوش سنبھالا ہوندا

نال میرے کی مطلب تیرا نین دسالیں روندے

جنس رلی رل گلاں کر دی نا جنساں کی گلات

میں ناری تو خاکی بندہ نال ترے کیوی رلدی

یہ تو پری کا اندازِ معشوقانہ تھا معشوق کا یہ وطیرہ ہے کہ وہ اپنے محبوب کی آتشِ شوق کو اور بھڑکاتا ہے اور لطف دیتا ہے جب بدیع الجمال پری نے یہ انداز اختیار کیا سیف الملوک نے جواب میں بے شمار مثالیں دیں کیونکہ پری نے عذر کیا تیری میری ذات الگ ہے میں ناری ہوں اور تو خاکی ہے آخر شہزادے نے بھی جواب دیا ہوگا مگر میاں صاحب کا تخیل پرواز کہاں پہنچا اور کن مضبوط دلائل سے رد کیا شہزادے نے پری سے کہا یہ آدم زاد اور پریاں کس نے بنائی ہیں حسن و عشق دو الگ نام ہیں دونوں میں نور ایک ہے باطن میں اس کا نام محبت ہے اور ظاہر میں یہی حسن ہے کبوتروں کی مثال دی کوئی کالا کوئی سفید لیکن نسل ایک ہے اس طرح کوئی آبی، کوئی بادی، کوئی خاکی فرمایا۔

حسن محبت ذات اکہی کہیہ چجہ کیا چمباری

عشق بے شرف محمد بخشا پچھ نہ لاندا یاری

فرمایا شمع اور پروانے کی ذات ایک ہے؟ ایک کیڑا ہے دوسری آگ ہے کبھی کسی نے اعتراض نہیں کیا کہ جنس ایک نہیں محبت کیسے ممکن ہے۔

بلبل نال گل آشنائی خاروں مول نہ ڈردی

جنس کو جنس محمد کتھے عاشق تے دلبر دی

میاں صاحب نے واضح کیا کہ بلبل کی نسل کونسی ہے اور گل کی نسل کونسی ہے کسی نے بھی اعتراض نہ کیا اور پری کیوں آدم زاد کی محبت پر معترض ہے یہاں فقراء کی گہری رمز استعمال کر کے بتایا کہ انسان کا محبوب حقیقی رب العزت کی جنس کونسی ہے اور بندہ تو بندہ بنتا ہے جب اس کو اپنے مولیٰ سے کمالِ عشق ہوتا ہے تب

جا کر صدیق، عمر، عثمان، علی اور جنیدی یا یزید اور رومی اور رازی پروان چڑھتے ہیں۔ (۲۹)

المختصر پنجابی شاعری میں سیف الملوک بدر کمال کی حیثیت رکھتی ہے اور میاں صاحب کی شہرت کی وجہ بھی یہی کتاب بنی اکثر لوگوں کو میاں صاحب کی دیگر تصانیف کا علم ہی نہیں حالانکہ میاں صاحب تقریباً سترہ کتابوں کے مصنف ہیں۔

میاں صاحب کی کچھ تصانیف کا ذکر بھی ضروری ہے تا کہ آپ کی علمی خدمات کا جائزہ لیا جا سکے۔

۱۔ هدایت المسلمین۔

یہ کتاب 328 صفحات پر مشتمل آپکی گرانقدر تصنیف ہے یہ کتاب اس بات کا ثبوت ہیکہ میاں صاحب ولی اللہ، عارف باللہ اور شاعر ہونیکے ساتھ ساتھ بلند پایہ عالمِ دین بھی تھے قرآن و حدیث، فقہ، تاریخ علم الکلام پر ان کی گہری نظر تھی ہدایت المسلمین میں انہوں نے ایسی نادر و نایاب کتب کے حوالے دیئے جو کسی کم درجہ کے عالمِ دین سے ممکن نہیں اس کتاب میں انہوں نے عقائد کی بحث کو چھیڑا ہے عقائد باطلہ کا رد دلائل عقلی و نقلی سے کیا اور اس کے جامع دلائل قرآن و سنت سے دیئے جو باطل کے لئے دندان شکن تھے یہ آپ کی علمی اہلیت کا عملی ثبوت ہے آپ فرماتے ہیں۔

چنگیاں دے گھر پیدا کردا مندے کرماں مارے
مندیاں دے گھر چنگے دیندا رب دے کم نیارے

انہوں نے واضح کیا کہ اچھوں کے گھر برے اور بروں کے اچھے پیدا کرنا روزِ ازل سے ہی رب العزت کا دستور ہے اور ان حکمتوں سے وہ آشنا ہے کہ کیا مقصد ہے ہدایت المسلمین میں بنیادی چیز عقائد ہیں توحید اور عقیدہ رسالت کا تذکرہ بڑے ہی جامع انداز میں کر دیا گیا ہے اور رسالت کے بارے میں شانِ نبی ﷺ کے بارے میں جن لوگوں نے کمی کرنے کی کوشش کی ان سے سختی سے نمٹا گیا۔ (۳۰)

۲۔ تحفہ رسولیہ:

حضرت میاں صاحب کی کتاب تحفہ رسولیہ بھی پنجابی زبان کی شاہکار ہے اس گرانقدر کتاب میں میاں صاحب نے حمد باری تعالیٰ کے بعد حضور ﷺ کے معجزات نظم کیے حمد باری تعالیٰ کا آغاز اس طرح فرمایا۔

اول حمد خداوند تائیں جو خلقت دا سائیں
نابدوں جس بود بنایا ہر ایک صورت تاہیں
صفت اُسدی تھیں سب ہو یا کیا کیڑے کیا ہاتھی
آپو آپ کرے کم سارے کوئی نہ ساتھی

دوسو صفحات کی اس کتاب میں میاں صاحب نے وہ تمام معجزات نبی ﷺ بیان کردیئے جن کا ذکر سیرت پاک کی مستند کتب میں درج ہے۔

۳۔ شیخ صنعان:

یہ کتاب 90 صفحات پر مشتمل ہے زبان پنجابی ہے اور اس میں شیخ صنعان کا ذکر کیا گیا ہے۔ آغاز میں حمد باری تعالیٰ اور پھر نعتِ رسول مقبول ﷺ ہے اس کے بعد شیخ صنعان کا واقع بیان کیا اور اس کے بعد معراج شریف بھی بیان کی شیخ صنعان کا واقع اکثر مصنفوں نے بیان کیا اکثر نے نظم کیا اور اکثر نے نثر کیا میاں صاحب نے اس دلنشیں پیرائے میں لکھا دل ودماغ وجد میں آجاتے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے بارے میں منقول ہے انہوں نے ایک دن برسرِ منبر فرمایا کہ میرا یہ قدم تمام اولیاء اللہ کی گردنوں پر ہے آپ کا یہ ارشاد مشرق ومغرب کے اولیاء اللہ نے سنا اور گردن جھکا دی لیکن شیخ صنعان نے گردن جھکانے سے انکار کردیا کیونکہ وہ خود کو بہت بڑا ولی اللہ سمجھتے تھے اور فی الواقع ولی اللہ تھے بھی کیونکہ انہوں نے کعبۃ

اللہ میں پچاس سال تک عبادت کی تھی اور ان کے ارادت مندوں کی حلقہ بہت وسیع تھا میاں صاحب فرماتے ہیں۔

اوسی پیر زمانے سند ا شیخ اجل اس ویلے
کئی ہزار مرید اوہد اسی کامل اکمل چیلے

اس تکبر کی سزا شیخ صنعان کو یہ ملی کہ وہ ایک حسین عورت کے دام محبت میں پھنس کر اپنی تمام روحانی طاقت سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اس عشق و محبت کی داستان میاں صاحب نے نہایت حسین پیرائے میں بیان کی۔(۳۱)

۴۔ تذکرہ مقیمی:

تذکرۂ مقیمی حضرت میاں صاحب کی فارسی تصنیف ہے جو فارسی اشعار پر مشتمل ہے جس کا اردو ترجمہ ان کے مرید خاص ملک محمد نے بوستان قلندری کے نام سے کیا اس کتاب میں میاں صاحب نے اپنے مرشد کامل حضرت پیرے شاہ غازی قلندری دمڑی والی سرکار کے پیر خانے کا تذکرہ کیا ہے اس کے ساتھ ہی اپنے دادا سائیں دین محمد اور ساتھ ہی اپنے والد شمس الدین کے حالات بھی لکھے تذکرۂ مقیمی میں حضرت شاہ مقیم حجروی اور انکے حالات بھی موجود ہیں مگر خرق عادت زیادہ ہیں شجرہ طریقت بھی درج ہے۔ تذکرۂ مقیمی کا آغاز حمد باری تعالیٰ سے کیا گیا اور پھر قصیدہ درنعت سرورِ کائناتﷺ اس کے بعد مدح صحابہ کبار، خلفاء راشدین اس کے بعد قصیدہ در مدح اہلِ بیت اطہار اماماں دینؒ درج کیا پھر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی بارگاہ میں قصیدہ پھر پیرانِ عظام کا ذکر کیا المختصر اس کتاب میں اہل اللہ کی بارگاہ میں قصائد کی صورت میں مدح کی گئی ہے فارسی زبان کو ذریعہ کلام بنایا ہے تذکرہ مقیمی کی ضخامت کا اندازا نہیں البتہ اس کا ترجمہ بوستان قلندری راقم کے سامنے ہے جو 174 صفحات پر مشتمل ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے ایک سو صفحات کم وبیش ہوں گے۔(۳۲)

قصائد کے منظوم پنجابی تراجم:

حضرت میاں صاحب نے چھوٹے منظوم رسالے بھی لکھے جن میں نور نامہ یعنی اسماء مبارک حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی قصیدہ روح، قصیدہ العصب، شرح قصیدہ اور گلزارِ مقیمی خاص طور پر قابل ذکر ہیں یہ تصانیف زیادہ تر فارسی میں ہیں اوران کے پنجابی تراجم میں بھی وہی سوز وگداز اور تصوف کا رنگ موجود ہے جو دیگر تصانیف میں ہے۔ حضرت میاں محمد بخشؒ ایک عالمِ دین، ولی کامل، شاعرِ آتش بیان اور پیرِ طریقت ہونے کے ساتھ ساتھ سچے عاشقِ رسول ﷺ بھی تھے کیونکہ انہوں نے اپنی ہر تصنیف کے آغاز میں حمد باری تعالیٰ کے بعد حضور ﷺ کے حضور ہدیہ نعت پیش کیا جس سے ان کی حب رسول ﷺ کا اندازہ ہوتا ہے۔ اگر سیف الملوک، ہدایت المسلمین، تحفۂ رسولیہ اور شیخ صنعان سے انکی نعتیں یکجا کی جائیں تو ایک خوبصورت گلدستۂ نعت تیار ہوسکتا ہے۔

پنج گنج میں دعوت فکر کی روح کیا ہے؟:

پنج گنج عارف کھڑی روحی کشمیر حضرت میاں محمد بخشؒ قادری کی تصنیف لطیف ہے اس کتاب میں میاں صاحب نے تصوف کو ہی عنوان بنایا چونکہ تصوف کی انتہا فنا ہے سی حرفی اول میں بے ثباتی کا ذکر ہے یہ تصور آپ کی تمام تصانیف میں جاری وساری ہے لیکن کہیں تکرار کا احساس قطعاً پیدا نہیں ہوتا ایک ایک نقشِ حیات کی جانب توجہ مبذول کروا کے اس کو یوں ہوتے دکھایا گیا ہے کہ انسان کے اندر یہ زبردست احساس ابھرتا ہے کہ وہ حیاتِ فانی میں اپنے عمل کو کوئی ایسا نقش چھوڑ جائے جو گردش روز وشب میں ہمیشہ باقی رہے۔ سہ حرفی دوم کا موضوع، فنا کے اثرات، محفلوں کے اجڑنے دوستوں کے بچھڑنے اور جدائی کے گہرے دکھ کے کئی دل گداز پہلو اس سی حرفی میں یوں سامنے آتے ہیں جو قاری کو جھنجوڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ (۳۳) اور اس میں حقیقت کی طرف بڑے بلیغ اشارے ہیں جو انسان کے دل میں درد پیدا کرتے ہیں سی حرفی ثالث

میں فنا اور جدائی کی دہلیز پر کھڑے انسان کی روح کی پکار ہے اور یہ پکار نبی ﷺ اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانی ؒ قدس سرہ کے حضور استدعا کی صورت میں ظہور پذیر ہوئی ہے سی حرفی چہارم میں جدائی کی اندوہ گین کیفیات اور وصل کی خواہش کے بے محابا اظہار پایا جاتا ہے۔(۳۴)

یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ایک کسان زمین تیار کرنے کے لئے مختلف مراحل طے کرتا ہے پہلے ہل چلاتا ہے پھر گہرے ہل چلاتا ہے تا کہ نیچے کی مٹی اوپر آ جائے اور پھر ڈھیلے توڑ کر زمین کو ہموار کرتا ہے اور پھر بیج بوتا ہے اس طرح رومی کشمیر نے انسان کے اندر کی زمین کو تیار کرنے کا اہتمام کیا پہلے اس دنیا کی بے ثباتی کا تذکرہ کیا اور ہر چیز کے فنا ہو جانے کا ذکر کیا پھر اس فنا کہ اثرات تمثیلات سے کیا محفلوں کے اجھڑنے اور جدائی سے انسانی دل کو نرم کیا پھر مشکل میں جاگیرداروں بادشاہوں اور حاکموں کے سامنے فریاد کے بجائے اللہ کے محبوب رسول ﷺ کی بارگاہ میں استغاثہ کیا یعنی اللہ تعالٰی کے بتائے ہوئے طریقے کو اپنایا اور جناب شیخ عبدالقادر جیلانی کی بارگاہ میں استغاثہ اور پھر سی حرفی چہارم میں عاشق کی مراد وصل یار کا تذکرہ کیا اب جا کہ دل کی زمین تیار ہو گئی تو حقیقت کا نکتہ تصور وحدۃ الوجود The Unity of Being سمجھایا۔ سی حرفی پنجم میں وحدت الوجود کے تصورات کی ترجمانی کی یہاں دوئی کو یکتائی کی صورت میں ڈھلتے دکھایا۔ اب دوئی کی منزل سے گزر کر فنافی اللہ ہو جانا ہی ان کی دانست میں سالک کا اصل مدعا اور مقصد ہے وہ اللہ کی مدد سے تمام بتاں وہم و گماں کو توڑ کر اور رشتہ و پیوند سے بے نیاز ہو کر وحدت تک رسائی کی دعوت فکر دیتے ہیں یہ دعوت فکر پنج گنج کی روح رواں ہے۔(۳۵)

چنانچہ علامہ اقبال اس نکتہ کو یوں آشکار کرتے ہیں اسلام میں لا و الا لازم و ملزوم ہیں اور اللہ تعالٰی کے وحدہ لاشریک اور معبود برحق ہونے پر ایمان کامل کے لئے لازم آتا ہے اولاً ہم صمیم قلب سے غیر اللہ کی نفی کریں اور پھر اللہ تعالٰی کی ذات وصفات اور اس کے معبود واحد ہونے کا اثبات کریں بہر کیف ایک مسلمان کے ایمان کی تکمیل اسی نفی و اثبات پر منحصر ہے اور انہیں کے اتحاد و اجتماع سے اس کا عشق باللہ اور عقیدہ توحید

بدرجہ کمال پختہ ہوتا ہے۔

درِ مقام لا بنا ساید حیات

سوائے الا فی خرامد کائنات

درِ محبت پختہ کے گرد خلیل

تا نگ نگر داسوئے الا دلیل

زندگی کی حقیقت تو یہ ہے کہ وہ نفی تک ہر گز محدود نہیں رہتی بلکہ کائنات فطرۃ اثبات کی جانب مائل پرواز ہے۔ خلیل اللہ عشقِ الہیٰ میں پختہ کیونکر ہو سکتے تھے جب تالا بالآخر الا کی جانب دلیل راہ نہ بنتا یعنی نفی غیر اللہ کے بعد اثبات حق تعالیٰ ہی دلیل راہ ہے۔

درِ جہان آغاز کا راز حرف لاسبت

این نخشش منزل مرد خدا سبت

دنیا میں ہمارا آغاز کارحرم لا سے ہے اور یہ مرد خدا کی پہلی منزل ہے۔(۳۶)

پنج گنج میں آخری سی حرفی پنجم میں حضرت میاں صاحب نے صوفیاء کرام کے عظیم مسئلہ وحدۃ الوجود The Unity of Being صوفیاء وجودیہ کے نزدیک جو میاں صاحب کی سی حرفی وحدت الوجود میں بیان کیا ہے اس کی وضاحت مقصود ہے۔ رومئی کشمیر لکھتے ہیں الف تھیں:

الف الف ہزار ہوئے کون الف دی الف نو پاؤندائے

دل پانکلے بے بنا پیا اک تھیں دو کہاوندائے

نقطے گھت کے بندیاں لا آیا عاماں واسطے روپ وٹا وندائے

اوہو یار محمد جھنگ والا میموں مندراں پائیکے آوندائے۔(۳۷)

بنیادی طور پر عارف کھڑی اپنی اس سی حرفی میں الف کی حقیقت کو بیان کیا ہے یعنی تمام حرف میں

الف کسی نہ کسی طرح جلوہ گر ہے اور حروف کا تمام نشیب و فراز بقاء و قائمیت صرف الف کی وجہ سے ہے گویا تمام حروف اپنے ہونے میں الف کے محتاج ہیں ان حروف کا وجود مستقل بالذات یا حقیقی نہیں بلکہ الف ہی کی عطا ہے اس اعتبار سے الف ہی حقیقی معنوں میں موجود ہے یعنی حروف کی بقا الف کے ساتھ مشروط ہے۔ جس طرح الف کی وجہ سے تمام حروف کی موجودیت ہے اس طرح ذات باری تعالیٰ کے وجود سے ساری کائنات ہے اس کائنات میں ایک ہی ہستی واجب الوجود یعنی حقیقی معنوں میں موجود ہے اور یہ کائنات اس کی ذات و صفات کی مظہر ہے اور اس کا وجود مستقل بالذات یا حقیقی نہیں ہے بلکہ عطائے خداوندی ہے بالفاظ دیگر کائنات اپنے وجود اور اپنی بقاء کے لئے ہر آن خدا کی محتاج ہے یہی وحدت ہے الوجود ہے یہی تصور عارف کھڑی نے پیش کیا ہے۔ (۳۸)

جناب رومیؒ کشمیرؒ چونکہ ایک روحانی و عرفانی شخصیت ہیں آپ کا عارف باللہ ہونا اظہر من الشمس ہے اس لئے آپ کے کلام کی تشریح ادبی پیرائے کے بجائے علمی اور عرفانی انداز میں ہوتی چاہیئے تا کہ آپ کا متصوفانہ نظریہ اجاگر ہو آپ چونکہ مستند صوفی ہیں اور مستند صوفیاء کی تائید میں کلام پیش کیا ہے شیخ اکبر امام محی الدین ابنِ عربی (متوفی 1240ء/683ھ) اپنی تصنیف لطیف ،فتوحاتِ مکیہ، میں رقمطراز ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ سو پہلے واضح ہو کے حروف کے مثل عالم انسانی کے خطاب میں بجز تکلیف شرعی کے شرکت رکھتے ہیں کیونکہ وہ انسان کی طرح سارے حقائق کو قبول کر لیتے ہیں اور سارا عالم حروف ایسا نہیں ہے حروف میں بعض حروف بمنزلہ قطب کہ ہیں ہم انسانوں میں قطب کا مقام حیات قبولیت (یعنی زندگی کو تھامنے کی خاصیت) ہے یہ مقام قطب کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ عالم انسانی میں اسکی عقد و ہمت سائز و دائر ہے الف اپنی خاصیت سریانی کی حیثیت سے اقصیٰ مخارج سے نکلتا ہے یعنی الف کے مخرج وہ ہے جو سانس کے اٹھنے کا آخری مقام ہے جو نکل کر ہوائے خارجی میں پھیل جاتا ہے اور تم اس کو مخرج سے خارج کرنے کے بعد خاموش رہ جاتے ہو اسی آواز کو صداع صدی کہتے ہیں اور یہ صداء الف کی قبولیت کی خاصیت ہے پھر شیخ اکبرؒ

لکھتے ہیں نہ اس حیثیت سے کہ وہ واقف ہے اور لکھنے کی حیثیت سے سارے حروف الف کی طرح ڈھلتے ہیں اور اسی کے مرکب سے ہوتے ہیں اور الف کسی حرف کی طرح نہیں ڈھلتا جیسا کہ وہ پانی روحانیت کی طرف ڈھلتا ہے ہم نے آپ کو الف کے ان امور سے شناسا کر دیا جن کی وجہ سے الف قطب کیا منصب رکھتا ہے۔(۳۹)

حضرت شیخ سید الکریم جیلیؒ (832ھ/1428ء) انسان کامل میں فرماتے ہیں جان لو اسم رحمٰن کے ماتحت جمیع اسماء الٰہیہ نفسیہ ہیں اور وہ سات ہیں۔

۱۔ حیات	۲۔ علم
۳۔ قدرت	۴۔ ارادت
۵۔ سمع	۶۔ بصر
۷۔ کلام	

اب رحمان کے حروف سات ہیں پہلا الف ہے اور وہ حیات ہے کیا تو نے نہیں دیکھا کہ حیاتِ الٰہی جمیع اشیاء میں ساری ہے اور وہ اسی کے ساتھ قائم ہے ایسا ہی الف بھی نفسہ جمیع حروف میں ساری ہے حتیٰ کہ کوئی حروف نہیں جس میں الف لفظاً یا کتابۃً موجود نہ ہو باہیکہ ایک بچھا ہوا الف اور جیم الف ہے جسکی دونوں طرفیں ٹھہری ہیں ایسا ہی باقی حروف کا حال ہے اور لفظاً اس طور پر کہ جب حرف کو بسط دیں تو الف اسکی بساط میں اس بسائط کی بساط میں ضرور موجود ہونا ہے باء کو لو کہ جب اسکو بسط دے گا تو کہے گا باو الف اور اس میں الف ظاہر ہے مثلاً جیم کے جب تو اس کو بسط دے گا تو کہے گا جیم یا میم اور یا میں الف ظاہر ہے اور میم میں بھی ایسا ہی ہے اسی پر تمام حروف کو قیام کو لو پس حرف الف حیات رحمانیہ کا مظہر ہے جو جمیع موجودات میں ساری ہے۔(۴۰)

مولانا بعد الرحمٰن حامیؒ (م898ھ/1492ء) فرماتے ہیں الف مکتوبی بھی جو حروف کی کسی شکل

کے ہونے اور نہ ہونے میں مقید نہیں مگر اس کے باوجود الف لفظی تمام حروف ملفوظی کی حقیقت ہے جو بہت سے مخصوص مخارج کی ادلتی بدلتی کیفیات میں شامل ہے اور مختلف شکلوں میں مشتکل ہے اور متعدد ناموں سے منسوب ہے بنابریں تمام فی الواقع الف ہی ہیں جو خود حروف ہونے کے باوجود حروف کی گوناگوں شکلوں اور کتابتوں میں ظاہر ہوا ہے اگر الف اطلاق اور وحدت کے مرتبے سے تقید اور کثرت کے درجے میں تنزل نہ کرتا تو حروف کی شکلیں اور صورتیں ظاہر نہ ہوتیں پس صورتوں میں تمام تر اختلاف کے باوجود حروف اپنی حقیقت میں واحد ہے۔(۴۱)

سوھنی مھینوال : سال تصنیف

حضرت میاں محمد بخش قادری کی پہلی باقاعدہ تصنیف ہے جو بلخ اور بخارا کے حکمران مرزا عالی بیگ کے بیٹے مرزا عزت بیگ کے عشق و محبت کی لوک داستان ہے۔شہر گجرات کے ایک کوزہ گر کی بیٹی جو حسن و جمال کی پیکر تھی سوہنی کے نام سے مشہور و معروف تھی مرزا عزت بیگ بخارا جاتے ہوئے گجرات میں رکا سوہنی کے حسن و جمال کے قصے سنے تو اس پیکرِ حسن و جمال کے عشق میں گرفتار ہو گیا۔سوہنی کے والد کی دکان پر پہنچا اور مہنگے داموں برتن خرید کر سستے داموں بازار میں بیچنے لگا اس طرح اس نے اپنی ساری دولت لٹا کر کوزہ گر کے گھر ملازمت اختیار کر لی ادھر سوہنی بھی اس سے عشق کرنے لگی سوہنی کے گھر والوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے اس کی شادی کسی اور کے ساتھ کر دی۔عزت بیگ جو اس داستان عشق میں مہینوال کے نام سے مشہور ہو گیا اس کو گھر کی ملازمت سے فارغ کر دیا گیا اب مہینوال ایک فقیر بن کر دریا کے کنارے رہنے لگا۔سوہنی سے اس کی ملاقات رات کو دریا پر ہونے لگی مہینوال ہر روز دریا سے مچھلی شکار کر کے اس کے لئے کباب بناتا تھا ایک روز اس کو مچھلی نہ ملی تو اس نے اپنی ران کا گوشت کاٹ کر کباب بنا کر پیش کیا اور زخمی حالت میں دریا عبور کیا جب اسکی کیفیت کا علم سوہنی کو ہوا تو اس نے خود ہی دریا عبور کر کے اس کے پاس آنا شروع کر دیا ایک دن یہ راز فاش ہو گیا اس کے کسی رشتہ دار نے اس کو دریا عبور کرتے ہوئے دیکھ لیا دوسرے

دن اس نے رات کے اندھیرے میں پکے گھڑے کی جگہ کچا گھڑا رکھ دیا دوسری رات جب سوہنی گھڑا لے کر چلی تو راستے میں گھڑا دیکھ لیا لیکن واپس جانے کو توہینِ محبت سمجھا اور کچے گھڑے کو لیکر دریا میں داخل ہوئی اور وہ زیادہ ساتھ نہ دے سکا اور وہ مہینوال کو پکارتی ہوئی دریا کی نظر ہوگئی اور جب مہینوال نے آواز سنی تو وہ بھی دریا میں کود گیا دونوں محبّ اور اس کی محبوبہ دریا کو موجوں کی نظر ہو گئے۔

میاں صاحب نے اس طویل داستان کو اپنے ایک دوست کالا کی فرمائش پر تحریر فرمایا اور عشق مجازی اور عشق حقیقی کا موازنہ کرتے ہوئے مجاز کو ہی عشق حقیقی کا زینہ قرار دیا اور اس کتاب میں سوہنی اور مہینوال کے عشق مجازی کا تذکرہ کر کے عشق حقیقی کے پیروکار صوفی کو جھنجھوڑا اور میاں صاحب نے ایک مجاہد کو دلیری کا درس دیا صوفی کو وفا کا درس دیا اور اس کتاب کا سن تالیف اس طرح ذکر کیا۔

باراں سے ترہتر ہجری اندر سن
رحمت میرے پیر دی کیتا سبز چمن
بارہویں ماہ شوال دی بدھ دھینہ وقت زوال
ہویا تم محمد قصہ مہینوال

تحفہ میراں : سال تالیف 1274ھ

یہ کتاب میاں محمد بخش ؒ کی اہم تصنیف ہے جو آپ نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی تعریف میں لکھی چونکہ آپ قادری تھے اس لئے غوث پاک کی کرامات اور احوال پر مشتمل ہے اس کا آغاز حمدِ باری تعالیٰ سے کیا۔

اول حمد ثناء الہیٰ پڑھ بسم اللہ آکھاں
فیر صلوٰۃ سلام محمد ﷺ ہون ہزاراں لاکھاں

کتاب کے اختتام پر حضور غوث پاک کی بارگاہ میں یوں مدح سرا ہیں۔

یا میراں رب قدرت دتی خاص تساڈے تاہیں
بخش شفا مربی میرے کامل صحت دوائیں
آسا میری توڑنا ئیں تو ڑ بچاؤ میراں
بخش شراب محبت والی شاد کرو دلگیراں
میں کچھ منگ نہ سکا میراں آپے کرم کماؤ
لائق شان اپنی دی مینوں خیر جنابوں پاؤ

نیرنگ عشق : سن تالیف 1275ھ

حضرت رومی کشمیر کی تصنیف علامہ غنیمت کنجاہی کی فارسی تالیف کا منظوم پنجابی ترجمہ ہے جو سید باقر علی شاہ کی فرمائش پر کیا ہے اس کتاب کے نام اور تاریخ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

محمد جاں ہو یا ایہہ نسخہ تمام
سنو نیرنگ اس دا کیتا نام
لکھاں تاریخ آساں تاں نہ ہو رنج
ستر بارہ اُتے ہو روی پنج

قصہ شاہ منصور: سال تالیف 1275ھ

اس کتاب میں حضرت میاں صاحب شاہ منصور کا قصہ بیان کیا ہے لیکن اس میں دنیائے تصوف کے دو درخشندہ ستاروں حضرت شاہ شمس تبریز اور مولانا جلال الدین رومی کا ذکر بطور خاص کیا اس کا ماخذ شیخ فرید

الدین عطار نیشا پوری کی تصنیف تذکرہ اولیاء ہے اس میں حضرت شاہ منصور کا سولی پر چڑھنا اور انا الحق کا ورد شامل ہے اور سولی پر چڑھنے کے بعد بھی انا الحق انا الحق کی صدا آپ کے جسم سے آ رہی تھی۔

شیریں فرہاد: سال تالیف 1276ھ

حضرت میاں محمد بخشؒ نے چین کے ایک شہزادے فرہاد کا قصہ عشق بیان کیا ہے جو ایک ایرانی خاتون شیریں کے عشق میں گرفتار ہو جاتا ہے اور عشق کی منزل پانے کیلئے سنگلاخ پہاڑ چیر کر نہر نکالتا ہے۔

شیریں دل فرہاد دا ایسا ہو یا دھیان
اپنا آپ محمد نے وچ رہیا دھیان
اوہ شیریں دے عشق نوں ستا سی گل لا
بیٹھا سی فرہاد دا چیتا دلوں بھلا

گلزار فقیر:

حضرت میاں محمد بخش قادری نے اپنے اشعار میں اس کتاب کا ذکر فرمایا ہے لیکن اسکے موضوع و متن کے بارے میں وافر معلومات میسر نہیں ہیں حضرت میاں محمد بخش اپنی کتاب سخی خواص خان میں فرماتے ہیں۔

ہندی عشق نیرنگ نوں نظم کیتا نالے فقر والا گلزار ہے جی
نالے خواں خواص دا خوب قصہ ہو یا نظم دے وچ تیار ہے جی

حضرت میاں صاحب کی یہ تصنیف شیر شاہ سوری کی کنیز خواص کے بیٹے سخی خواص خان کی داستان عشق و شجاعت پر مشتمل ہے آپ نے اپنی یہ کتاب اپنے ایک عقیدت مند سید باقر شاہ کی فرمائش پر تحریر کی۔

مرزا صاحبان : سال تصنیف 1288ھ

حضرت میاں صاحب نے یہ تصنیف ہیر رانجھا کی طرز پر تحریر کی ہے اس میں مرزا کھرل اور صاحبان کی داستان کو روایتی انداز میں تحریر کیا اسی قصہ اسی طرزِ تحریر کی اتباع کی گئی ہے۔

چھٹی پیر : سال تصنیف 1315ھ

اس تصنیف میں میاں صاحب نے مائی پیر کے ایک خط کا ذکر کیا ہے اور رانجھے کا ٹلہ جوگیاں میں مرید ہونے کا ذکر کیا اور اس واقع کے پس منظر میں میاں صاحب نے فنائی المرشد کا فلسفہ بیان کیا۔ (۴۲)

حضرت میاں محمد بخش ؒ کا فلسفہ:

حضرت میاں محمد بخش ؒ کی پوری شاعری کا جائزہ لیا جائے اور اس پر غور کیا جائے تو جو چیز پوری شاعری میں روح کی حیثیت رکھتی ہے وہ ہے، نظریۂ حیات اور مرد مومن کو کس طرح ہونا چاہیئے ہے تمثیل بیان کر کے مردِ مومن کو سمجھانے کی کوشش کی مثلاً سیف الملوک آپ کی سب سے زیادہ شہرت یافتہ کتاب ہے اس میں آپ نے شہزادہ سیف الملوک کی دلیری اپنے مقصد کے ساتھ لگن اور اس کی جوانمردی اور اسکی فتح کی روشن مثالیں دیں انسان کو سمجھایا ایک پری کا عاشق اپنی معشوق کو حاصل کرنے کے لئے سب کچھ قربان کر دیتا ہے جنگلوں، دریاؤں اور ویرانوں کا سفر کرتا ہے جنگلی درندوں کا مقابلہ کرتا ہے دیو جو کہ جن کی نسل ہے اس کا مقابلہ کرتا ہے اس کو قتل کرتا ہے اور دعویٰ تھا ایک پری کے عشق کا شہزادہ تھا تخت اس کا منتظر تھا رعایا اور بادشاہ منتیں کرتے تھے سب کچھ چھوڑ کر اپنے عشق کو پروان چڑھایا ہائے انسان ہائے مرد مومن ہونے کے دعویدار تجھے کیا ہو گیا اس حسن مطلق کا عاشق کہلانے والے رب سے محبت کی لو لگانے والے تھوڑے دنیاوی مفادات پر دین کو قربان کر دیتا ہے شہزادہ سیف الملوک سے سبق سیکھ یا پھر اس کو

عشق نہ کہہ کیونکہ یہ عشق کی توہین ہے عاشقوں کی توہین ہے انسان کی نیابت کا ذکر کیا کہ انسان کو اللہ نے خلیفۃ الارض بنایا زمین پر اپنا نائب بنایا قرآن پاک سورۃ احزاب۔

ہم نے اپنی امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کو پیش کی مگر انہوں نے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس بوجھ کو اُٹھالیا وہ بڑا ہی ظالم اور جاہل ہے۔

اس آیت کی طرف آپ نے اس طرح اشارہ کیا۔

بھار عشق دا کسے نہ چاہا ہر ہر عذر بہانے
آکھ بلیٰ بلا سیڑی افسانے نادانے

حضرت میاں صاحب نے عاشق سے مراد مرد مومن لی ہے فرماتے ہیں۔

عاشق اگے تابع ہوون جیو جنتر صحرائیں
توڑے کہ اکٹھیاں رکھے بکریاں شہنہ گائیں

انسان تمام مخلوقات سے افضل و اشرف ہے اور انسان کو کمال تک پہنچانے والا اس کا دل ہے ازروئے قرآن اللہ انسان کی شہ رگ سے بھی قریب ہے تو دل رب قدیر کا ہمسایہ ہے میاں صاحب کے نزدیک انسان کی کامیابیوں کا راز دل کا درست ہونا ہے ازروئے حدیث بھی یہی فلسفہ ہے۔ حضرت میاں صاحب کے تفکر کا حاصل آپ کی شاعری کا روح رواں جذبہ محبت ہے آپ نے اس کو ہر مرد مومن کے دن میں بیدار کرنے کے لئے ایک اچھوتے انداز سے پنجاب کے روایتی تہذیب کے رنگ میں ڈوبے ہوئے گلاب سے انسان کو مخاطب کرتے ہیں مثنوی نیرنگ عشق میں آپ نے انسان کے دل میں موجود کیفیت کو بھی ظاہر کیا کہ جب وہ محبت الٰہی جل جلالہ محبت رسول ﷺ اخلاص و عمل کے بجائے نفسانی خواہشات ولذات کی آماجگاہ بن جائے تو ایسی صورت میں وہ کیا رنگ اختیار کرے گا آپ فرماتے ہیں۔

محبت دانہ جس وچ ڈیرا
نہیں اوبرے گوش دا بسیرا
پاک خداوند سر جیا آدم ڈاہڈی شے
ہمت دا لک بن کے جدھر لگ پیئے
پٹ پہاڑاں سٹ دا دریا سادھ لئے
کر حساب آسمان دا غیبی خبر لئے
کرو اچھیک زمین نوں جان پر مل لیئے
سخت مصیبت عشق دی اوہ بھی پیڑ سہیئے
کڑ کم جہاندا اس تھیں جور ہیئے
پر اک موت محمد اس پر ڈاہڈی (شیریں فرہاد)

حضرت میاں صاحب کے مندرجہ بالا اشعار جو آپ کی تصنیف شیریں فرہاد سے لئے گئے ہیں انسان کے عزم و ہمت روحانی اور بشری قوتوں کے آئینہ دار ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اسے تسخیر کائنات اور روحانی مدارج طے کرنے کے سلسلے میں ودیعت کیئے ہیں۔ کر حساب آمان دا غیبی خبر لئے، یہاں میاں صاحب نے تسخیر کائنات کا فلسفہ دیا ہے خلا پر کنٹرول، چاند ستاروں پر انسان کے پہنچنے کی پیشن گوئی کی جو آج پوری ہو چکی ہے یہ اشعار ڈیڑھ صدی پرانے ہیں ایک اندازے کے مطابق اس وقت ان چیزوں کی ایجادات نہیں ہوئی تھی جو آج سائنس و ٹیکنالوجی کی حیرت انگیز ایجادات ہیں میاں صاحب نے مذکورہ بالا کلام میں یہ سبق دیا کہ کوئی ایسا کام نہیں ہے جو انسان نہ کر سکتا ہو مگر اس پر موت بھاری ہے موت کے آگے کوئی طاقت کام نہیں کر سکتی میاں صاحب کے فلسفے پر غور کرنے سے سبق ملتا ہے۔ قادر مطلق نے جو یہ آسمان چاند، ستارے، سورج، زمین تخلیق کئے ہیں ان میں ابھی بہت کچھ ہے جو انسان کے لئے سربستہ راز ہیں

انسان کو ہمت نہیں ہارنی چاہیئے حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز فنا ہونے والی ہے اور فنا کے بعد بقا حاصل ہوتی ہے مثال کے طور پر کسی پودے کا بیج مٹی میں ملتا ہے اور جب فنا ہوتا ہے تو اس سے درخت لگتا ہے پانی کی بوند آسمان سے گر کر مٹی میں جذب ہو کر فنا ہوتی ہے اور فنا سے زمین میں نباتات اُگتے ہیں خود انسان کی تخلیق عمل: مرد کے مادہ تولید کے لئے عورت کا رحم مقام فنا ہے ہزاروں جراثیم جو مرد کے مادہ تولید سے عورت کے رحم میں داخل ہوتے ہیں اور سب فنا ہو جاتے ہیں کوئی ایک زندگی کی شکل اختیار کرتا ہے اور بچے کی صورت میں پروان چڑھتا ہے اور ولادت ہوتی ہے۔ فقر کی دنیا میں انسان کو فنا کے بعد بقا ملتی ہے جسکو مولانا روم ؒ نے یوں بیان کیا کہ ہر گز نمیرد زندہ شد بعشق ترجمہ: جو عشق حقیقی سے اپنے من کو زندہ کرتے ہیں وہ کبھی بھی نہیں مرتے۔

حضرت میاں محمد بخش ؒ تحصیلِ علم کے بارے میں فرماتے ہیں۔

پڑھنا علم ضرور بندے نوں کیتا فرض الٰہی
کردا علم لے لوں روشن ہوندی در و سیاہی
جیویں سورج وچ نور تیویں ہے علم روح وچ جانے
نورے باجھوں سورج پتھر آدم جنس حیوانے
علم دے کارن دنیا اُتے آون کم انساناں
سمجھے وجود اپنے نوں نہیں تاں وانگ حیواناں

مغربی سائنس دانوں نے کئی صدیاں محنت کے بعد اب پتہ لگایا ہے کہ سورج چاند پتھر ہیں لیکن اسلام نے مدتوں پہلے دنیا پر واضح کر دیا کہ سورج اور چاند پتھر ہیں۔ میاں صاحب نے مثال سے واضح کر دیا کہ جس طرح نور کے بغیر سورج اور چاند پتھر ہیں اس طرح علم کے بغیر انسان حیوان کی مانند ہے علم سے مراد علم خود شناسی ہے۔

وفات:

حضرت میاں صاحب 78 برس کی عمر میں 7 ذوالحجہ 1324ھ جنوری 1907ء میں اس جہانِ فانی سے رحلت فرمائی آپ کی وفات کا واقع اس طرح ہے کہ سردیوں کا موسم تھا آپ نے خادم سے وضو کے لئے پانی مانگا خادم نے پانی گرم کرنے کے لئے آگ جلائی آپ نے وضو فرمایا وہاں ہی بیٹھ کر آگ تاپنے لگے اچانک ہی گر پڑے خادم نے دوسرے خادم کو آواز دی اور اٹھا کر چارپائی پر رکھا آپ کو حجرۂ پاک میں لے گئے جہاں آپ دو دن بے ہوش رہے دو دن کے بعد آپ کا وصال ہو گیا۔

عارف کھڑی مصنف لکھتے ہیں کہ حضرت میاں صاحب کے وصال کے دن آسمان پر سرخ رنگ کی گرد پھیل گئی جس طرح حضرت میاں صاحب کے مرشد معنوی مولانا روم کی وفات کے وقت ہوا تھا جنازہ میں دور دراز سے ہزاروں لوگ آئے صفیں مشکل سے بنائی گئیں۔ (۴۳)

حضرت میاں محمد بخشؒ کی وصیت:

آپ کی وصیت تھی کہ مجھے غسل وہ شخص دے جس نے تمام عمر کسی غیر محرم عورت کی جانب آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا ہو اور جنازہ بھی وہی شخص پڑھائے ان خدمات کے لئے حافظ مطیع اللہ صاحب آف سموال شریف نے اپنے آپ کو پیش کیا جو آپ کے استاد محترم کے صاحبزادے تھے آپ کے ہم مکتب تھے اور ایک جید عالمِ دین تھے۔

حلیہ مبارک:

حضرت میاں صاحب بلند قامت اور طاقت ور جسم کے مالک تھے اعضاء نہایت متناسب و مزوں اور رنگ گندمی مائل بہ سفیدی چہرہ انور باوجاہت، پیشانی کشادہ، آنکھیں بڑی بڑی اور داڑھی مبارک گھنی تھی

صورت مبارک انوار ولایت سے درخشاں خوبصورتی اور ملاحت کے ساتھ رعب و ہیبت نمایاں تھی طبیعت مبارک میں بردباری کا عنصر نمایاں تھا۔

اوصاف:

نہایت زیرک، کلام سیریں وشائستہ اور اثر کرنے والا مدبر، حلیم، کریم النفس، غیور اور خوددار، اور سخت کوش تھے بہترین گھڑسوار تھے غرض قدرت نے آپ کو روحانی، دماغی اور جسمانی ہر قسم کی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔

خوراک:

حضرت میاں صاحب کے لئے آدھ پاؤ آٹے کی چار چپاتیاں تیار کی جاتی جن میں سے آپ ایک ایک چپاتی صبح وشام تناول فرماتے تھے سالن میں ہمیشہ پانی ڈال کر بدمزہ کر کے کھاتے تھے فقر اختیار کرنے کے بعد تمام عمر آپ کا یہی معمول رہا کہ لذات کو اپنے سے دور رکھتے تھے۔ (۴۴)

حالت تجرد:

آپ نے ساری زندگی شادی نہ کی حالت تجرد میں زندگی گزاری۔ (۴۵)

☆☆☆

حوالہ جات:

حضرت میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ۔

۱۔ نیرنگ عشق، مثنوی، میاں محمد بخش، خاندانی حالات ملک محمد مقدمہ، مجاہد طارق، ناشر چوہدری بک ڈپو چوہدری پلازہ دینہ جہلم سن طباعت 1988 صفحہ 15

۲۔ تذکرہ اولیاء کشمیر، آزاد محمود سید، ناشر نظامت اوقاف مظفر آباد سن طباعت 1993 صفحہ 172

۳۔ ایضاً، صفحہ 173

۴۔ عارف کھڑی محمد سکندر، میاں چوہدری بک سیلرز جی ٹی روڈ دینہ، سن طباعت 1970، صفحہ 22

۵۔ ایضاً، صفحہ 33 تا 24

۶۔ تذکرہ اولیاء کشمیر دوئم، ایضاً صفحہ 175

۷۔ عارف کھڑی، ایضاً، صفحہ 27

۸۔ تذکرہ اولیاء کشمیر دوئم، ایضاً، صفحہ 209

۹۔ تذکرہ اولیاء کشمیر، ج دوئم، صفحہ 178

۱۰۔ عارف کھڑی، ایضاً، صفحہ 33

۱۱۔ ایضاً، صفحہ 38

۱۲۔ عارف کھڑی، ایضاً، صفحہ 74 تا 41

۱۳۔ عارف کھڑی، ایضاً، صفحہ 50 تا 48

۱۴۔ عارف کھڑی، ایضاً، صفحہ 51

۱۵۔ عارف کھڑی، ایضاً، صفحہ 52

۱۶۔ عارف کھڑی، ایضاً، صفحہ 53

۱۷۔ عارف کھڑی، ایضاً، صفحہ 55

۱۸۔ سیف الملوک، از ملک محمد ناشر چوہدری بک ڈپو دینہ، سن طباعت 1995ء صفحہ 212

۱۹۔ سیف الملوک، میاں محمد بخش، صفحہ 125، ناشر چوہدری بک ڈپو دینہ، سن طباعت 1990ء صفحہ 225

۲۰۔ بال جبریل، صفحہ 45، محمد اقبال علامہ، ڈاکٹر، پنجاب بک ڈپو لاہور، سن طباعت 1999ء صفحہ 15

۲۱۔ عارف کھڑی، ایضاً، صفحہ 60

۲۲۔ عارف کھڑی، ایضاً، صفحہ 60

۲۳۔ عارف کھڑی، ایضاً صفحہ 64 تا 63

۲۴۔ رومی کشمیر، اویسی نجابت، حسین بابا ناشر مجلس تحقیق، فکر و فلسفہ کل پاکستان بزم فکر ونظر مرکزی دفتر سیکریٹری تھری، میر پور سن طباعت 2005 صفحہ 325

۲۵۔ رومی کشمیر، ایضاً، صفحہ 33۔ تذکرہ اولیاء کشمیر صفحہ 176 تا 179

۲۶۔ تذکرہ اولیاء کشمیر، ایضاً، صفحہ 179 تا 177

۲۷۔ تذکرہ اولیا کشمیر، ج دوئم، صفحہ 180

۲۸۔ تذکرہ اولیاء کشمیر، ج دوئم، صفحہ 189 تا 188

۲۹۔ سیف الملوک، محمد بخش میاں ناشر چوہدری بک ڈپو دینہ۔ صفحہ 170

۳۰۔ تذکرہ اولیاء کشمیر، ج دوئم، صفحہ 62

۳۱۔ تذکرہ اولیاء کشمیر، ج دوئم، صفحہ 62

۳۲۔ بوستان قلندری ناشر چوہدری بک ڈپو ترجمہ تذکرہ مقیمی ملک محمد سن طباعت ندارد۔ صفحہ 15

۳۳۔ پنج گنج دعوت فکر جہلمی مجاہد، طارق ناشر چوہدری برادران دینہ جہلم، سن طباعت 1964ء صفحہ 13

۳۴۔ میاں محمد، اظہر، غلام حسین، مطبوعہ کتب مینا بازار لاہور 1980ء صفحہ 25

۳۵۔ جوہر اقبال، طارق، عبدالرحمان مطبوعہ شیخ غلام حسین اینڈ سنز لاہور 1994، صفحہ 39

۳۶۔ مجموعہ سرحرفی ہائے، شاہ محمد نیک عالم پیر مطبوعہ مجاہد اکیڈمی جہلم 1998ء، صفحہ 40

۳۷۔ مجموعہ سہ حرفی شاہ محمد نیک عالم، پیر، مطبوعہ مجاہد اکیڈمی جہلم 1998ء، صفحہ 45

۳۸۔ ایضاً صفحہ 48

۳۹۔ ایضاً صفحہ 50

۴۰۔ ایضاً صفحہ 51

۴۱۔ ایضاً، صفحہ 52

۴۲۔ زیارات اولیاء کشمیر، افتخار احمد، قادری، ناشر بغدادی ہاؤس، 6/1-999، صفحہ 25

۴۳۔ عارف کھڑی، صفحہ 54

۴۴۔ عارف کھڑی، ایضاً، صفحہ 55

۴۵۔ عارف کھڑی صفحہ 55

☆☆☆

ضلع میرپور

آستانہ عالیہ ڈھنگروٹ کی دینی و علمی خدمات :

حضرت خواجہ حافظ محمد حیاتؒ ڈھنگروٹ شریف:

منگلا:

آزاد کشمیر کی سرزمین اولیاء اللہ کا مسکن ہے اسی سرزمین پر ضلع جہلم کے شمال کی جانب آخری حدود میں منگلا ڈیم کے کنارے دو بڑے دریا دریائے جہلم اور دریائے پونچھ ملتے ہیں وہاں منگلا ڈیم کے قریب ڈھنگروٹ کے نام سے معروف بستی آباد ہے جو حسن فطرت سے مالا مال ہونے کے ساتھ روحانیت کی بھی آمین ہے یہاں تقریباً ڈیڑھ صدی قبل سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ قادریہ کے عظیم پیشواء خواجہ حافظ محمد حیات گزرے ہیں آپ کے والد گرامی کا نام محمد بہادر تھا آپ کی ولادت ۱۸۳۷ء میں ہوئی ابتدائی تعلیم اپنے گھر میں حاصل کی بعد حضرت خواجہ محمد بخش آف باؤلی شریف سرائے عالمگیر کے ہاتھ پر بیعت کی اور صفا کی کئی منازل انہی کی زیرنگرانی طے کیں انہوں نے آپ کو خلعت خلافت سے نوازا ان کے وصال کے بعد آپ نے حضرت خواجہ نیک عالم شاہ بخاری کی کمال بصیرت میں آپ کو مزید فیض ملا اور انہوں نے ہی آپ کو خلعت خلافت پہنائی۔

آپ کی تعلیمات :

آپ ذکر و فکر میں مصروف رہتے اور لوگوں کو یاد خدا کی دعوت دیتے آپ کی محفل ذکر مشہور تھی سنگدل سے سنگدل آدمی بھی موم ہو جاتا تھا آپ نے ہزاروں برگشتہ اور گمراہ لوگوں کو ہدایت کی راہ پر گامزن

کیا۔ بیشمار چوروں اور لیٹروں کو پانچ وقت کا نمازی اور تہجد کا پابند بنایا۔

آپ کے خلفاء:

۱۔ قاضی سلطان عالم آف جہلم (ا) آستانہ عالیہ لیہ رشریف مسجدوں والے پیر۔

۲۔ حضرت میاں حسین علی آف کس ہاڑاں آزاد کشمیر۔

۳۔ حضرت حشمت علی

۴۔ حضرت میاں ستار محمد

۵۔ میاں باغ علی آف ڈومال

۶۔ حضرت میاں محمد آف فتح پور۔

۷۔ حضرت میاں خوشی محمد

۸۔ حضرت میاں باغ علی آف بوغہ شامل ہیں۔

وفات :

آسمان ولایت کا یہ نیر تاباں ۳ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ بمطابق بروز جمعۃ المبارک 1916ء کو غروب ہوگیا آپ کا مزار ڈھنگروٹ میں مرجع خاص و عام ہے۔

حضرت پیر محمد علی :

حضرت پیر محمد علی حضرت خواجہ حافظ حیات کے فرزند اور آپ کی طرف سے سجادہ نشین تھے مادرزاد ولی تھے۔

(۱)۔ قاضی سلطان عالم آف جہلم حضرت خواجہ صادقؒ دربار عالیہ چیچیاں ثم دربار عالیہ گلہار شریف کوٹلی کے والد محترم ہیں جنہوں نے دین اسلام کی بہت بڑھی خدمت کی آپ کو مسجدوں والے پیر کہتے ہیں آپ کا بالتفصیل ذکر اپنی جگہ پر کیا گیا ہے۔ (مقالہ نگار)

ابتدائی تعلیم :

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی اور روحانیت کی منازل بھی انہی کے زیرِ اثر طے کیں آپ نے انتہائی قلیل مدت میں قاضی سلطان محمود قادری آوانی سے سلسلہ قادریہ کے اسباق پڑھے جس کے نتیجہ میں تاجدار آوان شریف نے آپ کو سلسلہ قادریہ کی خلعت عطا کی آپ کو حضرت بابا پیرے شاہ غازی سے بھی بڑی محبت تھی آپ کا روحانی کمال یہ ہے کہ آپ کا کشف بہت مشہور تھا آپ اپنے کشف سے جو بات بیان فرماتے وہ درست ہوتی۔

خدمات :

آپ کے ذریعے بے شمار لوگوں کو ہدایت نصیب ہوئی اور بہت سے لوگوں کو تعلیم دی اعلیٰ منازل طے کروائی۔

وفات:

آپ حج بیعت اللہ کے لیئے تشریف لے گئے واپسی پر علیل ہو گئے بالآخر ۶ ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ ۱۵ اگست ۱۹۶۴ء بروز اتوار آپ نے وصال فرمایا۔ پھر آپ کی تدفین ہوئی 1967 میں منگلا ڈیم کا پانی زیادہ ہو گیا مزار متاثر ہونے سے قبل جسد اطہر نکالا گیا جو بالکل تر و تازہ تھا اور اسکوڈ ھنگر وٹ میں دوبارہ نماز جنازہ ادا کر کے دفن کیا گیا۔

آستانہ عالیہ کی دینی خدمات:

آستانہ عالیہ کی دینی خدمات آج جاری وساری ہیں درگاہ کے سجادہ نشین صاحبزادہ پیر محمد ترک نعمانی ایک مستند عالم دین صوفی ہیں جو ملک اور بیرون ملک اس مشن کو پھیلا رہے ہیں جو ان کے بزرگوں نے شروع کیا تھا آپ نے ڈھنگروٹ میں ایک خوبصورت مسجد تعمیر کی اور ساتھ ہی ایک مدرسہ تعمیر کیا جہاں دین کی تعلیم دی جاتی ہے۔

(بحوالہ روزنامہ اوصاف 08-04-18 مضمون نگار: سیّد علی تقی)

کوٹلی ڈویژن:

بزرگان قادریہ کی دینی و علمی خدمات:

حضرت خواجہ محمد سلطان عالم رحمتہ اللہ علیہ:

ولادت:

آپ خواجہ رکن عالم کے گھر 1870ء مطابق 1291ھ چھپیاں شریف نزد فتح پور میں پیدا ہوئے۔ قاضی فتح اللہ شطاری قادری کا تذکرہ چوتھے باب میں آچکا ہے قاضی فتح اللہ علیہ رحمت تک خواجہ محمد سلطان عالم رحمت اللہ علیہ کا شجرہ نصب اس طرح ہے۔اس طرح یہ شجرہ نسب سید نا صدیق اکبر تک مکمل درج ہے۔

شجرہ نصب:

قاضی محمد سلطان عالمؒ بن قاضی محمد رکن عالم بن قاضی محمد اکبر علی بن قاضی علی محمد بن قاضی غلام حسن

بن قاضی محمد نقشبند بن قاضی محمد معصوم بن قاضی فتح اللہ بن قاضی فرض اللہ بن عبدالباسط بن عبدالجلیل بن عبد اللہ بن صدر جہاں بن شیخ محمد بن شیخ عبدالمجید بن محمد حاکم بن فضل اللہ بن شیخ قادن بن ہدایت اللہ بن عمادالدین بن افتخارالدین بن قوام الدین بن قاضی مجسر وریتک بن شیخ حسام الدین بن شیخ نظام الدین بن شیخ فخرالدین بن شیخ علاؤالدین بن معین الدین قاضی مجسنر بن کمال الدین محمد حاکم یمن ومحدث مدینہ منورہ بن امام دین بن شمس الدین بن حسام الدین بن شیخ احمد حاکم یمن بن شیخ محمود بن شیخ ابوبکر ثانی ابراہیم ابو البرکات بن شیخ اسماعیل تابعی بن عبداسد بن عبدالرحمان بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہمصد یقیان میر پور کے جد اعلیٰ حضرت قاضی فتح اللہ کی نانویں پشت میں حضور قبلہ عالم خواجہ محمد سلطان عالم قدس سرہ اس عالم رنگ و بو میں جلوہ گر ہوئے۔ (۱)

حلیہ :

رنگ گندم گوں، قد مائل بہ درازی، سینہ کشادہ، شانے بھرے ہوئے، پیشانی چوڑی، جسم مضبوط و توانا اور اعضاء متناسب، حسین زلفیں ریش مبارک گھنی اور مرتب آنکھیں بڑی چمکدار چہرہ انور غیر معمولی چمک اور نورانیت دیدار کے لیئے بیتاب نگاہیں رخ انور پر پڑھتے ہی جلال ایمانی اور جمال سے خیرہ ہو جاتیں۔

تعلیم :

آپ کی تعلیم کے بارے میں واضح روایت نہیں ملی البتہ اتنا ہے کہ آپ کے والد گرامی خواجہ رکن عالم نے آپ کو موہڑہ گجراں متصل انب جہاں اب نیوڈویال آباد ہے ایک جید عالم دین کے پاس چھوڑا آپ کے والد خواجہ رکن عالم ایک بلند پایہ عالم تھے اور درس نظامی کے اعلیٰ مدرس بھی رہے ہوں اغلب گمان یہ ہے

کہ درس نظامی یا ابتدائی دیگر تعلیم آپ نے اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی ہے۔

بہر حال آپ کچھ عرصہ موہڑہ گجراں تعلیم حاصل کرتے رہے پھر آپ کو ٹنگروٹ شریف حافظ حیات محمد صاحب کے درس میں داخل کرایا گیا آپ کی تعلیم کے معیار کا علم نہ ہو سکا البتہ آپ یہاں علم حاصل کرتے رہے اور والد بزرگوار بھی آتے جاتے رہے۔

بیعت مرشد و راہ سلوک:

آپ کے والد گرامی ابتدائی ضروری تعلیم کے بعد آپ کو اپنے پیر خانے باولی شریف لے گئے ۱۲ سال کا طویل عرصہ اسباق سلوک کی تدریجی تکمیل کے لیئے اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ محمد بخش کی خدمت میں رہے۔

آپ کے پیر و مرشد نے اپنے وصال سے پہلے فرمایا اگر میں لمبے سفر پر چلا گیا تو اپنے اسباق حافظ محمد حیات صاحب سے مکمل کر لینا۔ روایات کے مطابق ۱۲ برس یا اس سے زیادہ عرصہ آپ نے حافظ محمد حیات صاحب (خلیفہ مجاز حضرت محمد بخش) کی خدمت میں تکمیل سلوک کی خاطر گزارہ اور انہیں سے خلافت پائی۔

خواجہ محمد سلطان عالم نے اپنے پیر و مرشد خواجہ محمد حیات کی وساطت سے حضرت پیر نیک عالم شاہ کی توجہ اور تلقین کے ذریعے سیفیہ نسبت بھی میسر آئی آپ کو خاندانی سلسلہ سے قادری شطاری نسبت بھی حاصل تھی آپ کو تین بلند پایہ نسبتوں کا فیض حاصل تھا۔ (۲۸)

معمولات:

روحانی معمولات شب و روز جاری تھے شب بیداری عادت بن گئی تھی تہجد کی آٹھ رکعت پڑھتے تحیۃ الوضو زندگی بھر کا معمول تھا ہر نماز کے بعد فتح خواجہ محمد خان آپ کا معمول تھا۔ شروع میں تہجد کے بعد

5000 نفی اسبات معہ حبس دم اور 10 ہزار تحلیل لسانی تھا مگر بعد میں 500 حبس دم پانچ ہزار تحلیل لسانی اور 25000 ذکر اسم ذات معمول رہا فجر سے اشراق تک عصر سے مغرب تک مراقب رہا کرتے یہ سلسلہ پیری اور نقاہت میں بھی جاری رہا ظہر سے پہلے قیلولہ کرتے اور ظہر کے بعد کتابی اوراد اور وظائف پڑھتے ۔دلائل الخیرات ،درود و مستغاث ،حزب الاعظم ،اسماء شریف اصحاب بدر بھی معمول میں شامل تھا۔فجر کے بعد سورۃ یٰسین ،عصر کے بعد سورۃ النباء مغرب کے بعد سورۃ واقعہ عشاء کے بعد سورۃ الملک اور سجدہ کی تلاوت کا بھی معمول تھا روزانہ بعد از مغرب صلوٰۃ تسبیح چھ نفل ،اوابین چار نفل اشراق نیز دعائے عاشورہ سال میں ایک دفعہ معمول تھا۔

آپ کے خلفاء:

آپ کے خلفاء کی تعداد 44 ہے۔جن میں جناب قاضی محمد عالم برادر چیچیاں شریف ضلع جہلم سائیں فتح محمد چیچیاں شریف مولوی بقا محمد نکہ کوڑتی ضلع کوٹلی وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔

عائلی زندگی:

آپ نے پہلی شادی چچا زاد بہن محمد بی بی سے ہوئی یہ شادی درست طریقے سے نہ چل سکی اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو ایسی بیوی کی ضرورت تھی جو آستانہ عالیہ کے مہمانوں کی خدمت کرے جبکہ محمد بی بی کے مزاج میں یہ نہیں تھا انہوں نے صاف صاف کہہ دیا میں ایسا نہیں کر سکتی جس پر آپ نے طلاق دے دی۔

سائیں فتح محمد جو آپ کے خلفاء میں شمار تھے آپ نے عرض کی کہ میری بھانجی سے نکاح کریں۔جسکو آپ نے قبول کیا انہوں نے قبلہ کے مزاج کے مطابق آستانے کی بہت خدمت کی ایک بچی بھی ان سے پیدا ہوئی لیکن زندگی نے وفا نہ کی اور بیمار ہوئی اور فوت ہوگئی اور وہ بچی بھی چند روز بعد وفات پا گئی۔

سائیں فتح محمد آپ کے خلیفہ نے عرض کی کہ درسری بھانجی سجادہ بیگم جو بیوہ ہیں ان کے ہاں ایک بیٹا بھی ہے ان سے نکاح فرمالیں جو آپ نے قبول کیا اور نکاح کرلیا۔ ان سے ایک عدد صاحبزادہ حضرت خواجہ محمد صادق اور چار عدد صاجزادیاں ہوئیں۔

وفات:

9 مئی 1934ء کو آپ کا انتقال ہوا آپ کا مزار مبارک کالا دیو جہلم ہے ہر سال آپ کا عرس مبارک منعقد ہوتا اور یہ عرس آپ کے صاجزادے اور آپ کے مشن رہنما حضرت پیر محمد صادق صاحب کے زیر نگرانی ہوتا ہے۔ (۳۳)

آستانہ عالیہ حضرت خواجہ محمد سلطان عالم و خواجہ محمد صادق گلہار شریف کی علمی خدمات۔

آپ کے زیر نگرانی چلنے والے مدرسہ جات کی تعداد تقریباً 197 ہے آپ کے ان تعلیمی ادارہ جات میں درج ذیل علوم کا اہتمام ہے۔

۱۔ ناظرہ قرآن پاک۔

۲۔ حفظ قرآن۔

۳۔ تجوید۔

۴۔ درس نظامی۔

۵۔ بعض ادارہ جات میں درس نظامی کی جگہ دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف کا مکمل نصاب بھی پڑھایا

جاتا ہے۔ ان تعلیمی ادرہ جات سے فارغ التحصیل حفاظ کرام، علماء کرام، قراء حضرات کی تعداد ہزاروں میں ہے۔

آپ کے اداروں سے فارغ التحصیل حفاظ کرام آپ سے رابطہ رکھتے ہیں اور رمضان المبارک میں آپ کی منظوری سے مساجد میں قرآن سنانے کی ذمہ داری لگائی جاتی ہے کیونکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ حفاظ کرام رمضان کے مہینے سے قبل ہی مسجد کی تلاش شروع کرتے ہیں ان کو اس میں بڑی دقت ہوتی ہے اگر مسجد نہ ملنے کی صورت میں قرآن پاک نہیں سناتے تو منزل بھول جاتی ہے اس لیئے آپ کی مساجد اور مدارس میں علم حاصل کرنے والے حفاظ کی تقرری قرآن سنانے کے لیئے آپ خود کرتے ہیں اس اعتبار سے ایک رپورٹ جو کہ 1989ء سے لیکر 2005ء تک کے سالوں کی ہے۔ اس کے مشاہدہ سے اس عظیم آستانہ کی علمی خدمات روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہیں۔ ہر سال آپ کی طرف سے مقرر کردہ حفاظ کرام جو رمضان المبارک میں قرآن پاک سناتے ہیں۔

سال	تعداد حفاظ
1989	320 حفاظ کرام
1990	= =367
1991	= =404
1992	= =455
1993	= =491
1994	= =580
1995	= =603
1996	= =662

1997	= =733
1998	= =820
1999	= =786
2000	= =942
2001	= =962
2002	= =1050
2003	= =1059
2004	= =1068
2005	= =1130

آپ کے علمی خدمات کے حوالے سے یہ بیان کرنا انتہائی ضروری ہے کہ آپ نے بے شمار مساجد تعمیر کروائی ہیں آپ کی مساجد کا نقشہ تقریباً ایک ہی ہوتا ہے جس کو دیکھ کر علم ہو جاتا ہے کہ یہ کوٹلی والے پیروں کی مسجد ہے آپ کی اکثر مساجد کے ملحق ہی مدارس بھی ہیں اس لیئے آپ کی علمی کاوشوں کے تذکرے میں آپ کی مساجد کا ذکر بڑا ضروری ہے بیاض فیض کے مصنف حاجی فیض عالم نقشبندی مجددی تاجپوری لکھتے ہیں کہ میرے سامنے خواجہ محمد صادق صاحب نے فرمایا مجھے ان چیزوں کا شوق رہا ایک گھڑ سواری دوسرا تعمیر کرانے کا شوق آپ کا گھوڑوں کی نسل کی پہچان اور ان پر سواری کرنا اپنی آنکھوں سے دیکھا آپ جابر سے جابر گھوڑے گھوڑی پر سوار ہوتے ہوئے ذرا بھی نہ گھبراتے تھے۔ (۵)

تعمیری شوق میں آپ نے مسجدوں کی تعمیر کو اولیت دی آج تک جتنی مساجد اور مزارات تعمیر ہوئے ہیں اور مدارس ان کے نقشہ جات اس خوش اسلوبی سے انجام دے رہے ہیں کہ دیکھنے والے کو ہر مسجد دوسری سے الگ محسوس ہوتی ہے ہر مسجد فن تعمیر کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

مساجد کا ٹائم ٹیبل :

حضرت والا نے مساجد کو اس قدر منظم کیا کہ آپ کی تمام مساجد میں ایک ہی وقت اذانیں ہوتی ہیں اور نماز کے اوقات بھی ایک ہی ہیں آپ کی مرکزی مسجد جامع الفردوس میں جمعۃ المبارک کا وعظ ہی نہیں ہوتا لیکن اجتماع اتنا کثیر ہوتا ہے کہ لوگ صبح سے ہی جگہ کی تلاش شروع کر دیتے ہیں اور جگہ پر جائے نماز یا رومال بچھاتے ہیں۔

مسجد الفردوس کے شب و روز:

مقالہ نگار کو حاضری کا اتفاق ہوا۔ آنکھوں دیکھا حال یہ ہے کہ نماز فجر میں آدھا پارہ قرآن پاک کی تلاوت کی جاتی ہے اور قرآن بڑی ترتیل کے ساتھ پڑھا جاتا ہے ٹھہر ٹھہر کر اور رکوع سجود بڑے اطمینان سے کیئے جاتے ہیں نماز فجر سے فراغت کے بعد تمام لوگ وظائف میں مصروف ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ نماز اشراق کا وقت ہو جاتا ہے تمام لوگ نماز اشراق پڑھتے ہیں پھر ناشتہ مسجد میں ہی کرایا جاتا ہے پھر لوگ اپنے اپنے اوراد وظائف میں مصروف ہو جاتے ہیں اس کیفیت میں چاشت کی نماز پھر دوپہر کا لنگر اور ظہر کی نماز کا وقت ہوتا ملاقات کا طریقہ بذریعہ خط ہوتا ہے البتہ علماء کی عزت افزائی کی جاتی ہے حضرت صاحب کو جب علم ہوتا ہے کہ فلاں مولانا تشریف لائے ہیں تو تحائف سے نوازتے ہیں کتب، اور دیگر اشیاء تحفے میں دی جاتی ہیں۔ یعنی یہ علم اور علماء کے قدردان ہونے کی نشانی ہے۔

مقالہ نگار نے حضرت قاضی فتح اللہ قادری شطاری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر لگا ہوا ایک کتبہ دیکھا جس پر لکھا ہوا تھا کہ:

''یہاں کسی قسم کی نذر، نیاز نہ ڈالی جائے ہمیں ان چیزوں کی ضرورت نہیں اگر آپ یہ رقم اس لیئے دے رہے ہیں کہ ہم یہاں سے لنگر کھائیں گے تو لنگر تو جب آپ چلے تھے اس

وقت سے ہی اہتمام ہو چکا ہے اور یہ وصف تمام مزارات اور خانقاہوں سے نرالہ ہے باقی جگہوں پہ چیزیں خال خال ہی نظر آتی ہیں بتاریخ 25/3/04 بیاض فیاض کے مصنف لکھتے ہیں کہ مسجدوں کی کوئی حتمی فہرست جاری نہیں ہوئی البتہ جو مساجد میرے علم میں ہیں میں ان کا تذکرہ کرتا ہوں۔

۱۔ مسجد شریف دربار عالیہ چچیاں شریف سب سے پہلے آپ نے پکی تعمیر کرائی یہ مسجد شریف حضرت قبلہ عالم خواجہ محمد سلطان عالم کے وقت کچی تھی۔ یہ مسجد 1940ء تا 1945ء میں تعمیر کرائی گئی ہے۔

۲۔ جامع مسجد سلطانیہ نقشبندیہ دربار عالیہ کالا دیو ضلع جہلم

۳۔ جامع مسجد نیو چوہان لاہور

۴۔ جامع مسجد چتر پڑی میرپور

۵۔ جامع مسجد سلطانیہ نقشبندیہ تالاب والی میرپور

۶۔ مسجد شریف سلطانیہ گوڑہ نزدانب تحصیل ڈوڈیال میرپور

۷۔ مسجد شریف نئی آبادی سنگوٹ پیر سید نیک عالم شاہ میرپور

۸۔ مسجد شریف کھیری ڈڈیال میرپور

۹۔ مسجد شریف تھوتھال نزد پولیس چوکی میرپور

۱۰۔ مسجد شریف ایف ون میرپور

۱۱۔ جامع مسجد پوٹھہ شیر ڈڈیال

۱۲۔ جامع مسجد بٹھار تحصیل ڈڈیال میرپور

۱۳۔ جامع مسجد چھاترہ تحصیل ڈڈیال

۱۴۔ مسجد شریف سوکاسن بھمبر

۱۵۔ مسجد شریف پلائی اڈہ میر پور

۱۶۔ جامع مسجد ڈڈیال پرانی کچہری

۱۷۔ مسجد شریف ٹھارہ تحصیل ڈڈیال

۱۹۔ مسجد شریف کھیری سیاکھ موڑ ڈڈیال میر پور

۲۰۔ مسجد شریف پوٹھہ بنگلش صوفی غلام قادر والی ڈڈیال

۲۱۔ جامع مسجد چنار والی ڈڈیال

۲۲۔ جامع مسجد شریف حمزہ سیاکھ ڈڈیال

۲۳۔ مسجد شریف بٹھار تحصیل ڈڈیال ضلع میر پور

کوٹلی شہر کو مدینہ المساجد کہتے ہیں اس کی وجہ یہاں کثیرہ مساجد ہیں اور یہ مساجد آستانہ عالیہ گلہار شریف کے زیرِ نگرانی تعمیر کی گئی ہیں کوٹلی ضلعی صدر مقام ہے اور یہاں 55 مساجد آستانہ عالیہ کا زیر اہتمام تعمیر کی گئی ہیں۔

تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی کی تحصیل ہے اور یہاں 48 مساجد آستانہ عالیہ گلہار شریف کی زیرنگرانی تعمیر کی گئی ہیں۔ (۵)

مختلف مقام تحصیل و ضلع کی مساجد:

۱۔ جامع مسجد چیانوانی برلب جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

۲۔ مسجد شریف ہری پور برلب سڑک نزد ٹیلیفون فیکٹری ہزارہ ڈویژن

۳۔ مسجد شریف مکی نارووال

۴۔ مسجد شریف پنڈ رتوال جہلم

۵۔ جامع مسجد اللہ والی راولاکوٹ آزاد کشمیر

۶۔ مسجد شریف چک 26 پاکپتن

۷۔ جامع مسجد شریف زاہدیہ بونگا حیات ضلع ساہیوال

۸۔ مسجد شریف تتہ پانی

۹۔ جامع مسجد شریف منڈول ضلع پونچھ

۱۰۔ جامع مسجد محلّہ مجددیہ نارووال سیالکوٹ

۱۱۔ مسجد شریف بفہ خورد دربار والی مانسہرہ

۱۲۔ جامع مسجد پیرووال والی نزد خانیوال

۱۳۔ مکی مسجد جامعہ مجددیہ فیضان سلطانیہ روالپنڈی

۱۴۔ جامع مسجد صدیق اکبر دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف ضلع سرگودھا

19 نومبر 2002ء بروز منگل پونے سات بجے شام ٹی وی اسلام آباد سے حضرت گلہار شریف کے پروگرام میں آپ کی تعمیر کردہ مساجد کی تعداد 341 بتائی گئی اس کے بعد کئی مساجد اور بھی تعمیر کی جا چکی ہیں ان تمام مساجد کا انتظام وانصرام مثلاً امام کا وظیفہ امام کی تقرر پانی، بجلی اور گیس کی سہولیات بھی آستانہ عالیہ نے اپنے ذمہ لی ہوئی ہیں ہاں بعض جگہ احباب خود پورا کرتے ہیں پوری دنیا میں کہیں اس کی مثال نہیں ملتی یقیناً یہ صاحب آستانہ کا کمال ہے اور محنت اور دین اسلام سے سچی محبت ہے ہر مسجد میں درس قرآن کا انتظام بھی شعبہ حفظ تقریباً ہر مسجد میں موجود ہے۔ (۶)

مدینہ المساجد ضلع کوٹلی کی فہرست:

۱۔ مسجد شریف نزد کالونی تحصیل و ضلع کوٹلی

۲۔ مسجد شریف دوبیری " " "

۳۔ مسجد شریف گلہار " " "

۴۔ جامع گلہار الفردوس " " "

۵۔ مسجد شریف حواریاں " " "

۶۔ مسجد شریف جوبلی گلہار " " "

۷۔ مسجد شریف پرتھان " " "

۸۔ مسجد شریف جبر نزد پرتھان" " "

۹۔ مسجد شریف لال نزد پولٹری فارم" " "

۱۰۔ مسجد شریف نزد ڈپٹی کمشنر ہاؤس " " "

۱۱۔ مسجد شریف بٹالہ منڈی" " "

۱۲۔ جامع مسجد حمدیہ " " "

۱۳۔ جامع مسجد دھڑا منڈی" " "

۱۴۔ مسجد شریف البلال " " "

۱۵۔ مسجد شریف ڈھنگروٹ " " "

۱۶۔ مسجد شریف سادہ کالونی " " "

۱۷۔ مسجد شریف چوپا " " "

۱۹۔ مسجد شریف گنگر

۲۰۔ مسجد شریف اولی خاص

۲۱۔ مسجد شریف منڈیاری

۲۲۔ مسجد شریف دھمول خاص

۲۳۔ مسجد شریف دھمول خاص

۲۴۔ مسجد شریف دھمول نانولی درس والی

۲۵۔ مسجد شریف نکہ کٹرتی

۲۶۔ مسجد شریف عشقالی

۲۷۔ مسجد شریف بنگلہ کڑتی

۲۸ مسجد شریف نکہ کڑتی

۲۹۔ مسجد شریف بنگ کڑتی

۳۰۔ مسجد شریف موہڑہ قاضیاں

۳۱۔ مسجد شریف سید پور کھوئی رٹہ

۳۲۔ مسجد شریف سرالیاں

۳۳۔ مسجد شریف گریالہ

۳۴۔ مسجد شریف شگفتہ چھپڑیاں

۳۵۔ مسجد شریف دندلی پناگ

۳۶۔ مسجد شریف ٹینڈا اکلاہ

۳۷۔ مسجد شریف نالہ متصل ہولاڑ

۳۸۔ مسجد شریف سگری

۳۹۔ مسجد شریف ڈھیری ملکاں

۴۰۔ مسجد شریف تمبول

۴۱۔ مسجد شریف کمروٹہ

۴۲۔ مسجد شریف راجدھانی

۴۳۔ مسجد شریف ڈانڈ وکیل والی

۴۴۔ مسجد شریف پیال کھوئی رٹہ

۴۵۔ مسجد شریف سیری مجواڑ

۴۶۔ مسجد شریف مڑہوٹہ نزد بروٹ گالہ

۴۷۔ جامع مسجد سلطانیہ تھاتھی شگہالی گالہ

۴۸۔ مسجد شریف دھرنگ چوک

۴۹۔ مسجد شریف محکمہ برقیات

۵۰۔ مسجد شریف بلدیہ اوپڑری

۵۱۔ مسجد شریف ایئر بیس واپڈا ریس پارٹس

۵۲۔ مسجد شریف گول ہاؤسنگ سکیم

۵۳۔ مسجد شریف کالج والی

۵۴۔ مسجد شریف سول ہسپتال

۵۵۔ مسجد شریف گل پور

(ط)

مدینہ المساجد تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی:

۱۔ مسجد شریف تھلہ تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۲۔ مسجد شریف سری تھلہ تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۳۔ مسجد شریف ڈھری تھلہ تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۴۔ مسجد شریف ڈونگی تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۵۔ مسجد شریف پنہ تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۶۔ مسجد شریف کھوڑی تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۷۔ مسجد شریف میراہ تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۸۔ مسجد شریف گلگتہ راجور تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۹۔ مسجد شریف گوڑہ راجور تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۱۰۔ مسجد شریف راجور خاص تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۱۱۔ مسجد شریف سری تھلہ تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۱۲۔ مسجد شریف اصحاب ردہ تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۱۳۔ مسجد شریف دھڑا تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۱۴۔ مسجد شریف سیری تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۱۵۔ مسجد شریف سروعہ خاص تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۱۶۔ مسجد شریف نکہ رجور تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۱۷۔ مسجد شریف ماسٹر صاحب والی تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۱۸۔ مسجد شریف حاجی آباد تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۱۹۔ مسجد شریف راجہ بازار تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۲۰۔ مسجد شریف کیری تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۲۱۔ مسجد شریف بھرنڈ بھٹہ تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۲۲۔ مسجد شریف جمیری تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۲۳۔ مسجد شریف سنان تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۲۴۔ مسجد شریف قرانیاں فضل پور تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۲۵۔ مسجد شریف مستریاں تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۲۶۔ مسجد شریف سالیاں تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۲۷۔ مسجد شریف سلطان پور کالونی تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۲۸۔ مسجد شریف پراٹ تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۲۹۔ مسجد شریف سرہوٹہ آرائیں تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۳۰۔ مسجد شریف رائے پور تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۳۱۔ مسجد شریف سرہوٹہ راجگان تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۳۲۔ مسجد شریف سہر منڈی تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۳۳۔ مسجد شریف مکی کپڑ ادرمیاں سہر منڈی تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۳۴۔ مسجد شریف حضری گلپور تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۳۵۔ مسجد شریف پل دریاوالی تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۳۶۔ مسجد شریف اناع تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۳۷۔ مسجد شریف سلطانیہ چنڈہ مجالہ والی تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۳۹۔ مسجد شریف ڈونگی چھوچھ تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۴۰۔ مسجد شریف نگہ چھتران تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۴۱۔ مسجد شریف نکہ چٹان تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۴۲۔ مسجد شریف پلیٹ تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۴۳۔ مسجد شریف سہنسہ کچہری تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۴۴۔ مسجد شریف ہلدی نزد حاجی آباد تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۴۵۔ مسجد شریف داونہ تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۴۶۔ مسجد شریف چھوچھ بازار تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۴۷۔ مسجد شریف پلدن نزد چھوچھ تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۴۸۔ مسجد شریف سلطان پور تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی (۸)

بزرگان دین کے مزارات جو آپ نے تعمیر کرائے:

۱۔ حضرت قبلہ مائی صاحبہ عابدہ عارفہ والدہ صاحبہ حضرت جی محمد صادق تاریخ وفات 10 جنوری 1985ء

۲۔ روضہ مبارک حاجی پیر صاحب بفہ خورد شریف ضلع ہزارہ

۳۔ روضہ مبارک اصحاب رڈہ تحصیل سہنسہ ضلع کوٹلی

۴۔ روضہ مبارک صوفی محمد زمان صاحب سہنسہ دینہ تحصیل و ضلع جہلم وفات 1967ء

۵۔ روضہ مبارک حضرت خواجہ محمد خان عالم صاحب باولی شریف نزد ریلوے اسٹیشن چوہا کڑیالہ ضلع گجرات۔

۶۔ روضہ مبارک حضرت میر کلال ریاست ازبکستان بخارا شریف 1995ء میں تعمیر کروایا۔

۷۔ روضہ مبارک بابا صاحب بخاری بمقام تھمال آپ کی آمد کا کسی مقامی آدمی کو علم نہیں کہ کب اور کس جگہ سے تشریف لائے البتہ روضہ مبارک کی تعمیر کے دوران ایک سکہ قبر کے سرہانے کے قریب سے ملا جس پر ایک طرف یہ تحریر ہے ضرب بخارا شریف دوسری جانب لکھا ہوا ہے خارم محصول امیر

مسجد کا چندہ دو، جمعہ اور عیدین کے اجتماعات میں چندے کیے جاتے ہیں اور پھر مسجد تعمیر کی جاتی ہے اکثر مساجد کی بیسوں سال گزرنے کے بعد بھی مکمل نہیں ہوئی لیکن آستانہ عالیہ گلہار کوٹلی کا تعمیر مسجد کا طریقہ جدا ہے۔

آپ کی کسی مسجد میں کوئی چندہ نہیں ہوتا نہ اعلان چندہ کیا جاتا ہے مسجد کا نقشہ بنتا ہے اور پھر حضرت صاحب کی مقرر کردہ تعمیری پارٹی وہاں کیمپ لگاتی ہے اور تعمیر مسجد کا کام شروع ہو جاتا ہے بیسویں صدی کا یہ بہت بڑا تاریخی کام ہے اور مساجد کا کام اتنی مضبوط بنیادوں پر کیا جاتا ہے کہ آپ کی جملہ مساجد بیسویں صدی کے تعمیرات کا خوبصورت نمونہ ہیں اس کے علاوہ تقریباً ۲۵ اولیاء کرام کے مزارات کی تعمیر بھی کرائی گئی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ دربار عالیہ گلہار شریف ایک بہت بڑی علمی تحریک کا روپ دھار چکی ہے جس نے سینکڑوں مساجد اور مزارات اور مدارس تعمیر کیئے ہزاروں حفاظ کرام تیار کیئے سینکڑوں علماء کرام جو ملک اور بیرون ملک دین اسلام کی اشاعت میں مصروف ہیں آپ کے آباؤ اجداد میرپور میں منگلا ڈیم کے کنارے مدفون تھے اور وہاں ڈیم بننے کے بعد پانی آ گیا اس لیئے آپ نے بہت سارے تابوت بھی دوسری جگہ منتقل کرائے۔ (١٥)

تصنیف و تالیف:

مرکزی آستانہ عالیہ گلہار پر ایک بورڈ تصنیف اور تالیف کا کام کر رہا ہے اور آئے روز لٹریچر شائع کرواتا ہے۔

حضرت خواجہ محمد صادق صاحب

موجودہ سجادہ نشین گلہار شریف

ولادیت کی پیش گوئی:

1921ء میں حضرت خواجہ محمد سلطان عالم نے صوفی فوجدار خان سے فرمایا ہمارے ہاں

دانیال 1223ء جس سے نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ آپ بخاری ہیں یہ سکہ تبرکاً موجود ہے۔

۸۔ روضہ مبارک حاجی مولوی بقا محمدؒ نکہ کرٹی کوٹلی متوفی 1976ء

۹۔ روضہ مبارک صوفی احمد دینؒ نارووال ضلع سیالکوٹ

۱۰۔ روضہ مبارک حضرت قبلہ مائی صاحبہؒ تتہ پانی ضلع پونچھ

۱۱۔ روضہ مبارک شاہ ابوالخیرؒ دہلی بھارت اس مزار میں چار بزرگ مدفون ہیں شاہ ابوالخیر، جناب مظہر جان جاناں، سید غلام علیشاہ، جناب ابوسعیدؒ۔

۱۲۔ روضہ مبارک سائیں محمد حلیمؒ انب والے خضری مسجد شریف گلپور

۱۳۔ روضہ مبارک حاجی محمد اشرف نقشبندی مجددی سلطانی تاریخ وصال 1976ء

۱۴۔ روضہ مبارک تھاتھی جمیری کوٹلی یہ روضہ مبارک مکان کی شکل ہے اس میں پانچ بزرگ مدفون ہیں یہ واقع اس طرح ہے کہ حضرت قبلہ عالم خواجہ محمد سلطان عالمؒ کا گزر ہوا آپ نے فاتحہ پڑھی اور پھر فرمایا کہ یہاں بزرگان دین کی قبریں ہیں آپ کے ہمراہ خادم نے تلاش کیں اور بعد میں اس پر مزار شریف کا حکم دیا اور پھر بعد میں یہاں عظیم الشان مسجد بھی تعمیر کروائی۔

۱۵۔ روضہ مبارک شیخ فتح اللہ شطاری قادری میر پوری جامع الفردوس گلہار شریف کوٹلی آپ کا وصال میر پور میں ہوا 1677ء کو میر پور میں دفن کیا گیا جب منگلا ڈیم بنا تو 1967ء سے 1984ء تک آپکا مزار زیر آب رہا اور پھر 1985ء میں آپ کا تابوت مبارک جامع الفردوس میں منتقل ہوا۔

۱۶۔ روضہ مبارک والدہ ماجدہ ثانی پیر زاہد صاحب گلہار شریف۔

۱۷۔ روضہ مبارک پیر نیک عالم شاہؒ سنگوٹ شریف میر پور۔ (۹)

مساجد کی تعمیر کا طریقہ:

پورے پاکستان بلکہ پوری دنیا میں ہر جگہ جہاں مساجد کی تعمیر ہوتی ہے، اعلان کیا جاتا ہے کہ تعمیر

مسجد کا چندہ دو، جمعہ اور عیدین کے اجتماعات میں چندے کیے جاتے ہیں اور پھر مسجد تعمیر کی جاتی ہے اکثر مساجد کی بیسوں سال گزرنے کے بعد بھی مکمل نہیں ہوئی لیکن آستانہ عالیہ گلہار کوٹلی کا تعمیر مسجد کا طریقہ جدا ہے۔

آپ کی کسی مسجد میں کوئی چندہ نہیں ہوتا نہ اعلان چندہ کیا جاتا ہے مسجد کا نقشہ بنتا ہے اور پھر حضرت صاحب کی مقرر کردہ تعمیری پارٹی وہاں کیمپ لگاتی ہے اور تعمیر مسجد کا کام شروع ہو جاتا ہے بیسویں صدی کا یہ بہت بڑا تاریخی کام ہے اور مساجد کا کام اتنی مضبوط بنیادوں پر کیا جاتا ہے کہ آپ کی جملہ مساجد بیسویں صدی کے تعمیرات کا خوبصورت نمونہ ہیں اس کے علاوہ تقریباً ۲۵ اولیاء کرام کے مزارات کی تعمیر بھی کرائی گئی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ دربار عالیہ گلہار شریف ایک بہت بڑی علمی تحریک کا روپ دھار چکی ہے جس نے سینکڑوں مساجد اور مزارات اور مدارس تعمیر کیئے ہزاروں حفاظ کرام تیار کیئے سینکڑوں علماء کرام جو ملک اور بیرون ملک دین اسلام کی اشاعت میں مصروف ہیں آپ کے آباؤ اجداد میر پور میں منگلا ڈیم کے کنارے مدفون تھے اور وہاں ڈیم بننے کے بعد پانی آ گیا اس لیئے آپ نے بہت سارے تابوت بھی دوسری جگہ منتقل کرائے۔ (۱۰)

تصنیف و تالیف:

مرکزی آستانہ عالیہ گلہار پر ایک بورڈ تصنیف اور تالیف کا کام کر رہا ہے اور آئے روز لٹیریچر شائع کرواتا ہے۔

حضرت خواجہ محمد صادق صاحب

موجودہ سجادہ نشین گلہار شریف

ولادیت کی پیش گوئی:

1921ء میں حضرت خواجہ محمد سلطان عالم نے صوفی فوجدار خان سے فرمایا ہمارے ہاں

ایک مہمان آنے والے ہیں ان کا نام محمد صادق ہوگا جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بے پناہ رحمتوں سے نوازا ہوگا۔ خواجہ محمد صادق کی ولادت 25 دسمبر 1921ء بمطابق ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۴۰ھ 1927ء بکرمی بروز اتوار ہوئی۔

ابتدائی تعلیم:

آپ نے قاعدہ عربیہ، ناظرہ قرآن پاک اپنے والد محترم سے پڑھا اس کے بعد آپ نے سکول کی ابتدائی تعلیم کے لیئے لاڑ سکول میں داخلہ لیا وہاں آپ نے چار سالوں میں چوتھی جماعت پاس کی اس کے بعد پانچویں اور چھٹی جماعت ہائی سکول نزد کچہری میر پور میں حاصل کی۔

والد محترم کی وفات:

جب آپ کی عمر ۱۳ برس ہوئی ۹ مئی ۱۹۳۴ء مطابق ۲۳ محرم الحرام ۱۳۵۳ھ بدیا کو 1989ء بکرمی بروز بدھ ظہر اور عصر کے درمیان خواجہ محمد سلطان عالم کا وصال ہوا۔

خواجہ محمد صادق کی دینی تعلیم:

والد محترم کی وفات کے کچھ عرصہ بعد آپ نے دینی تعلیم کی طرف توجہ دی موہڑہ اگروجو پرانے سیاکھ سے جانب مشرق ایک میل پر واقع ہے ایک قابل استاد اور حکیم میاں محمد سے ابتدائی تعلیم فارسی شروع کی اس دوران آپ کی رہائش آپکے والد محترم کے ساتھی غلام حسین عرف سائیں مندو حیور کے گھر تھی۔

آپ کے والدہ محترمہ نے آپ کا گھر سے دور رہنا برداشت نہ کیا اور آپ کو گھر بلا لیا اور گھر سے ایک میل کے فاصلہ پر جید عالم دین مولوی محمد عبداللہ والوں کے پاس داخل کرا دیا آپ نے اپنے استاد محترم مولوی عبداللہ سے گلستان، بوستان، کنز الاقائق، قدوری اور دیگر کتب کے علاوہ ترجمہ القرآن کی تعلیم حاصل کی۔

آپ کی بیعت اور خلافت :

آپ کی بیعت اور خلافت دونوں اپنے والد محترم خواجہ محمد سلطان عالم سے ہوئی اگرچہ آپ اس وقت چھوٹے تھے لیکن اس کے باوجود اس صغر سنی میں جو نیاز مندوں کا اظہار آپ نے فرمایا وہ بے مثال تھا۔

آپ کے والد محترم ایک خاندانی سلسلہ تھا قادری شطاری دوسرا سلسلہ نقشبندیہ باولی شریف سے فیض یافتہ تھے۔

مجاہدہ:

آپ نے تعلیم سے فراغت کے بعد مجاہدہ شروع کیا بابا فوجدار خان جو کہ آپ کے والد محترم کے خلیفہ تھے انہوں نے آپ کی روحانی تربیت کے لیئے ۴۱ دن کا اعتکاف کرنے کا ارشاد فرمایا آپ نے اصحاب رڈہ کے قریب سائیں محمد حسین جو کہ آپ کے والد محترم کے خلیفہ تھے ان کے گھر اہتمام کیا اور وہاں ۴۱ دن اعتکاف کیا دوران اعتکاف آپ کو بہت تکلیف ہوئی جس پر آپ نے ایک خط بابا فوجدار کو لکھا انہوں نے کیا جواب دیا واللہ عالم۔ (۱۱)

سیاحت:

اس کے بعد آپ نے سیاحت شروع کی آپ اکثر مزارات اولیاء اللہ پر حاضری دیتے ایک جگہ سے دوسری جگہ یہ سلسلہ ایک لمبے عرصے تک جاری رہا 1980ء تک آپ کے معمولات یہی رہے اس دوران آپ نے بہت سیاحت کی اس دوران آپ نے کھیتی باڑی بھی کی دوست احباب کے ہاں آنے جانے کا سلسلہ بھی تھا۔ (۱۲)

تبلیغ دین:

آپ اپنے دوستوں کے پاس تشریف لے جاتے یہ دوست آتے آپ ان کی تربیت فرماتے اور اولاد کے بارے میں مشورہ دیتے کہ ان کو دین کی تعلیم دو۔

آپ ہی کی ترغیب سے مولانا کریم سلطانی فیصل آباد کے جید عالم دین اور خطیب اور کئی کتب کے مصنف اور ضلع مفتی کوٹلی مولانا محمد اعظم اور تحصیل مفتی مولانا محمد عارف نقشبندی دنیا اسلام کی عظیم علمی درسگاہ دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف ضلع سرگودھا میں آئے اور تکمیل علم کیا۔

غرض کے بہت سے طلبہ جامعہ نظامیہ میں داخل کرائے اور کچھ فیصل آباد مظہر اسلام میں کچھ جامعہ امینیہ میں بھیجے اور بہت سارے حفظ کے مدارس میں روانہ کیئے۔ (۱۳)

کتابیات، دربار عالیہ گلہار شریف

حوالہ جات:

۱۔ بیاض فیض، مجددی، نقشبندی، تاجپوری، فیض عالم حاجی، ناشر: سلطانیہ پبلی کیشنز، جہلم، سن طباعت: رمضان المبارک 1427ھ اکتوبر 2006، صفحہ: 263

۲۔ ایضاً صفحہ 21

۳۔ ایضاً صفحہ 25

۴۔ ایضاً صفحہ 31

۵۔ ایضاً صفحہ 35

۶۔ ایضاً صفحہ 36

۷۔ ایضاً صفحہ 37 ۸۔ ایضاً صفحہ 39

۹۔ ایضاً صفحہ 44,43,42

۱۰۔ ایضاً صفحہ 244,243

۱۱۔ فتح اللہ شطاری قادری، علم الدین، ناشر جامع مسجد الفردوس ارشریف کوٹری سن طباعت ۲۰۰۹ء ص ۲۷۰

۱۲۔ ایضاً صفحہ 234 تا 241

۱۳۔ ایضاً صفحہ 110 تا 119

☆☆☆

حضرت پیر حیدر شاہ صاحب نقشبندی قادری کی دینی و علمی خدمات:

ولادت:

ربیع الاول ۱۳۲۰ھ جون 1902ء موضع ٹاہلیاں موہڑہ ٹپ تحصیل سدھنوتی ضلع پونچھ علاقہ بارل میں جو آج تحصیل پلندری اور ضلع سدھنوتی ہے میں پیدا ہوئے۔

خاندانی پس منظر:

آپ خاندانی اعتبار سے گیلانی سید تھے آپ کے والد گرامی کا نام حضرت پیر سید زندہ علی شاہ تھا صاحب کرامت اور بزرگ ہستی تھے انکا باقاعدہ مزار موہڑہ ٹپ ہی میں مرجع خاص و عام ہے آپ کے دادا

حضرت سیّد شبیر شاہ بھی صاحب کمال بزرگ ہیں حضرت پیر سید حیدر شاہ کے تین بھائی اور ایک بہن تھی۔

تعلیم و تربیت :

آپ کی تعلیم و تربیت کا عرصہ بہت کم ہے آپ 1902ء میں پیدا ہوئے اور 1914ء تک یعنی بارہ سال والدین کے پاس رہے اس دوران چونکہ آپ کا مذہبی اور روحانی گھرانہ تھا گھر کے خوبصورت ماحول میں آپ کی تربیت ہوئی ابتدائی تعلیم نماز، روزہ، قرآن ناظرہ وغیرہ یعنی علوم ضروریہ اپنے والدین ہی سے سیکھے۔

ملازمت:

۱۳۳۲ھ 1914ء میں ہی آپ بچہ پلٹن میں بھرتی ہوگئے بعدازاں ٹریننگ آپ کو ایسٹ انڈیا کمپنی میں ایڈجسٹ کر کے شیشہ جھنڈی کے کام پر بحری جہازوں کے بیڑے پر مامور کر دیا جس کے باعث آپ مختلف علاقوں میں رہے اور تین سال تک ہانگ گانگ برطانوی نوآبادی میں رہے آپ کی طبیعت پر روحانیت تو غالب تھی ہی کیونکہ آپ نے سادات کے ایک روحانی گھرانے میں پرورش پائی تھی اس لیئے آپ کو تنہائیوں سے پیار تھا ایک دن اپنے کام سے فارغ ہوکر عالم تنہائی میں محو تھے کہ اونگھ آ گئی خواب میں دیکھا کہ ایک نہایت نورانی بزرگ سبز لباس میں ملبوس نمودار ہوئے اور فرمانے لگے آپ چار دن میں گھر پہنچیں چونکہ آپ کے والدین پریشان ہیں اور ساتھ ہی ہدایت فرمائی کہ خواجہ غریب نواز اور خواجہ نظام الدین اولیاء کے مزارات پر حاضری دینے جائیں آپ نے عرض کیا کہ واپسی کا زادراہ نہیں تو انہوں نے کہا کہ اس کا بندوبست ہو جائے گا۔

ملازمت ترک کر کے واپسی:

آپ نے فوراً ملازمت ترک کر کے واپسی کا ارادہ کیا واپس روانہ ہوئے بمبئی پہنچے کشتیوں کا مقابلہ تھا آپ نے حصہ لیا اور جیت گئے آپ کے مد مقابل نے آپ کی دعوت کی اور کھانے میں زہر دے دیا ۴۲ دن تک وہاں موت اور زندگی کی کشمکش میں رہے اس دوران دو دفعہ خودکشی کا ارادہ کیا ہر دفعہ روحانی بزرگ جنہوں نے گھر کے لیئے حکم دیا تھا عالم خواب میں روکتے رہے بالآخر صحت کچھ ٹھیک ہوئی اور آپ نے حضرت خواجہ غریب نواز اور خواجہ نظام الدین اولیاء کے مزارات پر حاضری دے کر گھر کی طرف روانہ ہوئے وہاں سے ریل پر بیٹھے اور جہلم اترے اور وہاں سے پیدل گھر روانہ ہو گئے۔

تلاش مرشد اور بیعت طریقت:

آپ کے گھر عموماً حضرت سائیں فتح الدین جمالی موضع نیریاں موہڑہ دووان شریف علاقہ قلعاں والے تشریف لایا کرتے تھے آپ کے والدین ان سے دعا کی درخواست کرتے تو وہ فرماتے آپ کا بیٹا زندہ ہے جلد مل جائے گا اور وہ میری امانت ہو گا 1924ء میں اچانک گھر پہنچے تو بڑی خوشی پھیل گئی رات گزری صبح ہوئی تو آپ کے والد محترم آپ کو لے کر حسب وعدہ سائیں صاحب کی طرف روانہ ہونے لگے تھے کہ سائیں صاحب خود پہنچ گئے آپ کے والد محترم نے آپ کا بازو پکڑ کر سائیں صاحب کے حوالے کر دیا اور انہوں نے آپ کو سینے سے لگایا فوراً آپ کو ہانگ کانگ والا خواب یاد آیا کہ وہ تو یہی بزرگ تھے حضرت سائیں صاحب آپ کو اور آپ کے والد گرامی کو ساتھ لے کر اپنے آستانے پر آئے وہاں آپ کو طریقہ نقشبندی قادری پر بیعت کیا ایک دو دن کے بعد واپس روانہ کر دیا اور تلقین کی کہ اپنے والدین کی خوب خدمت کرو بہر حال اس دوران خدمت میں مشغول ہی رہے۔

شادی:

آپ کی شادی علاقہ مینڈر سید حسین شاہ ولد سید حلیم شاہ بخاری موضع ترالے کی بیٹی سے ہوئی۔

والدین کی وفات:

آپ والدین کی خدمت میں مشغول رہے اور بس ایک ہی سال گزرا تھا کہ مارچ 1925ء میں آپ کی والدہ انتقال کر گئیں آپ سخت رنجیدہ ہوئے دربار مرشد پاک سے ملاقات کی تو مرشد پاک نے فرمایا اللہ کی رضا پر راضی ہو جاؤ اور والد محترم کی خدمت بجالاؤ کچھ عرصہ خدمت کرنے کے بعد والد سے عرض کی کہ میں یہاں سے جانا چاہتا ہوں ہجرت کرنا چاہتا ہوں آپ نے فرمایا ابھی رک جاؤ پھر 1926ء میں اجازت فرمائی جاؤ ابھی گھر سے روانہ ہو کر قلعاں کے علاقے میں ہی کسی کے گھر تھے کہ تین رمضان المبارک کو اطلاع ملی کہ آپ کے والد محترم بھی انتقال کر گئے۔

ہجرت ترک وطن:

اپنے والد محترم کی تدفین کے بعد آپ یہاں سے روانہ ہوئے اور مینڈر پہنچے وہاں ایک عرصہ تک قیام کیا۔

اپنے مرشد سے آخری ملاقات:

وہاں سے آپ پیر فتح الدین کی زیارت کے لیئے حاضر ہوئے آپ نے کہا فلاں بکرا ذبح کرو آدھا گوشت یہاں پکاؤ اور آدھا گوشت جا کے مینڈر پکانا لوگوں میں تقسیم کرنا اور لنگر غوثیہ جاری ہو جائے گا یہ وہ حصہ تھا جو میرے مرشد خواجہ قاسم موہڑوی نے مجھے دیا تھا میں تمہیں دے رہا ہوں۔

مرشد کی وصیتیں :

حضرت پیر فتح الدین نے آپ کو وصیت فرمائی کہ آپ کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوگا جس دن وہ پیدا ہوگا اس دن میرا وصال ہو جائے گا اس کا نام تم نہ رکھنا ایک مجذوب آ کر اس کا نام خود رکھیں گے آپ نے میرے جنازہ پر نہیں آنا اور نہ کبھی زندگی میں میری قبر پر آنا(۱) پھر آپ نے فرمایا لوگوں کو مرید کرو اور عہد نامہ قدیم یاد کرواتے جاؤ۔

(۱)۔ دراصل پیر سید حیدر شاہ صاحب سید تھے اور آپ کے مرشد سادات میں سے نہیں تھے اس لیئے ہمیشہ آپ کو خدمت نہیں کرنے دی اور کہا جنازہ پر بھی نہ آنا میری قبر پر بھی نہیں آنا ایسا نہ ہو مجھے آپ کے احترام کے لیئے اٹھنا پڑے اور شریعت کی حدیں پامال ہو جائیں۔

مرشد کا وصال اور بچے کی پیدائش:

اسی دن آپ کے ہاں بچے کی پیدائش ہوئی ایک مجذوب نے آ کر نام رکھا وہی بچہ جس کا نام سید سرور حسین شاہ تھا لیکن آا س روز بہت پریشان تھے کیونکہ مرشد کے وصال کا دن تھا یا لآخر شعبان 1928ء کو آپ کے مرشد گرامی نے وصال فرمایا۔

حضرت پیر حیدر شاہ کی جنگ آزد ی میں خدمات:

۱۹۴۷ء میں آپ نے مسلمانوں کو منظم کیا اور جہاد کے لیئے تیار کیا جس پر مہنڈر اور راجوری کے مسلمانوں نے مل کر ڈوگرہ حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور آپ کے نام سے منسوب کر کے آپ کی

قیادت میں دو گروپ تشکیل دیئے (فرسٹ حیدری، تھرڈ حیدری) ان گروپوں میں آپ کے بڑے صاحبزادے سرور حسین شاہ بھی شریک جہاد تھے۔

وصال:

اس دوران آپ ہجرت کر کے اپنے آبائی گاؤں میں آئے پلندری موضع ٹاہلیان میں اور یہاں ساڑھے تین ماہ قیام کیا پھر آپ کوٹلی میں آئے اور پھر پاکستان اور آزاد کشمیر کے مختلف شہروں میں قیام کیا اور آخر ۱۳ نومبر ۱۹۵۰ء کو پناگ آئے اور یہی آپ کی آخری آرام گاہ بنی آپ نے ۳۰ مئی ۱۹۶۱ء ۱۴ ذالحجہ ۱۳۸۰ ء بروز منگل وصال فرمایا۔ اور آستانہ عالیہ پناگ شریف کوٹلی میں ہی آسودہ خاک ہوئے۔

پیر حیدر شاہ کی دینی خدمات:

آپ ایک نیک سیرت انسان تھے آپ نے انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیئے بہت کام کیا آپ کے لنگر پر کئی مسافر اور مساکین کے کھانے کا اہتمام ہوتا شب و روز حلقہ و ذکر و فکر جاری رہتا جس میں انگنت گم کردہ راہ کو حقیقت کا عرفان نصیب ہوتا۔ الغرض بے شمار کافروں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا بے شمار گمراہوں نے توبہ کی آپ کا یہ فیض آج تک جاری و ساری ہے۔

تصنیفی خدمات:

آپ کی دو معروف کتب (۱) علوم الاولیاء (۲) عین الفقر ہیں جو تقریباً ۳۵ ابواب اور تین صد صفحات ہیں جس میں آپ نے فقر کے بے شمار مسائل کو چھیڑا اور سیر حاصل بحث کی ہے دوسری کتاب عین الفقر ہے اس میں تصوف ہی کو عنوان گفتگو بنایا دونوں کتب نظم کی زبان میں ہیں۔ آپ ایک بڑے شاعر بھی تھے۔

مدرسہ کا قیام:

آپ کے آستانہ پر ایک دینی مدرسہ بھی ہے جس میں طلباء حفظ قرآن کی سعادت حاصل کر رہے ہیں آپ کے پوتے مولانا سیّد عارف شاہ صاحب پناگوی بلند پایا خطیب اور عالم دین ہیں امید ہے کہ مستقبل میں وہ کوئی بڑا ادارہ بنائیں گے۔

سنی فورس آزاد کشمیر:

پناگ شریف کے سجادہ نشین حضرت پیر سید سرور حسین گیلانی اس کے سپریم کمانڈر رہے ہیں اور وہ سنی فورس کے بانی بھی ہیں سنی فورس دین کے خلاف اٹھنے والی آواز سے برسر پیکار ہوتی ہے اور مذہبی پروگراموں میں سیکیورٹی کا اہتمام کرتی ہے۔

حوالہ جات:

یہ معلومات حضرت پیر حیدر شاہ کی تصنیف لطیف ''علوم اولیاء'' سے لیا گیا ہے اس کو مرتب کرنے والے حبیب شاہ دربار عالیہ پناگ شریف ناشر سید صادق حسین شاہ پناگوی، سجادہ نشین دربار سن طباعت 2004ء کے مقدمہ ۲

۲۔ ماہنامہ روابط راولپنڈی ماہ مئی 2009ء۔ صفحہ 25

☆☆☆

(۳)۔ پونچھ ڈویژن

حضرت پیر غلام محی الدین غزنوی تم نیروی:

خاندانی پس منظر:

آپ کے والد گرامی ملک محمد اکبر خان غزنی کے رہنے والے تھے اور غزنی اور گردیز کی مشہور شخصیت تھے ان علاقوں میں ملک بڑے زمیندار، جاگیردار اور سرپرست کو کہتے ہیں آپ کے والد متقی، پرہیزگار اور اپنے قبیلے میں ممتاز شخصیت تھے نسبی اعتبار سے آپ خیل خانوادہ سے تعلق رکھتے تھے جو کہ قبیلہ علی خیل کی ایک شاخ ہے آپ کے آباء واجداد میں سے حضرت خواجہ ولی محمد اپنے وقت کے ممتاز بزرگ اور بلند پایہ عالم دین تھے آپ کا خاندان اپنی شرافت، نجابت اور علمی اعتبار سے بہت ممتاز تھا آپ کا آبائی اور خاندانی پیشہ زراعت اور تجارت تھا۔آپ کے والد گرامی تجارت کے لیئے پنجاب تشریف لاتے اور لاہور میں قیام کرتے۔(۱)

ولادت:

حضرت خواجہ محی الدین غزنوی 1902ء میں غزنی کے نواحی علاقے مہلن میں پیدا ہوئے۔ والدین نے جناب عبدالقادر جیلانی سے دلی لگاؤ کی وجہ سے آپ کا نام غلام محی الدین رکھا۔(۲)

ابتدائی تعلیم:

آپ نے ابتدائی تعلیم قرآن پاک ناظرہ، فارسی کی ابتدائی تعلیم اپنے ماموں گل محمد سے پڑھا اس کے بعد آپ غزنی کے متصل شہر کے دینی دارالعلوم میں زیر تعلیم رہے آپ مولانا امیر عالم خان کے شاگرد

رہے دوران تعلیم آپ اپنے استاد مذکور اور ہم مکتب ساتھیوں کے ہمراہ شیخ محمد یعقوب چرخی غزنی کے آستانہ پر بھی گئے حضرت شیخ محمد یعقوب چرخی بزرگان نقشبندیہ میں سے تھے۔

پیر غلام محی الدینؒ کی مزار پر حاضری کے بعد دربار کے سجادہ نشین المعروف حاجی صاحب سے ملاقات ہوئی تمام طلبہ سے تعارف کیا اور جب آپ سے ملاقات ختم ہوئی آپ کو سر تا پا دیکھا اور آپ کے خاندانی نام محی الدین کا معنی ہے دین کو زندہ کرنے والا اور یہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا لقب ہے اور اسی نسبت سے آپ کا نام رکھا گیا۔

نسب پوچھنے کے بعد آپ کے استاد مولانا امیر عالم خان کو مخاطب کر کے فرمایا یہ بچہ اپنے وقت کا غوث ہوگا میں اس کی پیشانی سے غوثیت کی کرنیں پھوٹتی دیکھ رہا ہوں بہر حال آپ نے اپنی تعلیم حضرت مولانا امیر عالم خان سے مکمل کی۔ (۳)

کسب معاش:

آپ 1924ء میں تعلیم سے فراغت کے بعد آپ اپنے والد ملک محمد اکبر کا ہاتھ بٹانے لگے اس وقت افغانستان پر امیر امان اللہ کی حکومت تھی آپ نے اس کے والد امیر حبیب اللہ خان کی بھی حکومت دیکھی۔ اس وقت آپ کی عمر بارہ سال تھی آپ اپنے والد کے ہمراہ اکثر ہندوستان تجارت کے لیئے آتے تھے ایک دفعہ آپ حضرت پیر محمد ابراہیم اور نذر خان کے ہمراہ راولپنڈی، گوجر خان اور جہلم کے علاقہ سے ہوتے ہوئے کشمیر آئے جب پونچھ کے علاقے میں آئے تو یہ جگہ آپ کو بہت پسند آئی اور اپنی تجارت کے لیئے اسی علاقہ کو پسند کیا آپ پنجاب سے مال لاتے اور یہاں فروخت کرتے۔ (۴)

عالم جوانی میں زھد و تقویٰ:

ضلع پونچھ میں جہاں آپ تجارت کے لیئے جاتے لوگ آپ کی شرافت، دیانت، امانت، نجابت

، حسن گفتار اور حسن کرداری کی وجہ سے آپ لوگوں کے دلوں میں گھر کرتے چلے گئے۔ جوانی اور کاروباری مصروفیات کے باوجود آپ صوم وصلوٰۃ کی پابندی میں فرق نہ آنے دیتے سحر خیزی بھی آپ کا معمول تھی جہاں کسی بزرگ کے بارے میں سنتے دیدار کے لیئے ضرور جاتے۔(۵)

حضرت پیر قاسم موھڑوی کی بارگاہ میں حاضری:

کیونکہ آپ گھوم پھر کر تجارت کرتے تھے سامان اٹھا کر فروخت کرتے تھے اس دوران آپ کی ملاقات ایک قافلہ سے ہوئی آپ نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کہاں جارہے ہیں قافلے والوں نے بتایا کہ ہم اپنے پیرومرشد حضرت شیخ محمد یعقوب چرخی غزنی کے گاؤں چرخ کے رہنے والے تھے ابتدائی تعلیم چرخ و حصار میں حاصل کی پھر، جامع ہرات اور مصر میں زیر تعلیم رہے فراغت کے بعد حضرت خواجہ شاہ نقشبندی سے خلافت لی جس کی تکمیل خواجہ علاؤ الدین عطار سے ہوئی اس حساب سے ان کے خلفاء میں شمار کیئے جاتے ہیں۔

خواجہ قاسم موہڑوی کے دربار میں قدم بوسی اور عرس کی تقریب میں شرکت کے لیئے جارہے ہیں۔ حضرت پیر غلام محی الدین نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا کچھ نقدی نکالی اور کہا میری طرف سے نقدی حضرت باباجی قاسم موہڑوی کو دے دینا اور کہنا غزنی کے ایک مسافر نے یہ نقدی بطور نذرانہ آپ کی خدمت میں پیش کی ہے جب یہ قافلہ وہاں پہنچا تو وہ آدمی نذرانہ پیش کرنا بھول گیا حضرت خواجہ صاحب نے خود بلا کر کہا وہ نذرانہ ایک مسافر نے دیا تھا وہ جمع نہیں کروایا۔

اس نے وہ نذرانہ جمع کروایا سلام بھی عرض کیا تو آپ نے فرمایا اسے کہنا تیرے نذرانے سے زیادہ تیری ضرورت ہے جب یہ پیغام ملا تو دل میں شوق ملاقات زیادہ ہوگیا اور پھر اپنے ہم سفر ابراہیم کے ساتھ پروگرام بنایا اور یہ قافلہ پرخطر جنگلوں سے ہوتا ہوا آزاد پتن کے راستے پنجاب میں داخل ہوا اور تحصیل کوہ

مری کے قریب عظیم روحانی مرکز موہڑہ شریف جا پہنچا۔'' سردار طاہر تبسم اس بارے میں رقمطراز ہیں'' پیر کامل کو دیکھتے ہی ان کی عظمت کے دل سے معترف ہو گئے اور اپنے ہم سفر محمد ابراہیم کے ہمراہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ قادریہ میں بیعت ہو گئے تین روز قیام کے بعد اپنے پیر و مرشد کے پاس حاضر ہوئے اور کاروبار کے لیئے دعا کے لیئے عرض کیا۔

آپ نے دعا کے بعد فرمایا جاؤ بیٹا تمہاری دوکان خوب چلے گی اور مشرق و مغرب اس سے سودا خریدیں گے۔(٦)

حضرت خواجہ قاسم موھڑوی کا تعارف:

حضرت خواجہ قاسم موہڑوی کا آستانہ کوہ مری پاکستان میں واقع ہے آپ کے آباء و اجداد مغلیہ دور میں ایران سے ہجرت کر کے برصغیر تشریف لائے آپ ایران کے شاہی کیانی خاندان کے چشم و چراغ ہیں آپ کے والد ماجد محمد جیون خان ابھی چھوٹے تھے کہ وصال فرما گئے آپ کی والدہ نے آپکی تعلیم کا انتظام و انصرام کیا آپ کو دہلی روانہ کیا دہلی علم و فضل کا گہوارہ تھا آپ نے اس وقت کے جید علماء محققین و محدثین سے علم حاصل کیا اور 21 برس کی عمر میں آپ نے حصول علم سے فراغت پائی کچھ عرصہ درس و تدریس کیا وعظ کیا مگر آپ قال کی دنیا نہیں حال کی دنیا والے تھے ذوقِ تصوف کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

عالم جوانی میں ایک سکھ نے مسلمانوں کو للکارا آپ میدان میں اترے اور اس کے چاروں شانے چت کر دیا پھر وہاں سے جا رہے تھے تو ایک صاحب دل سے ملاقات ہوئی انہوں نے فرمایا مردان حق انسان کو نہیں بلکہ نفس اور شیطان کو پچھاڑا کرتے ہیں یہ بات آپ کے دل پر اثر کر گئی پھر ایک آدمی ملا اس نے کہا تمہارا حاصل و مراد کشمیر میں ہے آپ سیدھے مظفر آباد آ گئے رات کو مسجد میں قیام کیا مولانا صاحب سے کہا آپ سارے اولیاء کرام کا نام لیں جب انہوں نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کیا نوی کا نام لیا تو فوری

طور پر ملنے کی کشش ہوئی وہاں سے آپ نے دو دن کا پیدل سفر کر کے کیان شریف وادی نیلم پہنچے حضرت آپ کے انتظار میں تھے وہاں آپ نقشبندی قادری سلسلہ میں مرید ہوئے وہاں سے کوہ مری اجازت لے کر گئے دوبارہ جب آئے تو حضرت نے آپ کو خلعت خلافت سے نوازا آپ نے کشمیر سے فیض حاصل کیا اور کشمیر میں بہت تقسیم کیا اکثر و بیشتر اولیاء کرام آپ کے مرید ہیں۔(۷)

حضرت پیر غلام محی الدین غزنوی کی دوبارہ حاضری موہڑہ شریف:

حضرت پیر غلام محی الدین اگلے سال پھر عرس کی تقریب میں موہڑہ شریف حاضر ہوئے خواجہ صاحب سے ملاقات کی اور ایک سو روپے بطور نذرانہ پیش کیا تین چار روز آستانہ ہی پر رہے اور آخر میں پیرو مرشد کو کاروبار میں ترقی کی دعا کے لیئے عرض کیا پیرو مرشد نے وہی کلمہ دوہرایا جاؤ بیٹا تمہاری دوکان خوب چلے گی مشرق و مغرب والے اس سے سودا خریدیں گے۔دل میں خوش ہوئے کہ اس سال پہلے سے زیادہ منافع ہوگا لیکن معاملہ اس کے برعکس ہوگیا روز بروز خسارا ہونا شروع ہوگیا معاملہ ایں جا رسید کہ صرف ساڑھے تین سو روپے رہ گئے تو آپ نے اپنے ہم سفر محمد ابراہیم کے مشورہ سے واپس افغانستان کا پروگرام بنایا کوچ کیا اور جب آزاد پتن پہنچے تو سوچا کہ آخری بار پیرو مرشد سے ملاقات کر کے چلیں۔

حضرت خواجہ موہڑوی سے تیسری ملاقات:

آپ آزاد پتن سے مری اور پھر موہڑہ شریف پہنچے تو حضرت صاحب نے فرمایا واہ میرے باکمال تاجر بیٹے حضرت پیر غلام محی الدین سوچ رہے تھے کہ شاید پیر صاحب کرم فرمائیں دعا دیں اور ہم بخیریت غزنی پہنچ جائیں آپ کے پاس وہی ساڑھے تین سو روپے تھے جو آپ نے ایک تھیلی میں باندھ کر کمر کے

ساتھ باندھے ہوئے تھے تھوڑی دیر کے بعد خواجہ صاحب نے آپ کو پاس بلایا اور کہا بیٹا دربار میں خورد و نوش کے لیئے سامان درکار ہے ساڑھے تین سو روپے کی اشد ضرورت ہے سرکار نیروی فرماتے ہیں کہ میں نے چاندی کے روپوں والی تھیلی جس میں ساڑھے تین سو روپے تھے نکالے اور بابا جی کے حضور پیش کر دیئے انہوں نے فوراً لنگر انچارج کو بلایا اور رقم اس کے حوالے کر دی۔ آپ یہ سارا ماجرا دیکھ کر سخت پریشان ہوئے کیونکہ غزنی پہنچنے کا بظاہر آخری سہارا بھی ٹوٹ چکا تھا اب سفر کے لیئے زاد راہ کہاں سے آئے گا یہ سوچ کر آپ باہر نکلے اور بے ساختہ آنسو جاری ہو گئے۔ کسی نے آکر خواجہ موہڑوی سے عرض کی کہ جس پٹھان سے آپ نے رقم لی وہ رو رہا ہے آپ نے اندر بلایا سرکار نیروی غمزدہ حالت میں ہی رہے نہ آئے دوبارہ پھر بلایا اور پھر تیسری بار بندہ بھیجا آپ کے دل میں خیال آیا کہ اب میرا کوٹ ہی رہ گیا ہے اور بابا جی اس کو بھی اتاریں گے آپ کا دل میں سوچنا اور بابا جی نے فرمایا بیٹا تیرا کوٹ بہت اچھا ہے کہا بیٹا میں کافی عرصہ سے تیرا انتظار کر رہا ہوں تو ساڑھے تین سو روپے کی فکر نہ کر میں نے تیرے لیئے وہ خزانہ جمع کر رکھا ہے کہ مشرق و مغرب سے لوگ تیرے پاس آئیں گے یہ کہہ کر سینے سے لگایا سارا غم جاتا رہا اور فرمایا تمہارا سب کچھ یہاں ہے تم غزنی نہ جاؤ اور بس ادھر لنگر کی خدمت کرو۔

لنگر دربار موہڑوی پر سرکار نیروی کی تقرری:

حضرت بابا جی نے فرمایا بس لنگر کی خدمت کرو جب پورا ایک ماہ گزرا تو فرمایا بیٹا آج سے تم لنگر انچارج ہو مزید بارہ برس مسلسل لنگر انچارج کے فرائض انجام دیئے۔

بقول اقبال:

اگر کوئی شعیب آئے میسر
تو شبانی سے کلیمی ہے دو قدم

آپ نے عرض کیا میری چچا کی بیٹی سے نسبت طے ہو چکی تھی اور ہمارے ہاں رواج ہے کہ نسبت طے ہو جانے کے بعد انکار ممکن نہیں اجازت ہو تو شادی کر کے واپس آ جاؤں چنانچہ اس پر بھی اجازت نہ ملی چنانچہ آپ کے چچا غزنی سے بیٹی کو لے آئے اور آپ کے عقد میں دے دیا۔

قبلہ ثانی محمد دراب خان المعروف پیر ثانی

مدظلہ کی ملاقات:

آپ کے چھوٹے بھائی قبلہ ثانی صاحب گھر سے بے چین ہو کر ملاقات کے لیئے چلے اور جب موہڑہ شریف پہنچے دونوں بھائی ملے وہ بھی قبلہ موہڑوی کے مرید ہو گئے۔ تاریخ پیدائش ۱۹۰۶ء ہے۔

حصول خرقہ خلافت:

بارہ سالہ چلہ مکمل ہونے کے بعد حضرت خواجہ قاسم موہڑوی نے حضرت پیر غلام محی الدین غزنوی اور حضرت پیر محمد ابراہیم اور حضرت پیر ثانی صاحب کو آخرقہ خلافت عطا کیا اور فرمایا کہ قریہ قریہ دیہات دیہات مخلوق خدا کو تبلیغ دین کرو۔ (۸)

نیریاں شریف کا انتخاب:

بارہ سالہ مرشد گرامی کی نگرانی میں جاں گسل مجاہدے اور ریاضت کے عمل کے اختتام پر آپ نے اپنے مرید اور خلیفہ غلام محی الدین غزنوی کو اپنے بیٹے حضرت پیر زاہد خان کے ہمراہ روانہ کیا اور فرمایا اس کو تراڑکھل کے قریب نیریاں کے جنگل میں سر چھپانے کے لیئے ایک جھونپڑی بنا کر بٹھا آؤ۔ حسب الحکم قبلہ

خواجہ موہڑوی حضرت پیر زاہد خان صاحب نے یہاں آ کر جھاڑیاں کٹوائی اور ایک مکان تعمیر کرایا اس کے اوپر اپنے ہاتھ سے ایک سفید جھنڈا نصب کروایا اور فرمایا اس نورانی اور روحانی پرچم کی لاج رکھنا اور اس کو سرنگوں نہ ہونے دینا یہ تقریباً 1936ء کی بات ہے۔(۹)

نیریاں کی کیفیت :

اس وقت نیریاں ایک جنگل تھا ابھی پاکستان بھی معرض وجود میں نہیں آیا تھا یہاں ہر طرف جنگل ہی تھا قریب آبادی نہ تھی نیریاں بلند پہاڑی پر واقع ہے یہاں اس وقت رسل و رسائل کا سرے سے کوئی انتظام نہ تھا سامان خورد نوش تراڑکھل بازار سے لایا جاتا تھا تراڑکھل سے پیدل راستہ تقریباً ایک گھنٹہ کا تھا رفتہ رفتہ اردگرد آبادی بڑھنے لگی 1990ء کے قریب ''تذکرہ اولیاء کشمیر'' کے مصنف و مولف سید محمود آزاد نے دربار نیریاں شریف حاضری دی اور وہ لکھتے ہیں کہ اب یہاں اردگرد آبادی ہے بالکل ساتھ مرشد آباد بازار ہے دربار تک سڑک بھی جاتی ہے بجلی جنریٹر سے پیدا ہو کر سارے علاقے میں روشنی بکھیرتی ہے۔ گنجان آبادی کا سامان ہے لوگوں کی دینی اور روحانی تربیت ہو رہی ہے اور واقعی مشرق و مغرب والے اس بے نظیر نگری سے فیض پا رہے ہیں دربار شریف پر طویل و عریض پختہ عمارت، مہمان خانے، ایک عظیم الشان جامع مسجد ایک دینی دارالعلوم کے علاوہ شہباز ولایت شہنشاہ طریقت علاقے میں روحانی سکون کا بہترین اور عمدہ سامان مہیا کرتے ہیں۔(۱۰)

نیریاں شریف کی موجودہ کیفیت:

آپ تراڑکھل کی حدود میں داخل ہوتے ہی دور سے مزار شریف کے بلند قامت مینار اور چمکتا دمکتا سفید رنگ کا گنبد مزار محی الدین اسلامی یونیورسٹی محیر العقول عمارات، محی الدین اسلامیہ ہائی سکول کی بلند

قامت حسین وجمیل عمارت ہر نوع اور طبقہ کے انسان کو دعوت نظارہ دے رہے ہیں۔

وہ جگہ جہاں چڑیاں چہچہایا کرتیں تھیں، جنگلی درندے بولا کرتے تھے گیڈر اور لومڑ اپنی مخصوص آواز میں واویلا کیا کرتے تھے۔ وہاں ایک مرد درویش کی آمد نے وہ انقلاب برپا کیا ایک طرف تو مسجد کے میناروں سے اللہ اکبر اللہ ہو اور کلمہ پاک کا ورد جاری ہے دوسری طرف عصری تعلیم کا بڑا اہم مرکز محی الدین اسلامی یونیورسٹی جہاں سینکڑوں طلبہ سائنس، اکنامک اور جدید ٹیکنالوجی کی تعلیم میں مصروف کار ہیں اور اب یونیورسٹی کے اندر ہی ایک دینی شعبہ جو کہ جدید اور قدیم علوم کا حسین امتزاج ہے جہاں دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ علم دین کے خم لٹائے جاتے ہیں یونیورسٹی اور درگاہ شریف کے حسن کو دوبالا کر رہا ہے۔

یہاں کے سجادہ نشین مبلغ مشرق و مغرب حضرت پیر علاؤالدین صدیقی مدظلہ جو کہ اندرون ملک اور بیرون ملک تبلیغی دوروں میں مصروف رہتے ہیں جب یہاں مسند آرا ہوتے ہیں تو یہاں کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے انکی عدم موجودگی انکے برادران جن میں حضرت پیر فضل ربانی زاہدی، حضرت پیر شیر ربانی اسد اور حضرت پیر شمس العارفین دربار عالیہ میں خدمات انجام دیتے ہیں۔ حضرت پیر غلام محی الدین کی شادی نیریاں شریف میں ہی ہوئی جس سے دو صاحبزادے پیدا ہوئے دوسری شادی چچا کی دختر نیک اختر سے ہوئی جس سے چار صاحبزادے پیدا ہوئے ان کے وصال کے بعد چکوال کے ایک معزز گھرانے میں آپ کی تیسری شادی ہوئی جس سے ایک صاحبزادے پیدا ہوئے۔

آپ کے صاحبزادے:

۱۔ حضرت نظام الدین قاسمی: تاریخ پیدائش ۱۹۳۷ء

آپ سب سے بڑے صاحبزادے ہیں ابتدائی تعلیم تراڑکھل میں حاصل کی اس کے بعد کی تعلیم جامعہ حقائق العلوم حضرو اٹک سے حاصل ہوئی آپ دربار شریف کے جملہ انتظامی امور کے منتظم تھے اور آپ کا وصال ہو چکا ہے۔

۲۔ حضرت پیر علاؤ الدین صدیقی (تاریخ پیدائش ۱۹۳۸):

ابتدائی تعلیم تراڑکھل سے حاصل کی پھر مشکوٰۃ اور کتب متداولہ حقائق العلوم حضرو میں پڑھی اور پھر درس نظامی کی دوسری کتب جامعہ رضویہ فیصل آباد میں محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد کی سرپرستی میں پڑھی جبکہ تفسیر شیخ القرآن مولانا عبدالغفور ہزاروی سے پڑھی تعلیم سے فراغت کے بعد آپ کو خلافت سے نوازا گیا آپ سجادہ نشین بھی ہیں محی الدین اسلامی یونیورسٹی انجمن محی الاسلام صدیقہ ٹرسٹ انہی کی کوششوں کا مظہر ہے آپ اعلیٰ پائے کے خطیب بلکہ مشرق و مغرب میں منجھے ہوئے خطیب مانے جاتے ہیں۔

۳۔ حضرت صاحبزادہ پیر امام ربانی فاروقی (ولادت ۱۹۴۱، وفات ۱۹۹۷):

ابتدائی تعلیم تراڑکھل میں حاصل کی پھر جامعہ حقائق العلوم حضرو اٹک میں اور پھر احسن المدارس راولپنڈی میں بھی تعلیم حاصل کی اور جامعہ رحمانیہ ہری پور اس کے بعد آپ مولانا اللہ بخش پھجراں کے پاس زیر تعلیم تھے کہ والد محترم کی علالت کی وجہ سے گھر آئے درس نظامی کی تکمیل نہ ہو سکی آپ کا بھی وصال ہو چکا ہے۔

۴۔ حضرت پیر فضل ربانی زاھدی (ولادت ۱۹۴۸):

آپ نے ابتدائی تعلیم تراڑکھل میں حاصل کی ہائی سکول تراڑکھل سے میٹرک کا امتحان پاس کیا پھر دارالعلوم محمدیہ غوثیہ ضلع بھیرہ سرگودھا میں نابغہ عصر مفسر قرآن، عظیم سیرت نگار جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری سے علوم کی تکمیل کی۔

۵۔ حضرت پیر شیر ربانی اسد (ولادت ۱۹۵۱):

ابتدائی تعلیم ہائی سکول تراڑکھل سے حاصل کی میٹرک کا امتحان ہائی سکول تڑارکھل سے پاس کیا اس کے بعد دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف سے سند فراغت حاصل کی۔

۶۔ صاحبزادہ شمس العارفین: (ولادت ۱۹۶۰)

ابتدائی تعلیم ہائی سکول تراڑکھل میں حاصل کی اور اس کے بعد درس نظامی کی تکمیل فرمائی آج کل محی الدین اسلامی یونیورسٹی کے چیف ایگزیکٹو ہیں شعلہ بیان مقرر ہیں۔ اور جناب سجادہ نشین کے فرزند ارجمند صاحبزادے سلطان العارفین تاریخ پیدائش 25 اگست 1973ء فاضل دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف ثم فاضل جامعہ الازھر آستانہ عالیہ پر ہمہ وقت مصروف کار رہتے ہیں۔ جناب سجادہ نشین کے دوسرے فرزند صاحبزادہ نور العارفین (ولادت ۱۹۷۱ء) نے جامعہ نعیمیہ کراچی سے فارغ التحصیل ہیں اور منجھے ہوئے خطیب ہیں۔

حضرت پیر غلام محی الدین غزنوی تم نیروی کی دینی خدمات:

جب سے آزاد کشمیر ضلع پونچھ کا علاقہ نیریاں شریف آپ کا مستقل مسکن بنا آپ نے اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسول مقبول ﷺ کی رسالت کی تبلیغ و ترویج اور حق کی مشعل کو روشن تر کیا شریعت و طریقت سے اللہ کے بندوں کو واقعی مرد کامل بناتے رہے اس دوران آپ کو کئی مشکلات و مصائب سے واسطہ پڑا لیکن مرد قلندر کے پاؤں میں لغزش نہ آئی بلکہ اپنے پیرومرشد کے بلند اور عظیم مشن کو جاری و ساری رکھا۔

آپ گمراہوں کو راہ راست پر لانے تاریک اور غافل دلوں کو نور حق سے منور کرنے میں شب و روز

مصروف ہو گئے سرحد، کشمیر اور پنجاب کے دور دراز علاقوں کے دورے کیئے آپ کے دوروں کا سلسلہ مہینوں تک جاری رہتا دن وعظ و تبلیغ میں گزرتا راتیں قیام میں بسر ہوتیں کلمہ طیبہ کا ذکر اس جذبہ و شوق سے کرواتے کہ حاضرین و سامعین جھوم اٹھتے اللہ کے ذکر کی سرمستیاں مجمع پر چھائی رہتی کیف و سرور کی ان محافل میں صد ہا فاسق و فاجر اور بدکردار لوگ آپ کے دست اقدس پر تائب ہو گئے۔ بے شمار ہندو اور سکھ آپ کی نورانی و روحانی محافل کی اثر بنیوں اور ذکرِ حق کی ضیاء باریوں سے متاثر ہو کر بے ساختہ کلمہ توحید پڑھتے اور مسلمان ہو جاتے آپ کی انہی تبلیغی اور روحانی کوششوں سے اس وقت آپ کے مریدین کی تعداد تین لاکھ سے تجاوز کر گئی ہے آپ کا حلقہ ارادت کشمیر، پاکستان، افغانستان، عرب ممالک اور انگلستان تک پھیلے ہوئے ہیں۔

آپ کی حیات مبارکہ کا مختصر خاکہ:

آپ نے کل 73 برس کی عمر پائی۔ 22 برس تک بچپن تعلیم و تربیت اور والدین کی خدمت میں گزارے 2 برس تقریباً تجارت کی یعنی پونچھ کے علاقہ میں 12 برس موہڑہ شریف میں اپنے شیخ کی سرپرستی میں رہے آستانہ شیخ پر لنگر شریف کے ناظم رہے۔ تقریباً 37 برس کا عرصہ مسلسل تبلیغ و اشاعت دین پر صرف کیا۔

حضرت پیر غلام محی الدین کی خدمت دین کا ایک اور پہلو:

آپ نے جملہ اولاد کی تعلیم و تربیت کے لیئے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی باوجود شب و روز کی مصروفیات کے آپ نے اپنے تمام صاحبزادوں کو پاکستان کے اعلیٰ دینی تعلیمی اداروں میں تعلیم کے لیے بھیجا مثلاً حضرت پیر علاؤالدین صدیقی موجودہ سجادہ نشین مدظلہ کو اپنے وقت کے محدث اعظم پاکستان قبلہ سردار احمد صاحب کی

خدمت میں علم دین سیکھنے کے لیئے بھیجا اور آپ نے وہاں سے ہی تکمیل علم کیا اور فراغت پائی۔

حضرت پیر ربانی زاہدی حضرت پیر شیر ربانی اسد کو عظیم مفسر قرآن، سیرت نگار، جسٹس ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازھری کی خدمت میں علم دین حاصل کرنے کے لیئے بھیجا۔ جناب سجادہ نشین کے فرزند حضرت پیر سلطان العارفین فاضل دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف ثم فاضل جامعۃ الازہر مصریہ جملہ احباب آستانہ عالیہ پر ہمہ وقت مصروف کار رہتے ہیں۔

حضرت پیر محی الدین غزنوی ثم نیروی کی دینی خدمات:

جب سے نیریاں شریف آپ کا مستقل مسکن بنا آپ نے اللہ کی توحید نبی ﷺ کی رسالت اور قرآنی تعلیمات کی ترویج و اشاعت میں عملی کردار ادا کیا آپ نے فوری طور پر کوئی با قاعدہ ادارہ قائم نہیں کیا مگر شب و روز تصوف کی حقیقی تعلیم اپنے مریدین سے مجاہدہ کروانا ان کی باطنی، روحانی تربیت انہیں نماز پنجگانہ کی عادی بنانا تہجد خیزی کو ان کا معمول بنانا ذکر خدا اور ذکر مصطفی ﷺ کی لذت ان کے قلوب میں ڈالنا شروع کی اس کے لیئے آپ نے دن رات ایک کیا ہوا تھا مسلسل دوروں کا سلسلہ جاری رہتا بسا اوقات تین تین ماہ کا مسلسل دورہ رہتا اس دوران بے شمار مشکلات و مصائب آتے رہے مگر آپ چٹان کی طرف انکا مقابلہ کرتے رہے آپ کی اور آپ کے ہمراہ جو لوگ ہوتے ان کا دن وعظ و تبلیغ سننے اور سنانے میں گزرتا رات قیام ذکر و فکر میں گزرتی کلمہ طیبہ کا ورد اس ذوق و شوق سے کرواتے کہ حاضرین و سامعین بے خود ہو جاتے ذکر شروع ہوتا تو بسا اوقات اس مستی اور کیف و سرور میں گھنٹے گزر جاتے ان محافل میں صدہا گم گشتہ راہ تائب ہوتے ہندو مسلمان ہوئے سکھ مسلمان ہوئے آپ نے نیریاں شریف میں آ کر زندگی کے 37 برس گزارے پاکستان کے چاروں صوبوں، افغانستان اور کشمیر کے بے شمار دورے کیئے حج بیعت اللہ کی سعادت بھی نصیب ہوئی اس عرصہ میں دو لاکھ سے تین لاکھ لوگوں نے آپ کے دست اقدس پر بیعت کی۔

بیماری کا عالم:

حضرت خواجہ محی الدین غزنوی تقریباً ایک سال صاحب فراش رہے آپ کے پیٹ میں ایک گولا تھا جسکی آپ نے پہلے بالکل پروانہ کی سالانہ عرس 1974ء کے بعد آپ کی طبیعت روز بروز کمزور ہونے لگی جس پر صاحبزادگان کو تشویش ہوئی آپ نے جولائی 1974ء میں راولپنڈی علاج کی اجازت دی جس پر آپ کو سنٹرل ہسپتال راولپنڈی لایا گیا کچھ افاقہ ہوا اور دوسری دفعہ صحت خراب ہونے پر سی۔ ایم۔ ایچ لایا گیا چونکہ عوام کا رش زیادہ تھا اس لیئے ہسپتال کے ساتھ ہی حضرت پیر غلام نقشبند صاحب (چورہ شریف) نے اپنی آرام گاہ مجددیہ منزل پیش کی چار پانچ ماہ رو بصحت رہے اور پھر بیماری کا حملہ ہوا اور سی۔ ایم۔ ایچ میں آپریشن ہوا اور تقریباً دس سیر پانی نکالا گیا۔

چنانچہ حضرت پیر غلام محی الدین غزنوی نے 6 اپریل 1975ء کو فرمایا مجھے آستانہ عالیہ نیریاں شریف لے چلو حسب ارشاد یہ قافلہ راولپنڈی سے چلا اور تقریباً رات ساڑھے گیارہ بجے نیریاں شریف پہنچا۔(۱۱)

وصال مبارک:

جمعۃ المبارک کے دن تقریباً 2 بج کر 35 منٹ پر آپ کا وصال 11 اپریل 1975ء / 28 ربیع الاول 1395ھ کو ہوا نماز جنازہ میں ہزاروں کا اجتماع تھا نماز جنازہ کے بعد آپ نیریاں شریف جہاں آپ نے مرشد پاک حضرت خواجہ قاسم موہڑوی نے آپ کو بٹھایا تھا وہاں ہی آسودہ خاک ہوئے۔(۱۲)

محی الدین اسلامی یونیورسٹی نیریاں شریف آزاد کشمیر:

محی الدین اسلامی یونیورسٹی چارٹر یونیورسٹی ہے جس کا بل آزاد کشمیر حکومت نے اسمبلی میں پاس ہوا

اس یونیورسٹی کے چانسلر حضرت پیر علاؤالدین صدیقی ہیں اس یونیورسٹی کی وسیع و عریض عمارت ہے جو اس دور کے فن تعمیر کا نادر نمونہ ہے یہ یونیورسٹی جناب چانسلر کی عمر بھر کی محنت اور کاوش کا ثمر ہے آپ نے ملک اور بیرون ملک کے مخیّر حضرات سے تعاون حاصل کر کے تعمیر کی ہے۔(۱۳)

حضرت پیر علاؤالدین صدیقی نے اپنی زیر نگرانی یہ یونیورسٹی تعمیر کروائی ہے۔

محی الدین اسلامی یونیورسٹی کا باقاعدہ افتتاح:

اس یونیورسٹی کا باقاعدہ افتتاح راجہ ظفر الحق وفاقی وزیر امور دینیہ نے 1998ء میں کیا۔(۱۴)

شعبہ جات:

۱۔ بی ایس سی:

یونیورسٹی میں گریجویشن کا باقاعدہ شعبہ جاری و ساری ہے جس میں سیاسیات ،اکنامکس ،اسلامیات، عربی ،اردو،فزیکل ایجوکیشن ،تاریخ اسلام ،تاریخ پاکستان، اور کمپیوٹر وغیرہ کے مضامین پڑھائے جاتے ہیں۔

۲۔ ایم ۔اے:

مندرجہ ذیل مضامین میں ماسٹر کرایا جاتا ہے۔

اسلامیات،اکنامکس ،فزیکل ایجوکیشن ،تعلیم ایم ۔ایل ۔آئی ۔ایس ،ایم بی اے، اور ایم ۔سی ۔ایس وغیرہ کرائے جاتے ہیں۔

۳۔ لاء کا شعبہ:

اس شعبہ میں ایل۔ایل۔بی اور ایل۔ایل۔ایم کرایا جاتا ہے۔

۴۔ فنی تعلیم:

یونیورسٹی میں بی۔ایڈ اور ایم۔ایڈ کا باقاعدہ شعبہ قائم ہے جس سے بے شمار طلبہ طالبات استفادہ کر رہے ہیں۔

۵۔ دینی شعبہ

اس میں طلباء کو دینی اور دنیاوی تعلیم کا نصاب پڑھایا جاتا ہے۔

محی الدین اسلامی یونیورسٹی کی برانچز:

۱۔محی الدین صدیقیہ پوسٹ گریجویٹ کالج راولاکوٹ آزاد کشمیر:

اس ادارے کی ذاتی بلڈنگ جو کہ 25 کمرہ جات پر مشتمل اور ایک وسیع لان ہے جس میں بی ایڈ ،ایم ایڈ ،ایم اے ایجوکیشن محی الدین اسلامی یونیورسٹی سے کرائے جاتے ہیں۔

۲۔محی الدین کالج مظفر آباد:

یہ ادارہ مظفر آباد شہر کے کونے میں دریا کے کنارے واقع ہے جس میں طلبہ / طالبات کو بی ایڈ ،ایم ایڈ ،ایم

اے اسلامیات، اکنامکس اور بی سی ایس اور ایم سی ایس کرائے جاتے ہیں۔اس کے علاوہ نرسری تا بی۔اے آزاد کشمیر بورڈ/یونیورسٹی کرائے جاتے ہیں۔

۳۔محی الدین کالج کوٹلی:

یہ ادارہ بھی محی الدین اسلامی یونیورسٹی سے ملحق ہے اس ادارہ میں بی ایڈ۔ایم ایڈ۔ایم اے اسلامیات، اکنامکس، اور بی سی ایس، ایم سی ایس کی کلاسسز چل رہی ہیں۔

۴۔محی الدین کالج میرپور:

یہ ادارہ ضلع میرپور میں واقع ہے اس ادارہ میں بھی بی ایڈ، ایم ایڈ، بی سی ایس، ایم سی ایس، ایم اے اکنامکس کی کلاسسز جاری ہیں۔

۵۔محی الدین ہائی اسکول نیریاں شریف:

نیریاں شریف یونیورسٹی کے ساتھ ہی چھ منزلہ عمارت ہے جس میں طلبہ کا ہائی سکول ہے جس میں میڈیکل اور پری میڈیکل کی کلاسسز کے علاوہ کمپیوٹر سائنسز کی کلاسسز جاری ہیں۔

٦۔محی الدین کالج نیریاں شریف:

یہ ادراہ بھی یونیورسٹی کی عمارت میں ہے اس میں میڈیکل، پری میڈیکل اور علم وادب گروپ، کمپیوٹر سائنسز، آئی سی ایس کی کلاسسز جاری ہیں۔

۷۔محی الدین ہائی اسکول دیسا :

اس ادارہ میں نرسری سے 10th تک سائنس و آرٹس مضامین کے ساتھ کلاسسز جاری ہیں ادارہ کی ذاتی بلڈنگ ہے۔

۸۔محی الدین ہائی اسکول بنجونسہ :

اس ادارہ میں بھی نرسری سے دہم تک کلاسسز جاری ہیں اس ادارہ کی ذاتی بلڈنگ ہے اور اس سے ملحق محی الدین جامع مسجد بھی واقع ہے۔

۹۔زیر تعمیر محی الدین میڈیکل کالج میرپور:

یہ ادارہ میرپور شہر سے باہر وسیع و عریض علاقے میں پھیلا ہوا ہے اسکی عظیم الشان بلڈنگ اس دور کے فن تعمیر کا نادر نمونہ ہے اس وقت تک اس کالج پر اربوں روپے خرچ ہو چکے ہیں امید ہے کہ اس برس (2009ء) میں اس میں باقاعدہ میڈیکل کی کلاسسز کا اجراء ہو گیا ہے۔

محی الدین اسلامی یونیورسٹی کے زیر نگرانی دینی ادارہ جات:

ا۔ محی الدین اسلامی یونیورسٹی کی وسیع عریض بلڈنگ میں ایک دینی ادارہ بھی کام کر رہا ہے جس کی ذمہ داری جناب وائس چانسلر نے اپنے صاحبزادہ سلطان العارفین کے ذمہ لگائی ہے اس ادارے کا نصاب تعلیم دنیا اسلام کی عظیم دینی درسگاہ دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف کی طرز پر ہے ادارہ سے بے شمار طلبہ مستفید ہو رہے ہیں۔

۲۔محی الدین صدیقہ دارالعلوم قلعاں:

یہاں ایک عظیم الشان مسجد جو کہ محکمہ اوقاف کی زیر نگرانی ہے اس میں ایک خوبصورت ادارہ جہاں طلبہ کو قرآن پاک حفظ کرایا جاتا ہے شعبہ تجوید بھی قائم ہے۔

اس کے علاوہ پاکستان کے مختلف شہروں میں یونیورسٹی کی کئی برانچز کام کر رہی ہیں۔جن میں اسلام آباد، راولپنڈی، فیصل آباد، جہلم، گجرات اور بہت سے شہروں میں محی الدین اسلامی یونیورسٹی کی برانچز مصروف کار ہیں۔راولپنڈی کے قریب چک بیلی خان میں ایک بڑا دینی ادارہ ہے جس میں بے شمار طلبہ زیر تعلیم ہیں۔

محی الدین ہسپتال تراڑکھل:

نیریاں شریف کے متصل شہر تراڑکھل میں ایک عظیم الشان ہسپتال جو کہ ۲۲ کنال اراضی پر مشتمل ہے زیر تعمیر ہے اس میں جدید قسم کے علاج کی اعلیٰ سہولیات ہوں گی۔

آستانہ عالیہ نیریاں شریف کی دینی و علمی خدمات:

اس آستانہ عالیہ کی زیر سرپرستی 1985ء میں سجادہ نشین آستانہ عالیہ نیریاں شریف نے تحریک نفاذ نظام مصطفیٰ علیہ السلام کا آغاز کیا۔

آپ نے ہر ضلع کے مرکزی مقام پر طوفانی جلسے کیئے حکومت کے ایوانوں میں ہلچل مچادی آپکے جلسہ جات میں ہزاروں لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہوتا۔جس کے نتیجے میں آزاد کشمیر حکومت نے مذکرات کا راستہ اختیار کیا اور وعدہ کیا کہ آہستہ آہستہ اصلاحات نافذ کی جائیں گی اور اس ضمن میں محکمہ امور دینیہ آزاد کشمیر معرض وجود میں آیا جس کے ذریعے آزاد کشمیر میں ہر تحصیل کی سطح پر تحصیل مفتی اور ضلع میں ضلع

مفتی کا تقرر ہوا مگر یہ سارا منصوبہ آزاد حکومت کی سست روی کا شکار ہو گیا۔(۱۵)

النور ٹی-وی چینل

تبلیغِ اسلام کے لئے النور ٹی۔وی چینل قائم کیا گیا جو الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے تبلیغ اسلام کا بڑاہ مؤثر ذریعہ ہے۔ ۲۰۰۸ء دنیا کے ۱۷۰ ممالک تک دین کا پیغام اس چینل کے ذریعہ سے پہچایا جارہاہے(۱۶)

☆☆☆

حوالہ جات:

(حضرت پیر غلام محی الدین غزنوی)

۱۔ تذکرہ اولیاء کشمیر، آزاد محمود سید، ناشر محکمہ اوقاف آزاد کشمیر سن طباعت 1993ء، ص409

۲۔ ایضاً، صفحہ نمبر 407

۳۔ ایضاً، صفحہ نمبر 408

۴۔ چار چنار پندرہ روزہ ناشر چار چنار تراڑکھل آزاد کشمیر سن طباعت 2002ء ص12

۵۔ ایضاً، صفحہ نمبر 14

۶۔ ایضاً، صفحہ نمبر 15

۷۔ ماہنامہ عزیمت مظفرآباد آزاد کشمیر طاہر تبسم سردار ناشر محکمہ اوقاف آزاد کشمیر سن مارچ 1993ء ص74

۸۔ ایضاً، صفحہ نمبر 76

۹۔ ایضاً، صفحہ نمبر 75

۱۰۔ انوار الاولیاء آزاد محمود سید ناشر محکمہ اوقاف کشمیر، سن طباعت 1982ء صفحہ نمبر 73

۱۱۔ حیات محی الدین غزنوی، صمدانی، ریاض احمد، مولانا ناشر محی الدین اکیڈمی مہریہ شریف ۱۹۹۷

۱۲۔ روزنامہ نوائے وقت 25 جون 2004ء کالم نگار سردار شبیر، صفحہ نمبر 5

۱۳۔ ایضاً، انٹرویو سلطان العارفین 25.07.05

۱۴۔ ایضاً، صفحہ نمبر انٹرویو سلطان العارفین 25.07.05

۱۵۔ انٹرویو سردار عارف خان پرنسپل محی الدین اسلامی یونیورسٹی نیریاں شریف 25.07.05

16۔ ماہنامہ اُفق کراچی شمارہ ۲۰۰۹ء جون انٹرویو پیر علاؤ الدین صدیقی

☆☆☆

سائیں سیّد میر بادشاہ:

خاندانی پس منظر:

سائیں سید میر بادشاہ جنجوعہ راجپوت خاندان سے تعلق رکھتے تھے آپ کے آباواجداد صدیوں پہلے پنجاب سے ہجرت کر کے ضلع پونچھ کے علاقہ منگ میں آباد ہوئے۔ آپ کا خاندان متقی مشہور تھا آپ کے خاندان کا ذریعہ معاش گلہ بانی اور کھیتی باڑی تھا آپ کے خاندان کے کچھ افراد ہجرت کر کے راولاکوٹ کے علاقہ پاچھیوٹ چھپڑا بن میں آباد ہوئے ان میں آپ کے والد یا دادا بھی تھے اور پھر یہاں ہی کے ہو کر رہ گئے۔

ولادت:

آپ کے والد کا نام جمن علی تھا ان کے ہاں آپ کی ولادت اندازاً 1923ء میں ہوئی آپ کی پرورش آپ کے ننھیال ڈریالی پوٹھی مکوالاں راولاکوٹ میں ہوئی۔

بچپن:

آپ کی نانی جان ایک متقی، پرہیزگار صوم وصلوۃ کی پابند تہجد گزار خاتون تھیں آپ نے انکی آغوش میں پرورش پائی اس لیئے دینی ماحول ورثہ میں ملا۔

تعلیم:

آپ نے جب ہوش سنبھالا تو آپ کو گاؤں کے ایک روحانی بزرگ مولوی سید الف شاہ کے درس میں داخل کر یا گیا شاہ صاحب محکمہ تعلیم سے وابستہ تھے اور صبح شام بچوں کو گھر میں ناظرہ قرآن پاک اور ضروری مسائل کا درس دیتے سائیں سید میر بادشاہ نے ان سے ناظرہ قرآن پاک پڑھا اور مسائل دین بھی پڑھے مزید قرآن حکیم کی تعلیم آپ نے کیاٹ والے حافظ مبارک شاہ سے حاصل کی اور انکی ہدائیت پر مزید تعلیم کے لیئے راولپنڈی پوٹھوار والے حافظ شاہؒ سے حاصل کی۔

علم لدنی:

سائیں سید میر بادشاہ کو علم لدنی حاصل تھا اس کی واضح مثال اس طرح ہے کہ آپ قرآن حکیم حدیث پاک کی تشریح اس طرح کرتے کہ بڑے بڑے عالم دنگ رہ جاتے آپ حافظ قرآن نہ تھے باوجود

اس کے نماز تراویح میں حفاظ کو لقمہ دیتے اگر واعظ کرتے ہوئے کسی کو کوئی آئت بھولتی تو فوراً بتا دیتے علم حدیث اور فقہ پر آپ کو اس طرح عبور تھا گویا یہ سارے علوم پڑھے ہوئے ہیں۔

تلاش مرشد:

ظاہری تعلیم کے بعد آپ نے مرشد طریقت کی تلاش شروع کر دی آپ دڑیالی شریف کے بزرگان کے مزارات پر حاضری دیتے رہے انہی بزرگوں میں سے ایک حضرت پیر جیون شاہ مشہدی (مزار مبارک نمروٹہ ٹو ہنڈی ڈہن) کے گدی نشین پیر گل احمد شاہ عرف گلا شاہ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے اپنا مقصد بیان کیا انہوں نے تھوڑی دیر آنکھیں بند کیں اور فرمایا تیرا حصہ حضرت پیر غلام محی الدین بابو جی سرکار گولڑہ شریف کے پاس ہے آپ فوراً گولڑہ شریف چلے گئے جیسے ہی پیر صاحب سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا سید میر تیرا حصہ میرے پاس تھا گلا شاہ کس طرح بیعت کر سکتا تھا پھر سلسلہ چشتیہ قادریہ میں بیعت کیا اور بہت سے وظائف بتائے اور کہا کہ جاؤ خدمت خلق میں لگ جاؤ۔

چلہ کشی:

آپ نے بے شمار چلے کیئے ان میں خشکی اور پانی کے چلے تھے پہلا چلہ اپنے ننھیال والوں کے تہہ خانے میں کیا اس دوران آپ نے غیبی اشارہ پا کر چھری سے اپنا پیٹ کاٹ دیا اور ہاتھ ڈال کر صفائی کی آپ کا فرمانا تھا کہ میں نے شیطان کو نکال دیا پھر یہ زخم بغیر کسی دوائی کے خود بخود ٹھیک ہو گیا دوسرا چلہ نالہ ماہل پر موسم سرما میں تین ماہ کا کیا۔

ملازمت:

آپ نے جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر پاک فوج میں ملازمت اختیار کی مگر زیادہ عرصہ ملازمت نہ کی

ملازمت چھوڑ کر ذکر الہی میں مشغول ہو گئے ملازمت چھوڑنے کی وجہ یہ بنی کہ آپ بندوق چھوڑ کر نماز پڑھ رہے تھے کہ آپ کا کمانڈر آیا اور بندوق اٹھا کر چلا گیا دوسرے دن آپ کو سزا سنا دی دوسری رات اسکی چارپائی بار بار الٹتی رہی رات بھر نہ سو سکا دوسرے دن اس نے آ کر سائیں سید میر بادشاہ سے معافی مانگی خلق خدا کی توجہ آپ کی طرف ہو گی آپ نے فوراً ملازمت چھوڑ دی۔

تعمیر مسجد:

دڑیالی میں ایک پرانی مسجد تھی جس کی آپ نے 1956ء میں دوبارہ خوبصورت کر کے تعمیر کروائی۔

درس و تدریس:

اسی مسجد میں آپ نے درس و تدریس کا آغاز کیا یہ سلسلہ 1947ء تا 1970ء تک جاری رہا بے شمار لوگوں نے آپ سے قرآن شریف پڑھا بلکہ بعض غیر مسلم خواتین نے اسلام بھی قبول کیا اور آپ نے انکو قرآن بھی پڑھایا دینی تعلیم بھی دی۔

دیگر تعمیرات:

سائیں سید میر بادشاہ نے بے شمار زیارات تعمیر کروائیں جن دڑیالی شریف پیر عادل شاہ، پیر جمال شاہ، پیر نصر شاہ، پیر حسین شاہ۔ پیر چمن شاہ، پیر مومن درویش، کی زیارات کے نام معلوم ہیں اس کے علاوہ بھی بے شمار زیارات کے شواہد مل رہے ہیں۔

خدمت خلق:

آپ کے مرشد نے بوقت بیعت وصیت فرمائی تھی کہ خدمت خلق کریں آپ نے اس کا حق ادا کیا

اور تادم مرگ ریاست بھر کے یتیم بچوں، بیوہ عورتوں اور ضرورت مندوں کا ماہوار وظیفہ دیتے گھر میں سامان ضرورت مزدوروں کے ذریعے پہنچاتے آپ نے بہت سے لوگوں کو شادیاں بھی کروائیں بعض کو مکان تعمیر کر کے دیئے مدارس دینیہ میں خورد ونوش کا سامان بھیجتے بعض سفید پوش شرم کے مارے کسی کو اپنی حالت نہ بتاتے سائیں صاحب کی کرامت تھی کہ آپ کو خبر ہو جاتی اور چپکے سے ان کی جیب میں نقدی ڈال دیتے۔

معمولات:

آپ نماز با جماعت کے پابند تھے تہجد گزار تھے کثرت سے تلاوت قرآن کرنے والے آپ الگ کمرہ میں سوتے آپ کے لیئے بستر بچھایا جاتا مگر آپ ہمیشہ ننگی چارپائی پر تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد کثرت سے اسماء الہیٰ کا ورد کرتے درود شریف کثرت سے پڑھتے تھے۔

عشق رسول ﷺ:

حضور ﷺ کی ذات سے والہانہ عشق تھا آپ کی سنتوں سے بڑا پیار تھا اور ہر وہ کام کرتے جو سنت ہوتا۔

شادی:

آپ نے سنت رسول ﷺ کے مطابق شادی کی مگر کچھ عرصہ کے بعد جملہ حقوق کے ساتھ اپنی منکوحہ کو فارغ کر دیا اولاد کوئی نہ تھی۔

سلسلہ تصوف:

حضرت سائیں سید میر "حضرت قبلہ پیر غلام محی الدین گولڑوی بابو جی سرکار سے سلسلہ قادریہ، چشتیہ، نظامیہ میں صاحب مجاز تھے۔

بیماری موت:

1990ء میں آپ پر فالج کا حملہ ہوا اور فالج زدہ ہو گئے فوراً آپ کو سی۔ایم۔ایچ میں داخل کر دیا گیا۔

وصال:

ماہ رمضان میں روزہ کی حالت درود شریف پڑھتے ہوئے آپ کا وصال ہوا 21 فروری 1994ء میں ہوا اور 22 فروری کو نماز جنازہ سید زاہد حسین شاہ نے پڑھائی اور آپ کی تدفین کی گئی۔

حوالہ :

حضرت سائیں سید میر بادشاہ چشتی نظامی قادری

زاہد حسین سید ناشر جامع مسجد کنز الایمان شجاع آباد باغ آزاد کشمیر سن طباعت اپریل 2003ء کل صفحات [illegible]

حضرت سائیں جعفر خان ؒ

خاندانی حالات :

حضرت سائیں جعفر خان سدھن قبیلے سے تعلق رکھتے تھے جو صدیوں پہلے ریاست پونچھ میں آباد ہوئے تھے۔ آپ کے آباؤ اجداد نے موضع کوئیاں کھائیگلہ راولاکوٹ ضلع پونچھ کا اپنا مسکن بنایا خاندان کا ذریعہ معاش زراعت کھیتی باڑی اور گلہ بانی تھا۔

ولادت :

آپ موضع کوئیاں کھائیگلہ میں سردار مدد خان کے ہاں تقریباً 1925ء میں پیدا ہوئے آپ کی

والدہ ماجدہ ایک نیک خاتون تھیں قرآن حکیم ناظرہ والدہ سے پڑھا اور نماز روزہ کا طریقہ بھی والدہ سے ہی سیکھا ضروریات دین کا علم بھی والدہ سے ہی سیکھا۔

عبادت و ریاضت :

حضرت سائیں جعفر خان ہاتھ سے مزدوری کرتے تھے رزق حلال کماتے اور ساتھ ساتھ عبادت و ریاضت بہت زیادہ کرتے تھے چونکہ عبادت کا ماحول بچپن سے ہی گھر سے ملا تھا آپ اپنے قریب کے جنگل میں کئی کئی دن تک عبادت میں مصروف رہتے۔

والدہ کی خدمت کا حکم:

اگرچہ آپ شروع سے ہی والدہ کی بہت خدمت کرتے تھے ایک دفعہ والدہ کی اجازت سے جنگل میں عبادت میں مصروف تھے کہ غیب سے آواز آئی اس عبادت سے بہتر عبادت یہ ہے کہ والدہ کی خدمت کریں اس کے بعد آپ والدہ کے وصال تک لگاتار خدمت میں مصروف رہے اور اتنے ذوق سے والدہ کی خدمت کی کہ روحانیت میں اعلیٰ مقام حاصل کیا۔

آپ کے مرشد:

والدہ کی اجازت سے آپ نے ایک دفعہ جنگل میں چلہ کیا اور آپ پر باطنی اسرار ظاہر ہوئے اسی چلہ کے دوران مرشد کے حضور حاضر ہونے کا اشارہ ہوا آپ کو رجال الغیب نے حضرت پیر اکبر شاہ قادری نقشبندی کے حضور حاضر ہونے کا اشارہ فرمایا ادھر حضرت پیر اکبر شاہ قادری نقشبندی جو کہ اسی وقت گھائیگلہ کے قریب حضرت شاہ ہمدانؒ کی بیٹھک تولی پیر پر چلہ کش تھے نے اپنے دو مریدوں کو سائیں جعفر خان کے

پاس بھیجا اور حاضر ہونے کا حکم دیا آپ ان مریدوں کے ہمراہ جناب پیر اکبر شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے آپ کو سلسلہ قادریہ نقشبندیہ میں بیعت بھی کیا اور خرقہ خلافت بھی عطا کیا اور واپس والدہ ماجدہ کی خدمت کا حکم دیا اور آپ نے والدہ کی وفات تک والدہ کی خدمت کی۔

جہاد آزادی سنہ 1947ء میں بھر پور شرکت:

حضرت سائیں جعفر خانؒ چونکہ موضع کوئیاں کے رہنے والے تھے اور جہاد آزادی کا آغاز آپ کے گاؤں کے قریب موضع دوتھان سے ہوا آپ اس وقت بالکل جوان تھے آپ کی عمر 22 سال تھی آپ نے بھر پور جہاد آزدی میں شرکت کی۔

کرامات:

۱۔ برص کے مریض کو آپ سے شفاء ہوتی اس لیئے آپ کے پاس مریض بہت آتے اور شفاء پاتے۔

۲۔ آپ کو اکثر شیر پر سواری کرتے دیکھا گیا دوران چلہ بھی شیر آپ کے پاس آتا تھا۔

۳۔ ایک شخص نے آپ کے ساتھ بدتمیزی کی اسے آگ لگ گئی۔

۴۔ وصال سے چند دن قبل آپ نے فرمایا میرا وقت قریب ہے میری قبر اس جگہ بنانا۔

شادی:

آپ نے اپنی والدہ کے حکم سے شادی کی اور چار اولادیں تھیں جن میں سے آپ کی نسل چل رہی ہے۔

مریدین:

آپ کے بے شمار مریدین ہیں لیکن ان کی فہرست مرتب نہ ہوسکی آپ کا ایک مرید حکیم خان ہے جن کو آپ نے حکمت کی اجازت بھی دی تھی۔

وصال:

آپ کا وصال 1975ء میں ہوا گھائیگلہ بازار سے تراڑکھل جاتے ہوئے بائیں جانب بلندی پر آپکا مزار مرجع خلائق ہے۔

عرس:

آپ کا عرس ہر سال 9 جون کو منعقد ہوتا ہے۔

حوالہ: اولیاء کشمیر غیر مطبوعہ نعیمی زاہد حسین سید جلد اول۔

☆☆☆

بزرگان شریف قادریہ بدھال شریف

خاندانی پس منظر:

بزرگان قادریہ بدھال شریف کا سلسلہ نسب کئی واسطوں سے حضرت میر محمد تقی خانیاری کشمیر سری نگر خواہرزادہ سید تخی شاہ، محمد فاضل شاہ خانیاری برخوردار حضرت شاہ حسن گیلانی پشاوری والد بزرگوار حضرت شاہ محمد غوث گیلانی لاہوری سے ملتا ہے آپ اکابر خاندان گیلانیہ عالیہ کے چشم و چراغ تھے آپ کا شجرہ نسب آگے چند پشت جا کر حضرت محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی سے ملتا ہے۔

شجرہ نسب:

کتاب بحرالجمان میں حضرت مولانا سید محبوب شاہ گیلانی داتوی ہزاروی ذیل طور شجرہ نسب و تذکرات کی روح سے رقمطراز ہیں:

حضرت سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت تاج الدین ابوبکر سید عبدالرازق رحمۃ اللہ علیہ (ولادت) 528ھ وفات 633ھ

حضرت عماد الدین سید ابو صالح نصر ؒ

حضرت محی الدین سید ابو نصر محمد ؒ

حضرت ابو السعود شہاب الدین احمد متقی ؒ

حضرت سید سیف الدین ابو زکریا یحیٰ ثانی ؒ

حضرت سید شمس الدین ابو عبداللہ محمد ؒ

حضرت سید عطا الدین علی ؒ

حضرت سید بدرالدین حسینؒ

حضرت سید محی الدین شرف الدین یحیٰی ثالثؒ

قطب عالم حضرت سید میر شہاب الدینؒ

حضرت شیخ بدرالدین ابوالمعالی شاہ حسینؒ

حضرت سید عبدالباسطؒ

وفات 1039ھ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ثانیؒ

حضرت سید نورالدین طموسیؒ

حضرت سید احمد گیلانی السندھیؒ

حضرت سید یوسفؒ

حضرت سید عبدالحمیدؒ

حضرت سید محمد یوسفؒ

حضرت سید میر محمد تقیؒ

حضرت سید ابوسعید خانیاریؒ

حضرت سید پیر اکبر شاہ غازیؒ

حضرت سید پیر میر جی محمدؒ

حضرت سید پیر میر حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ وفات 1336ء تقریباً

حضرت سید پیر الشمس الدین بدھالوی رحمۃ اللہ علیہ وفات 1347ھ 1944ء

حضرت سید پیر عزیز الدین شاہ رحمۃ اللہ علیہ 1983ء

حضرت مولانا سید عابد حسین شاہ گیلانی با قائدہ حیات موجودہ سجادہ نشین (۱)

خاندانی حالات:

حضرت محبوب سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ سے لیکر حضرت ابوالسعو د سید ظہیر الدین شہاب الدین احمد متقی ؒ تک اس بابرکت خاندان کی سکونت بغداد شریف (عراق) میں رہی۔ حضرت سید ابوالسعو د ظہیر الدین شہاب الدین احمد متقی کے فرزند حضرت سید سیف الدین زکریا یحیٰ ثانی نے حماہ شریف میں سکونت اختیار کی اور انکی دس پشتیں سید نورالدین الحمودی تک اس جگہ گزریں۔

سید نورالدین الحموی کے سب سے چھوٹے فرزند حضرت سید احمد گیلانی حماہ شریف کی سکونت ترک کر کے دینِ اسلام کی تبلیغ کے لیئے سندھ حیدرآباد تشریف لائے اور سید احمد گیلانی کی چار پشتیں یہاں خدمات سرانجام دیتی رہیں اور پانچویں پشت سے حضرت سید میر محمد تقی اور حضرت سید محمود پسران سید محمد یوسف یہ دونوں بزرگ اپنے وقت کے جید عالم دین تھے اور اولیاء کاملین میں سے تھے ان کے ماموں شاہ محمد فاضل سری نگر کے قصبہ خانیار میں مقیم تھے انکی خواہش پر دونوں بزرگ سری نگر تشریف لائے اور ان کے ماموں نے اپنی دونوں بیٹیوں سے انکی شادی بھی کرا دی اور انہوں نے یہاں مستقل سکونت اختیار کی۔

سید محمد یوسف کے فرزند سید میر محمد تقی کے چار فرزند تھے سید علی، سید ولی، سید خیر اللہ، سید ابوسعید خانیاری تھے۔ حضرت ابوسعید خانیاری کے پانچ فرزند سید نعمت اللہ شاہ، سید بزرگ شاہ، سید عزیز اللہ شاہ، سید مرزا شاہ غازی اور پیر سید اکبر شاہ غازی ہوئے۔

حضرت پیر سید اکبر شاہ غازی بڑے صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے آپ ہی اس خاندان کے وہ پہلے چشم و چراغ ہیں جو (موجودہ) مقبوضہ کشمیر سے ہجرت کر کے (موجودہ) آزاد کشمیر کے ضلع باغ تحصیل کہوٹہ میں علاقہ سدھروں میں آباد ہوئے آپ کی ہجرت کا سبب اور تفصیل (مقالہ کے چوتھے باب بزرگان قادریہ بدھال شریف کی آمد اور یہاں کے معاشرتی حالات) میں بالتفصیل آچکی ہے حضرت پیر اکبر شاہ غازی کے تین فرزند پیر سید علاؤالدین شاہ پیر سید احمد شاہ حضرت میر جی محمد ؒ گزرے ہیں۔ حضرت پیر میر

جی محمد شاہ کے فرزند پیر سید میر حسن شاہ اور پیر سید نور شاہ تھے اور سجادہ نشین پیر سید میر حسن شاہ ہوئے اور آپ کا سن وفات 1336ھ/1945ء ہوا۔ (۲)

حضرت پیر سیّد میر حسن شاہ بدھالوی

تاریخِ پیدائش:

حضرت پیر سید میر حسن شاہ کی پیدائش اندازاً 1240ھ/1822ء میں ہوئی۔ آپ کی والدہ راجگان راٹھور کی شہزادی تھی اس لیئے (مقالہ نگار کی تحقیق میں چونکہ بیسویں صدی کے ممتاز بزرگان قادریہ میں حضرت سید میر حسن قادری بدھالوی کا وصال 1336ھ/1920ء بیسویں صدی میں ہوا اس لیئے ان کی علمی خدمات شامل کی جاتی ہیں) آپ کی ابتدائی پرورش راجگان راٹھور والئی سدھروں کے گھر میں شاہی تزک و احتشام سے ہوئی اس وقت کا حکمران راجہ شیر باز خان تھا شیر خوارگی اور عہد طفولیت میں کئی دایہ اور خدمت گار آپ کے لئے مقرر تھیں۔ راجہ شیر باز خان کی عقیدت کا یہ عالم تھا اگر کوئی دایہ یا خدمت گار آپ کو اٹھا کر سامنے لائی تو آپ فوراً اُٹھ کھڑے ہوتے درآں کہ ضعیف العمر تھے اور کہتے ہوئے کھڑے ہوتے کہ یہ حضرت غوث پاکؒ کی اولاد ہے ہمیں انکی خدمت پر فخر ہے۔ (۳)

حضرت سید میر حسن قادری کا بچپن:

اسی ماحول کا اثر تھا کہ آپ کا لباس، غذا، نشست و برخاست، گفتار و کردار سب راجگانہ اور شاہانہ تھا لیکن اس کے باوجود خاندانی اثرات بھی غالب تھے آپکو اہل اللہ سے سخت محبت و عقیدت تھی خدا ترسی اور یادِ الٰہی کا شوق صغر سنی سے ہی غالب تھا اور ابتداء ہی سے ذاکر، عابد اور زاہد تھے۔

تعلیم:

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی ناظرہ قرآن پاک بھی اپنے والد گرامی سے پڑھا آپ کے والد محترم مشہور عالمِ دین تھے اس لئے انہوں نے خود ہی آپ کو تعلیم دی۔

سلوک:

آپ نے سلوک کی ابتدائی منزلیں اپنے والدِ محترم کے سامنے طے کی اور بعد ازاں اپنے والدِ محترم کی اجازت سے اس وقت کے باکمال صوفی حضرت خواجہ حیات صاحب قادری سے جو کہ حضرت پیر احمد صاحب قادری نارہ بلی کے خلیفہ مجاز تھے کے پاس سلوک کی تکمیل کی اور خلافت اور فیوضات حاصل کئے۔

مرشد کا احترام:

آپ کے مرشد غیر سید تھے مگر آپ انکی بارگاہ میں نہایت تواضع اور انکساری کا مظاہرہ کرتے تھے آپ اپنے مرشد کی بارگاہ اور آستانہ کی حدود میں پا برہنہ رہتے آپ اس حدود میں پیشاب بھی نہ کرتے تھے۔

حضرت سید پیر میر حسن شاہ کی کرامات اور خدمتِ خلق:

آپ کی بے شمار کرامات ہیں اگر جمع کیا جائے تو ایک کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔ آپ کی کرامات میں بڑی کرامت یہ تھی کہ جس قسم کا مریض بھی لایا جاتا شفا پاتا کئی جزام کے مریض شفایاب ہوئے کئی اپاہج تندرست ہوئے کئی مہلک بیماریوں میں مبتلا مریضوں نے شفا پائی۔ سینکڑوں لا اولاد کو اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا سے اولاد سے نوازا۔

خود آپ کے اپنے گھر میں آپ کے فرزند سجادہ نشین حضرت پیر شمس الدین شاہ صاحب کے ہاں اولاد نہ تھی جب آپ سے دعا کے لئے درخواست کی گئی تو آپ نے دعا کے بعد فرمایا آپ کے گھر پانچ فرزند پیدا ہوں گے۔ الحمد اللہ ایسا ہی ہوا اس طرح کے بیشمار واقعات زبان زد عام و خاص ہیں آپ نے بہت سے لوگ جن کو باؤلے کتے نے کاٹا تھا ان کا علاج بھی کیا۔ اور اللہ نے ان کو شفا بھی دی۔

آپ کی اولاد:

آپ کو اللہ تعالیٰ نے اولادِ نرینہ میں چھ بیٹے عطا فرمائے تھے جنکے اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔

(۱)۔ حضرت پیر ضیاء الدین شاہ قادری۔

(۲)۔ حضرت پیر سید غلام شاہ قادری۔

(۳)۔ حضرت پیر سید یوسف شاہ۔

(۴)۔ حضرت پیر سید عمر شاہ۔

(۵)۔ حضرت پیر شمس الدین شاہ قادری۔

(۶)۔ حضرت پیر سید نجم الدین شاہ۔

تقسیمِ وراثت سجادہ نشین کو روحانی وراثت عطا کرنا:

بدھال شریف کے لوگوں نے آپ کو مجبور کیا اور حاکمِ وقت نے بھی درخواست کی تو آپ نے بدھال شریف موجودہ آستانہ والی جگہ پر قیام فرمایا آپ کی والدہ ماجدہ کی طرف سے آپ کو کثیر التعداد رقم قیمتی جواہرات تک ملے تھے اس کے علاوہ زمین و جائیداد بھی تھی آپ نے اپنی یہ ساری وراثت اور مال اسباب اپنے پانچ بیٹوں میں تقسیم کیا اور اپنے چھٹے بیٹے حضرت شمس الدین قادری بدھالوی کو گھر بلا کر ارشاد

فرمایا ظاہری مال واسباب میں سے تم کو کچھ نہیں ملے گا البتہ باطنی وروحانی دولت کے وارث تم ہو آپ نے اپنی نظر کیمیا اثر سے ان کو روحانیت کے کمال تک پہنچایا۔

آپ کے معمولات:

آپ کے معمولات میں وظائف شریف قادریہ تھے اس کے علاوہ نماز پانچ وقت اور تہجد، شب بیداری، سماع بھی سنتے تھے۔ تلاوت قرآنِ پاک بھی فرماتے تھے اور سلسلہ قادریہ کا ختم شریف سلسلہ چشتیہ کا ختم شریف سلسلہ نقشبندیہ کا ختم شریف اور سلسلہ سہروردیہ کا ختم شریف معمولات میں شامل تھے۔

خدمت خلق:

خدمتِ خلق آپ کا محبوب مشغلہ تھا یہ دور بڑا غربت کا دور تھا مہاراجوں کا اقتدار عروج پر تھا تمام کاروباروں پر ہندوؤں اور سکھوں کا قبضہ تھا سرکاری ملازمتوں کے دروازے بھی انہیں لوگوں کے لئے تھے۔ مسلمان مشکل ترین دور سے گزر رہے تھے مسلمان اور ان کے اہلِ خانہ دو وقت کی روٹی کے لئے مجبور تھے اس وقت آپ لوگوں کی نقدی کی صورت میں بھی مدد فرماتے اور آپ کا لنگر غوثیہ شب روز زائرین کی خدمت کے لئے جاری رہتا۔

آپ کا وصال:

حضرت سید پیر میر حسن بدھالوی ؒ نے 100/90 سال کی عمر میں 11 جمادی الثانی 1336ھ اندازاً 1920ء میں وصال فرمایا آپ کا وصال سوموار کے دن ہوا آپ کا مزار شریف بدھال شریف تحصیل کھوئی رٹہ ضلع باغ آزاد کشمیر میں مرجع خلائق ہے۔

آپ کے سجادہ نشین:

آپ کے چھ صاحبزادے تھے ان میں سے پانچویں صاحبزادہ حضرت پیر سید شمس الدین بدھالوی قادری کو سجادہ نشینی کے لئے نامزد فرمادیا تھا جنہوں نے آپ کے مشن کو آپ کے بعد دوبالا کیا۔ (۴)

حضرت پیر سید شمس الدین گیلانی قادری بدھالوی:

ولادت:

حضرت پیر سید شمس الدین بدھالوی کی ولادت 1300ھ مطابق 1881ء بدھال شریف تحصیل کہوٹہ ضلع باغ میں ہوئی۔

بچپن:

آپ ابتدا سے ہی عام بچوں سے مختلف تھے بچوں سے نہ کھیلتے خداوند کریم نے بچپن ہی سے قلندرانہ ادا عطا کی تھی۔ قدرتی طور پر مزاج روحانیت کی طرف مائل تھا اور اللہ کریم نے آپ کو ماحول بھی ایسا ہی عطا کیا اس پاکیزہ ماحول کی برکت سے آپ پر روحانیت اور زیادہ غالب ہوگئی تھی۔

تعلیم:

آپ کا خانوادہ چونکہ بڑا اہلِ علم تھا گھر میں بھی علمی و روحانی ماحول تھا ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والدِ محترم سے حاصل کی، ناظرہ قرآن دینی مسائل اپنے والد محترم سے ہی سیکھے آپ کی تعلیم میں علم ظاہری اور علمِ سلوک دونوں تھے اس کے علاوہ آپ کو علم لدنی بھی حاصل تھا۔

جوانی:

آپ کا عہد شباب ذکر وفکر مراقبہ اور غور وفکر سے بھرپور تھا آپ دور دراز علاقوں کا دورہ فرماتے مخلوقِ خدا کو تبلیغ فرماتے گمراہوں کو راہِ حق پر گامزن کرتے شب و روز مخلوق کی اصلاح میں بسر کرتے۔

سلوک:

آپ کی عبادت و ریاضت جاری رہی شب و روز یادِ خدا میں گزرتے اہل اللہ کے ساتھ آپ کو والہانہ محبت تھی اور اپنے مولیٰ کریم اور نبی ﷺ سے والہانہ عشق تھا اسی عشق و مستی میں شب و روز بسر ہوتے آپ سماع بھی سنا کرتے تھے آپ پر جذب و وجدانی کیفیت بھی طاری ہوتی تھی اور شراب طہور کے جام مخلوق کو بھی پلاتے تھے اس لئے شب و روز مخلوق کا ہجوم رہتا لوگ رات دن آپ کے آستانہ پر قیام کرتے اور اسی روحانی ماحول سے بہرور ہوتے۔

خرقہ خلافت و سجادہ نشینی:

آپ جوانی کے عالم میں راتوں کو زندہ کرتے جب آپ نے سلوک میں بلند مقام حاصل کیا تو آپ کے والدِ محترم حضرت سید میر حسن گیلانی قادری سجادہ نشین آستانہ عالیہ بدھال شریف نے آپ کو خرقہ خلافت عطا کیا اور سجادہ نشینی کے لئے آپ کو نامزد فرمایا اور فرمایا شمس الدین میں تمہیں ظاہری مال و دولت میں حصہ نہیں دونگا البتہ باطنی خزانہ تیرے سپرد کرتا ہوں، بزرگانِ قادریہ گیلانیہ سے جو نعمت عظمیٰ مجھے ملی ہے وہ تحفہ تمہیں دیتا ہوں۔(۵)

خدمت خلق:

آپ لوگوں کو تبلیغ کی خاطر پونچھ کے دیہات اور قصبات کے علاوہ کشمیر بھر میں تشریف لے جاتے آپ کا لنگر ہر وقت جاری رہتا جہاں سے کئی سفید پوش استفادہ کرتے اس کے علاوہ اللہ کریم کی بارگاہ سے آپ کو یہ فیض حاصل تھا کہ کسی قسم کا بیمار آتا شفا پاتا دور دراز سے ایسے افراد جو ڈاکٹروں اور حکیموں سے لاعلاج ہو کر آتے تو آپ کے پاس آتے تو انہیں شفا مل جاتی مریض سسکتے آہیں بھرتے آپ کے پاس آتے بسا اوقات آپ ان کو لاٹھی سے مارتے تو شفایات ہو جاتے عجیب کیفیت تھی کہ مریض اٹھا کر لائے جاتے اور آپ کی بارگاہ سے چل کر واپس جاتے جزام والے اپاج و نابینا آتے تو شفایاب ہو کر واپس لوٹتے۔

خصائل استغنا اور غیرت ایمانی:

بارہا آپ کے پاس ہندو اور سکھ بھی آتے آپ ان کو لنگر سے کھانا کھلاتے اور ان سے کچھ نذرانہ نہ وصول فرماتے۔ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آپ کی بارگاہ میں راجہ ڈوگرہ پونچھ اور راجہ جگد یو سنگھ حاضر ہوئے اور انہوں نے بطور نذرانہ پانچ صد روپے پیش کئے جس کو قبول کرنے سے آپ نے انکار کر دیا بار بار کے اصرار کے بعد ایک مرید کو کہا کہ اس میں سے گیارہ روپے اٹھالے اور خود اس رقم کو ہاتھ تک نہ لگایا۔

حضور ﷺ کی سنت کا احترام:

آپ اپنی مجالس میں سنت نبوی ﷺ کی سختی سے پابندی کرواتے اگر کسی شخص کا کھانا پینا، بیٹھنا اٹھنا سنتِ رسول ﷺ کے خلاف ہوتا تو آپ سختی سے اس کو منع فرماتے اور اسکو سنت طریقہ بتاتے اگر کوئی شخص قہقہہ لگا کر ہنستا تو اسکو منع فرماتے کہ میرے پیارے رسول ﷺ کی سنت تو صرف تبسم فرمانا ہے۔

آپکا ظاہری حلیہ سنت رسول ﷺ کے عین مطابق تھا سنت کے مطابق داڑھی مبارک تھی لباس، خوراک، کردار، اطوار، نشست و برخاست میں سنت نبوی ﷺ کا خاص اہتمام فرماتے تھے۔

ذوقِ عبادت:

جب لوگ جاتے تو آپ باہر چلے جاتے کسی چشمے پر چلے جاتے یا جنگل کا رُخ کرتے یا مزارات پر چلے جاتے اور یادِ الٰہی میں مصروف ہو جاتے رات بھر عبادت کے بعد سحری کے وقت اپنے بستر پر تشریف لاتے عبادت کا یہی معمول آپ کی پوری زندگی میں جاری وساری رہا۔

خوراک:

آپ بہت کم کھانا تناول فرماتے تھوڑا سا کھانا تناول فرماتے اور رات بھر عبادت میں بسر کرتے۔

سود، ظلم و ناانصافی کے خلاف تحریک:

آپ کا دور دورِ غلامی تھا ڈوگرہ خطہ کشمیر کو اپنی زر خرید جائیداد سمجھ کر ظلم و ستم کی انتہا کر رہا تھا ادھر ہندو سود کے ذریعہ نادار مسلمانوں کا خون چوس رہا تھا۔ آپ نے یہ کیفیت دیکھ کر اپنے مریدین سے مشورہ کر کے تحریک کا آغاز کیا آپ نے جا بجا جلسے کئے اور مسلمانوں کو سودی جال سے باخبر کیا آپ نے ایسی زوردار تحریک چلائی کہ کھشتری مجبور ہو گئے انہوں نے خفیہ طریقے سے آپ کو بڑی رقم کی پیش کش کی جس کو آپ نے ٹھکرا دیا آپ نے بڑے مبلغین جن میں حضرت پیر سید صادق حسین شاہ گردیزی آف باغ مولوی محمد عباس خان قادری اور دیگر مبلغین سے ہر علاقے میں تقاریر و وعظ سے ہندو بنیے کا پول کھول دیا آپ کی اس تحریک سے مسلمانوں میں جذبہ جہاد پیدا ہو گیا اور وہ ملت واحدہ کی شکل اختیار کر گئے آپ نے اس تحریک میں وہ روح پھونکی کے ڈوگرہ لرزہ براندام ہو گئے۔ آپ کی اس تحریک نے اتنا زور پکڑا کہ چوہدری غلام عباس نے بھی آپ کو خط لکھ کر آپ کے کردار کی تعریف کی آپ نے واضح الفاظ میں فرمایا یاد رکھو ہندو اور مسلمان اکھٹے نہیں رہ سکتے آپ دو قومی نظریہ کے داعی تھے۔

قبل از وفات قلت طعام:

جوں جوں وفات کا وقت قریب آیا آپ نے کھانا پینا چھوڑ دیا تین ماہ تک آپ نے کھانا نہیں کھایا بلکہ کبھی کبھار چائے یا قہوہ نوش فرما لیتے۔

وصال:

آپ نے اپنے مریدین اور اولاد کو وصیتیں کیں بالآخر 22 ربیع الثانی 1364ھ بمطابق 27 چیت موافق 1944ء بروز سوموار آپ نے وصال فرمایا اور اپنے والد ماجد کے روضہ کے قریب آسودہ خاک ہوئے۔

سجادہ نشینی:

حضرت پیر شمس الدین بدھالوی کے پانچ صاحبزادے تھے:

سید حسام الدین شاہ۔ سید عزیز الدین شاہ۔ سید عدل الدین شاہ۔

سید نور حسین شاہ۔ سید حسین شاہ۔

سجادہ نشینی کے لئے بالاتفاق حضرت پیر سید عزیز الدین شاہ قادری کا انتخاب فرمایا۔(۶)

حضرت سید پیر عزیز الدین گیلانی

ولادت:

آپ کی ولادت 1980 بکرمی اندازاً 1924ء میں ہوئی۔

ابتدائی تعلیم:

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی اس کے علاوہ بمقام پلنگی (جو کہ بدھال شریف سے تقریباً دو میل کے فاصلہ پر ہے۔) میں حضرت میاں مقدم سواریا سے حاصل کی جو اپنے زمانے کے اولیاء اللہ میں سے تھے قرآن پاک، مسائل دینیہ کچھ کتب بھی پڑھی آپ بڑے خوش الحان تھے کسی شاعر کا کلام آپ کو یاد تھا اسے بڑے سوز و گداز سے پڑھتے ایک دفعہ دوران محفل حضرت پیر شمس الدین قادری کے سامنے دو اشعار اس سوز و گداز سے پڑھے کہ آپ کے والد محترم اشکبار ہو گئے اور اسی وجد کی کیفیت میں فرمایا بیٹا اللہ تجھے علم لدنی عطا فرمائے بس اسی دعا کا اثر تھا کہ علم کے دروازے آپ پر کھل گئے۔

فنِ خطابت:

حضرت پیر عزیز الدین گیلانی بڑے با اثر خطیب تھے آپ مجمع پر چھا جاتے آپ دینی خطبات اس انداز سے فرماتے کہ پتھر دل پگھل جاتے مجمع آپ کا گرویدہ ہو جاتا لوگ دور دور سے آپ کا وعظ سننے آتے یہ علم لدنی کا اثر تھا بڑے بڑے فاضل علماء بھی دوران خطاب یحوط ہو جاتے۔

ہندوؤں کے سودی کاروبار کے خلاف تحریک:

اصلاً یہ تحریک 1943ء میں آپ کے والد محترم حضرت شمس الدین بدھالوی نے شروع کی تھی اور 1944ء میں ان کا وصال ہو گیا اور آپ نے اس تحریک میں جان ڈالی آپ نے اپنے ساتھ حضرت پیر صادق حسین شاہ عادل سوہادہ شریف باغ اور اپنے برادران حضرت عدل دین شاہ اور پیر نور حسین شاہ بدھالوی کو بھی شریک کیا ان سب حضرات نے آپ کو سالارِ تحریک نامزد کیا آپ دور دراز علاقوں کے دورے کر کے ہندو بنیے کو بے نقاب کرتے رہے۔

تربیت آلات جنگ:

آپ دوقومی نظریہ کے علمبردار تھے پورے ہندوستان میں مسلمان قائداعظمؒ کی قیادت میں متحد ہو چکے تھے آپ نے اس نزاکت کو بھانپتے ہوئے ہندوؤں کے خلاف جنگی تیاری شروع کی آپ نے اپنے خاندان کو وعظ کرتے ہوئے کہا کہ ہم حضرت امام حسینؓ کے وارث ہیں۔ حضورﷺ کے ساتھ خونی رشتہ ہے حضرت علی شیرِ خدا کی اولاد ہیں اس لئے جنگی تیاری ضروری ہے آپ نے نامور جنگجو استاد عبدالرحمٰن صاحب کی خدمات حاصل کیں تاکہ ان سے جنگی ہتھیار چلانے اور جنگی حکمتِ عملی سیکھی جائے اس کا اثر یہ ہوا کہ آپ کے خاندان کے افراد نے جنگ کی ٹریننگ لی۔

تحریکِ آزادی 1947ء میں آپ کا کردار:

1947ء میں جب مسلمانوں کا قتل عام لوٹ کھسوٹ کا سلسلہ شروع ہوا تو آپ نے فوراً اپنے بھائیوں کو مختلف محاذوں پر روانہ کیا اپنے چھوٹے بھائی حضرت پیر عدل الدین کو اُوڑی کے مسلمانوں کی خبر گیری کے لئے روانہ کیا اور ان کے چچازاد سید لعل شاہ کو بھی روانہ کیا یہ ہردو حضرات جب اُوڑی پہنچے تو بازار جل چکا تھا وہاں کے مسلمان مجاہدین کو اکٹھا کیا اور ناملہ پل جو کہ ہندوؤں نے توڑ دیا تھا رات کے عالم میں تیار کرایا اور مجاہدینِ اسلام کو اس پل سے گزارہ اس کے فوراً بعد آپ جبڑہ ڈھوک پہنچے ہندوؤں نے سوچا کہ آپ کے ساتھ پٹھان مجاہدین ہیں وہاں کے سارے ہندو بھاگ گئے اس کے بعد آپ نے حضرت پیر عدل الدین شاہ صاحب کو باغ کے محاذ کی طرف روانہ کر دیا چونکہ آپ خود آستانہ عالیہ پر موجود تھے اور آنے والے مہاجرین کے انتظام وانصرام میں مصروف تھے۔

جب حضرت پیر عدل ادلین شاہ باغ پہنچے تو بازار جل چکا تھا وہاں آپ کے دستے کی ملاقات سردار عبدالقیوم خان (سابق صدر، وزیرِ اعظم) آزاد کشمیر سے ہوئی انہوں نے فسٹ بٹالین میں آپ کو اور آپ

کے ساتھیوں کو بھیجا جس کی کمان نور حسین خان کے پاس تھی آپ نے ان کے ساتھ مل کر فرسٹ بٹالین کو منظم کیا براستہ تولی پیر چڑی کوٹ پہنچے اور مسلسل جہاد میں مصروف رہے حتیٰ کہ فائر بندی ہوگئی البتہ سٹریان تا بھیڈی کی فتح کا سہرا آپ کے سر ہے اس دوران پوری بٹالین کے خورد و نوش کا انتظام آستانہ عالیہ بدھال شریف کرتا رہا۔

مدرسہ تعلیم القرآن بدھال شریف:

حضرت پیر سید عزیز الدین شاہ نے بدھال شریف میں باقاعدہ مدرسہ تعلیم القرآن کا آغاز کیا جہاں تدریس کا کام جاری ہے اور عوام الناس علمِ دین سے سیراب ہو رہے ہیں۔

غرباء کی مدد:

تحریکِ آزادی کی کامیابی کے بعد یہاں حالات بڑے مشکل تھے غریب عوام کے لئے روزگار کے مواقع نہ تھے۔ آزاد کشمیر حکومت نومولود تھی ان حالات میں آپ نے غرباء کی بحالی اور مدد کے لئے تحریک کا آغاز کیا اور اس تحریک نے بڑی کامیابی حاصل کی آپ نے اس تحریک کی مدد سے بیشمار غرباء و مساکین کو امیروں کے ظلم و استبداد سے نجات دلائی اور ان کی بحالی کا اہتمام کیا۔

دینی اداروں کی امداد و اعانت:

آپ کی کوششوں سے مرکزی سنی حنفی دار العلوم عباس پور کو ترقی ملی آپ نے بغیر کسی لالچ کے مدد کی اور عوام الناس اور مریدین کی توجہ اس طرف دلائی کہ یہ دینی ادارے اسلام کے قلعے ہیں اور یہی جنت کے باغ ہیں آپ نے مفتی کشمیر مفتی محمد حسین صاحب کی بھرپور حمایت جاری رکھی الحمد اللہ آج آزاد کشمیر مین دینی اداروں کی صف میں اس ادارے کا نمایاں مقام ہے۔

دارالعلوم رضویہ کھوٹہ:

آپ نے اس ادارہ کے ساتھ بھی بڑھ چڑھ کر تعاون کیا اور اپنے مریدین سے تعاون کرایا جس کی بدولت یہ ادارہ بھی آزاد کشمیر کے اہم اداروں کی صف میں شامل ہے ان ہر دو اداروں سے بے شمار حفاظِ کرام قراء حضرات اور علماء کرام ملک اور بیرون ملک کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ جو دربارِ عالیہ بدھال شریف کے تعاون کا ثمر ہے۔

رفاعی کاموں میں حصہ:

حضرت پیر سید عزیز الدین شاہ اپنا اکثر و بیشتر وقت خدمتِ خلق اور رفاعی کاموں میں صرف کرتے تھے۔ آزاد کشمیر میں 1980ء میں نظام زکوٰۃ قائم ہوا تو اس نظام کو علماء و مشائخ کی سرپرستی کی ضرورت تھی حکومت آزاد کشمیر نے آپ کا انتخاب بطور ممبر زکوٰۃ کونسل کیا جسے آپ نے قبول فرمایا چونکہ ان ممبران کا کام دینی ادارہ جات کی زکوٰۃ سے معاونت اور دیگر مصارف زکوٰۃ تھا اس سلسلہ میں 1983ء میں زکوٰۃ کونسل کے اجلاس مظفر آباد میں شرکت فرمائی وہیں اچانک آپ کا وصال ہوا۔

وصال:

آپ کا وصال 14 دسمبر 1983ء کو مظفر آباد میں ہوا جہاں سے آپ کے جسدِ خاکی کو لایا گیا اور 15 دسمبر کو اپنے والدِ محترم حضرت پیر شمس الدین اور اپنے دادا محترم حضرت میر حسن کے پہلو میں آسودۂ خاک ہوئے آپ کا مزار مبارک مرجع خلائق ہے۔ (۷)

☆☆☆

حوالہ جات:

۱۔ انوار شمسیہ گیلانیہ قادری غلام عباس ناشر دربارِ عالیہ شریف بدھال شریف، سن طباعت 1986ء صفحہ 50,51,52

۲۔ ایضاً، صفحہ 55,56

۳۔ ایضاً، صفحہ 40۔

۴۔ تذکرۂ اولیاء کشمیر محمود آزاد سید، ناشر محکمہ اوقاف آزاد کشمیر، سن طباعت 1993ء، صفحہ 403-404۔

۵۔ انوارِ اولیاء مضمون نگار محمود آزاد سید، ناشر حکومت آزاد کشمیر سن طباعت اکتوبر 1983ء، صفحہ 37,38۔

۶۔ تذکرۂ اولیاء کشمیر، ایضاً، صفحہ 406۔

۷۔ انوارِ شمسیہ گیلانیہ، ایضاً، صفحہ 23,24,35

☆☆☆

(۴)۔ مظفر آباد ڈویژن

الحاج حضرت مولانا برکت اللہ جھاگوی ضلع نیلم:

ولادت:

آپ کی ولادت 1901ء میں حضرت مولانا محمد حبیب اللہؒ کے گھر ہوئی آپ کے والد محترم مستند عالم دین تھے اور عظیم صوفی تھے۔

تعلیم :

آپ کے والد محترم حضرت مولانا حبیب اللہؒ چونکہ بڑے پائے کے عالم دین تھے اور صوفی تھے اس لیئے آپ کے گھر کا ماحول دینی اور صوفیانہ تھا اس لیئے آپ میں شروع سے ہی علمی ذوق موجود تھا۔ آپ نے تعلیم کے لیئے دور دراز سفر کیئے آپ کے اساتذہ میں حضرت مفتی محمد اسرائیل اٹھمقام، حضرت علامہ حمید الدین مانسہرہ، زیادہ معروف ہیں آخری تکمیلی سند کنگر شریف کے مقام پر حضرت علامہ گل الرحمٰن عرف بادشاہ صاحب سے حاصل کی انہی ہی سے آپ نے بیعت بھی کی ہے۔

بزرگان دین کی بشارات:

ابھی آپ کی ولادت نہ ہوئی تھی کہ آپ کے والد محترم حضرت مولانا محمد حبیب اللہ سے جو اس دور کے مشہور معروف بزرگ میاں نظام الدین کیاں شریف نقشبندی قادری نے فرمایا تمہارے گھر میں وقت کا غوث ہوگا۔ دوسری دفعہ ملاقات میں فرمایا تمہاری پشت سے خوشبو آرہی ہے تیرے گھر ایک ایسا لعل پیدا ہوگا جس کے فیض ے دنیا معطر ہوگی وہ غوث زمان ہوگا مگر افسوس میں اس کو دیکھ نہ سکوں گا۔ ایک دفعہ آپ اپنے استاد محترم علامہ حمید الدین مانسہرہ کے ہمراہ تھے اور حضرت خواجہ عبد الرحمٰن چھوہروی سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے آپ کے کمالات اور ولایت کا ذکر فرماتے ہوئے کہا اس بچے کا خیال رکھنا۔ (۱)

حضرت الحاج برکت اللہ جھاگوی کا سلسلہ

طریقت:

مقالہ نگار نے بذات خود انکے صاحبزادہ علامہ مولانا حمید الدین برکاتی سے آپ کے سلسلہ کے

بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ آپ کی پہلی بیعت حضرت قبلہ گل رحمٰن عرف بادشاہ صاحب کنگر شریف سے ہوئی اور وہ چاروں سلسلوں میں مرید کرتے تھے قادری، نقشبندی، چشتی، سہروردی۔ اس کے علاوہ آپ کی بیعت حضرت عائشہ عبدالشکور دکن آبادی سے ہوئی۔ (۲)

حج بیت اللہ:

آپ تین مرتبہ حج بیعت اللہ کے لیئے تشریف لے گئے پہلا حج 1951ء دوسرا حج 1954ء میں اور تیسرا اور آخری حج 1958ء میں کیا۔ خود بیان فرماتے ہیں کہ آخری حج میں اس ارادے سے گیا تھا کہ مدینہ شریف کو ہی اپنا مستقل مسکن بناؤں گا لیکن دوران قیام حضور ﷺ نے خواب میں زیارت سے فیض یاب کرتے ہوئے حکم فرمایا واپس جاؤ اور لوگوں کو مرید کرو مخلوق میں فیض تقسیم کرو میں نے اس حکم پر سر تسلیم خم کیا اور واپس چلا آیا حضور ﷺ کے اسی ارشاد کی برکت تھی جب مسجد نبوی سے باہر نکلا تو لوگ قطار بنائے کھڑے تھے مرید ہونا ہے اور تعمیل حکم نبوی ﷺ میں ان کو مرید کیا۔

شمالی علاقہ جات کا دورہ:

حضرت پیر برکت اللہ جھاگوی نے شمالی علاقہ جات کے باقاعدہ کئی دورے کئے آپ گلگت بلتستان چیلاس، استور، بونجی، گوہر آباد تک تشریف لے جاتے تھے آپ نے جب لوگوں کی کیفیت دیکھی تو اپنے مرید اور خلیفہ مولانا صدیق فارغ التحصیل علماء دیوبند کو مبلغ بنا کر بھیجا وہاں سے انکی شادی بھی ہوئی اور وہاں ہی آپ کے حکم کے مطابق رہے اور وہاں ہی وصال فرمایا۔ (۳)

علمی خدمات:

آپ کے بارے میں یہ بات زبان زد خاص و عام ہے کہ آپ نے اپنی حیات مبارک میں

101 مساجد تعمیر کروائی اپنے علاقے میں با قاعدہ شرعی عدالت کا قیام کیا ہر مسجد کے ملحق ناظرہ قرآن اور حفظ قرآن کے مدارس تعمیر کروائے اور اس کے علاوہ سالک آباد وادی نیلم میں ایک بری درس گاہ کی بنیاد رکھی جہاں اجل علماء اور ماہرین فن / مفتیاں عظام کا تقرر کیا ذیل میں آپ کی علمی خدمات کے حوالے سے درج کیا جاتا ہے۔ (۴)

شرعی عدالتوں کا قیام:

یہ وہ وقت تھا کہ ہر طرف کشمیر میں ڈوگرہ حکمران تھے اور اکثر جج ہندو تھے چونکہ ضرورت یہ تھی کہ جو مسلمان ہے اس کے تمام فیصلے قرآن وسنت کی روشنی میں ہونے چاہیں ان میں جائیداد کی تقسیم ہے نکاح اور طلاق کے مسائل ہیں ان تمام حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت پیر مولانا برکت اللہ جھاگویؒ نے اپنے علاقے میں شرعی عدالتوں کا قیام عمل میں لایا سرکار جھاگوی چونکہ خود بڑے اعلیٰ پائے کے عالم دین تھے قرآن وحدیث وفقہ پر مکمل دسترس رکھتے تھے اس لیئے ان عدالتوں میں چیف جسٹس کے فرائض خود سرانجام دیتے تھے۔ آپ کے وصال کے بعد یہ سلسلہ جاری رہا اگر چہ آزاد کشمیر حکومت کے قیام کے بعد مسلم عدالتیں قائم ہوئیں مگر ان میں وہی ہندی قانون مجریہ 1935ء ہی نافذ رہا اگر چہ بعض قوانین میں ترامیم بھی ہوئیں مگر اسلامی قوانین کو سپریم لاء کا درجہ نہ مل سکا دوسری وجہ یہ ہے کہ عدالتوں کے اخراجات وکلاء کی فیسیں اور سفارش اور رشوت جیسے معاملات کے پیش نظر ان عدالتوں کی ضرورت تھی چنانچہ آج آپ کے وصال کو تقریباً 41 برس گزر چکے ہیں مگر یہ عدالتیں اسی طرح قائم ہیں جن میں کوئی فیس نہیں بلکہ فریقین سے سماعت کر کے جہاں گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے گواہ پیش کیئے جاتے ہیں اور آپ کی درگاہ کے سجادہ نشین قاضی القضاۃ کے فرائض انجام دیتے ہیں۔

حضور ﷺ نے مدینہ شریف میں مسجد نبوی میں بیٹھ کر قضاہ کا کام شروع کیا تھا سرکار جھاگوی نے

اسیسنت کو زندہ کیا ہے اور آج تک زندہ ہے اور اس کے علاقہ بھر میں بڑے مثبت اثرات مرتب ہوئے ہیں غریب اور بے سہارا افراد کو سستا انصاف مہیا ہوا ہے۔ (۵)

علمی خدمات:

حضرت برکت اللہ جھاگوی کی وادی نیلم میں ہمہ گیر تحریک احیاء تصوف و اشاعت علم کا سلسلہ شروع کیا۔

جامعہ غوثیہ برکاتیہ گوہر آباد سالک آباد شریف وادی نیلم:

اس عظیم درسگاہ کا قیام تقریباً 50 برس قبل حضرت مولانا برکت اللہ جھاگوی نے اپنے دست اقدس سے کیا۔ یہ وادی نیلم کی پہلی دینی درسگاہ تھی اس میں اپنے وقت کے ممتاز اور جید علماء کرام تدریسی خدمات سرانجام دیتے رہے ہیں ان کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت مولانا مفتی عین اللہ ساکن چیلاس گلگت شمالی علاقہ جات۔

۲۔ حضرت مولانا فیروز دین نگدر۔

۳۔ حضرت مولانا لعل دین نگدر۔

۴۔ مولانا حاجی غلام نبی سالخلہ۔

۵۔ حضرت مولانا غلام نبی چیلاس گلگت شمالی علاقہ جات۔

۶۔ حضرت مولانا عبدالعزیز دودھنیال۔

۷۔ حافظ وقاری شیخ نصیر الدین انڈیا۔

۸۔ حضرت مولانا عزیز الرحمٰن کھوڑی۔

جامعہ غوثیہ میں قائم شعبہ جات:

۱۔ ناظرہ قرآن پاک۔

۲۔ تجوید القرآن الکریم۔

۳۔ شعبہ حفظ القرآن۔

۴۔ شعبہ کتب درس نظامی۔

اس ادارہ سے سینکڑوں لوگوں نے ناظرہ قرآن پاک، تجوید، حفظ القرآن شعبہ کتب میں درس نظامی مکمل کیا۔ یہ آپ ہی کی کرامت ہے کہ یہ ادارہ نصف صدی سے بھی زیادہ عرصہ گزرنے کے باوجود اس کی آب وتاب میں مزید اضافہ ہورہا ہے اس وقت آپ کے سجادہ نشین حضرت الحاج میاں محمد اسحاق برکاتی اس کی سرپرستی کررہے ہیں اور اس وقت بھی صاحب علم وفضل اصحاب یہاں تدریس فرمارہے ہیں جن میں حضرت مولانا حافظ ولی محمد، حضرت مولانا حبیب اللہ، حضرت مولانا حافظ لعل حسین، حضرت مولانا صاحبزادہ میاں عبدالحمید صاحب، حضرت مولانا صاحبزادہ میاں عبدالجلیل صاحب وغیرہ تدریس کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں اس وقت اقامتی طلباء کی تعداد تقریباً 150 ہے جو کہ مندرجہ بالا شعبہ جات میں زیر تعلیم ہیں۔

دوسری بڑی خوبی یہ ہے کہ اس ادارہ کے قریب ہی حضرت غوث زمان حضرت مولانا برکت اللہ جھاگوی کا مزار بھی ہے اور دربار شریف بھی اسی کے ملحق ہے اور آپ کی قائم کردہ شرعی عدالت بھی یہاں ہی ہے یہاں ایک بہت بڑی مرکزی جامع مسجد بھی ہے اس اعتبار سے یہ جگہ مرکز ہے۔

مرکز انوار مصطفی دواریاں بالا:

یہ ادارہ مرکزی ادارہ جامعہ غوثیہ برکاتیہ گوہرآباد سالک آباد کی شاخ ہے جسکی بنیاد سجادہ نشین سرکار

جھاگوی حضرت پیر طریقت، رہبر شریعت الحاج مولانا محمد اسحاق نے رکھی تھی اوران کی سر پرستی میں مصروف کار رہے یہاں صاحبزادہ میاں محمد فاروق مہتمم کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں یہ ادارہ شروع میں بازار کے قریب تعمیر ہوا تھا تعداد میں اضافہ ہوگیا اور جگہ ناکافی تھی اس لیئے دریائے نیلم کے قریب نئی عمارت تعمیر کی گئی جس میں ادارہ منتقل ہوگیا یہاں اقامتی ادارہ ہے جس میں حفظ القرآن، تجوید القرآن، ناظرہ قرآن کے علاوہ شعبہ کتب کی تعلیم دی جاتی ہے۔

دارالعلوم اسلامیہ غوثیہ قدیریہ دواریاں زیریں:

اس ادارہ کی سرپرستی اور بانی حضرت پیر برکت اللہ جھاگوی کے فرزند صاحبزادہ میاں عبدالوحید ہیں یہ ادارہ گورنمنٹ ہائی سکول دواریاں کے قریب واقع ہے ادارہ کا انتظام و انصرام صاحبزادہ عطاء المصطفی برکتی چلا رہے ہیں یہاں تقریباً 100 کے قریب مقیم طلباء حفظ، ناظرہ، تجوید القرآن کی تعلیم سے بہرہ ور ہو رہے ہیں۔

دارالعلوحنفیہ تعلیم القرآن دواریاں سیری:

دارالعلوم حنفیہ تعلیم القرآن دواریاں سیری مشہور گاؤں سیری پائین میں قائم کیا گیا ہے اس دارالعلوم کے زیر اثر دو ادارے کام کر رہے ہیں۔

دارالعلوم حنفیہ تعلیم القرآن للبنان دواریاں سیری:

اس ادارے میں طلباء زیر تعلیم ہیں جو ناظرہ قرآن پاک، تجوید، حفظ، شعبہ کتب درس نظامی کی تعلیم

سے بہرہ ور ہو رہے ہیں یہاں اقامتی طلباء بھی ہیں اور غیر اقامتی بھی ہیں یہاں سے بہت سارے حفاظ قرآن، علماء کرام اور قراء عظام فراغت پا چکے ہیں جو ملک کے طول و عرض میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔

دارالعلوم حنفیہ تعلیم القرآن للبنات دواریاں سیری:

صدائے کاروان مصطفیٰ ماہی مجلہ میں سمیع اللہ عزیز رقمطراز ہیں کہ وادی نیلم میں یہ طالبات کا پہلا ادارہ ہے اس سے قبل طلباء کے ادارہ جات تو موجود ہیں طالبات کا ادارہ نہیں تھا اس کا سہرا حضرت پیر برکت اللہ جھاگوی کے شاگرد خاص اور مرید حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب فاضل دارالعلوم حزب الاحناف لاہور کے سر ہے جو اس ادارہ کے بانی اور مہتمم ہیں۔ جن کی کاوشوں سے یہاں یہ ادارہ چل رہا ہے یہ علاقہ بہت پسماندہ ہے کراچی اور لاہور، اسلام آباد کی نسبت یہاں کوئی ادارہ بنانا بڑا مشکل کام ہے کیونکہ عوام انتہائی غریب ہیں اس دینی ادارہ کی امداد کا کوئی ذریعہ نہیں یہ ادارہ اقامتی ہے جہاں طلباء و طالبات زیر تعلیم ہیں۔ محکمہ زکوٰۃ آزاد کشمیر کے لئے کام کر رہا ہے۔

جامعہ اسلامیہ برکاتیہ مظفر آباد:

اشاعت اسلام میں اس ادارہ کا بڑا کردار ہے یہاں سے سینکڑوں حفاظ کرام، قراء حضرات، علماء کرام تحصیل علم کے بعد مختلف شعبہ ہائے زندگی میں نمایاں خدمات سرانجام دے رہے ہیں اس ادارہ کے مہتمم اور بانی مولانا صاحبزادہ پیر حمید الدین برکتی حضرت غوث الزمان مولانا پیر برکت اللہ جھاگوی کے فرزند ارجمند ہیں صاحبزادہ صاحب ایک بلند پایہ خطیب اور اعلیٰ درجے کے منتظم اور مستند عالم دین ہیں اور

برکاتیہ ٹرسٹ پاکستان وآزاد کشمیر کے ناظم اعلیٰ ہیں۔اس ادارہ میں مندرجہ ذیل شعبہ جات ہیں ناظرہ قرآن پاک ،حفظ قرآن ،تجوید،شعبہ کتب درس نظامی ادارہ کی عمارت تقریباً ۲۵ کمرہ جات پر مشتمل ہے اور تقریباً 150 طلباء اقامتی ہیں اس ادارہ کی مندرجہ ذیل برانچز زیر کار ہیں۔

جامعہ اسلامیہ برکاتیہ ٹامی مظفر آباد:

یہ ادارہ خوبصورت ذاتی بلڈنگ میں واقع ہے اس میں تقریباً 75 طلباء زیر تعلیم ہیں ساتھ جامع مسجد بھی ہے یہ علوم اسلامی کی بہترین درسگاہ ہے۔

دارالعلوم غوثیہ برکاتیہ چھل پانی مظفر آباد:

یہ ایک نیا ادارہ تعمیر کیا گیا ہے۔جس میں اس وقت تقریباً 75 طلباء زیر تعلیم ہیں اس کے قریب ایک خوبصورت مسجد بھی تعمیر کی گئی ہے یہاں شعبہ حفظ قرآن قائم ہے۔

دارالعلوم خدیجۃ الکبریٰ الزیتونیہ ٹامی مظفر آباد:

یہ طالبات کا ادارہ ہے اسکی خوبصورت ذاتی بلڈنگ ہے اور اس میں تقریباً 50 طالبات درس نظامی کی تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔

دارالعلوم انوار حبیب لوات تحصیل شاردہ ضلع نیلم:

یہاں ایک خوبصورت مسجد ہے اور مسجد کے ملحق ادارہ ہے جہاں 50 سے زائد طلباء زیر تعلیم ہیں۔

دارالعلوم برکاتیہ اٹھنی مظفرآباد:

یہاں ایک خوبصورت مسجد تعمیر ہو چکی ہے مدرسہ تعمیری مراحل میں ہے یہاں تقریباً 100 طلباء کی گنجائش ہے۔

دارالعلوم کیل مظفرآباد ضلع نیلم:

یہاں مسجد تعمیر ہو چکی ہے مدرسہ زیر تعمیر ہے اندازاً اس میں 100 طلباء کی گنجائش موجود ہے۔

دارالعلوم برار کوٹ:

یہاں بھی مسجد تعمیر ہو چکی ہے اور مدرسہ زیر تعمیر ہے جس میں تقریباً 200 طلباء کی گنجائش موجود ہے۔(۶)

المختصر:

یہ کہ حضرت برکت اللہ جھاگوی کی جلائی ہوئی شمع علم روز بروز روشن سے روشن تر ہوتی جارہی ہے اس میں روز بروز ترقی ہوتی جارہی ہے۔ حضرت برکت اللہ جھاگوی نے وادی نیلم سے علم دین کا کام شروع کیا اور ضلع نیلم، ضلع ہٹیاں، ضلع مظفرآباد میں آپ کی روشن کی ہوئی علمی تحریک جاری وساری ہے جس سے سینکڑوں علماء کرام، حفاظ، قراء حضرات فراغت پا کر ملک کے طول وعرض میں دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں اس کے علاوہ بے شمار خواتین عالمات اور حافظات اور قاریات بھی تکمیل علم کے بعد مصروف کار ہیں۔

کتابیات:

۱۔ تذکرہ اولیاء کشمیر، سید محمود آزاد۔ص ۱۷۰

۲۔ انٹرویو صاحبزادہ حمید الدین برکتی مہتمم جامعہ اسلامیہ برکاتیہ مظفر آباد۔ 25.10.08

۳۔ مجلّہ کاروان مصطفیٰ ﷺ مظفر آباد۔ص ۲۸

۴۔ انٹرویو میاں محمد شفیع صاحبزادہ 25.10.08

۵۔ انٹرویو، ایضاً 25.10.08

۶۔ انٹرویو صاحبزادہ معین الدین۔ 25.10.08

☆☆☆

(۵)۔ گلگت ڈویژن

حضرت نجم الدین اخوندزادہ المعروف ھڈے ملا صاحب کی دینی و علمی خدمات:

حضرت اخوند عبد الغفور کے خلفاء میں جس بزرگ نے غیر معمولی شہرت و عظمت حاصل کی وہ ھڈے ملا صاحب ہیں وہ صاحب باطن بھی تھے اور صاحب سیف بھی انہوں نے جہاں اپنے فیوض روحانی سے مغربی پاکستان کے سابق صوبہ سرحد اور اس کے شمالی علاقہ جات کو منور و درخشاں بنایا وہاں انہوں نے انگریزوں کے استبداد ملحقہ کے خلاف بھی آواز اٹھائی اور اپنی عمر کا بڑا حصہ جہاد بالسیف میں گزارہ ہے آپ کا اصلی وطن افغانستان تھا۔

تعلیم :

ملاہڈہ نے ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ شیلگر، پھر سید لھوگرا اور غزنی میں حاصل کی پھر حصول علم کے لیئے کابل تشریف لائے اور وہاں محلّہ تندور سازاں میں مقیم رہ کر جو اس وقت اہل علم اور صاحبان کمال کا مرکز تھا وہاں کے مختلف علماء سے تعلیم حاصل کی۔

ہڈ کی وجہ تسمیہ:

ہڈ ایک علاقے کا نام ہے افغانستان کے مشہور شہر جلال آباد کے قریب واقع ہے آپ ہجرت کر کے یہاں مقیم ہوئے اور اس موضع کی نسبت سے ہڈے ملا کہلائے سچی بات تو یہ ہے کہ افغانستان کی سرزمین سے بہت سے صاحب علم وفضل اور صوفیاء پاکستان کے علاقوں کی طرف ہجرت کر کے آئے جن میں مولانا نیک سید مصطفیٰ، محمد ترمذی، شیخ فقیر اللہ جلال آباد(۱)، شیخ محمد نعیم، اور شیخ سید شاہ محمد غوث قادری لاہور خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حوالہ:

حضرت شیخ فقیر اللہ علوی ایک عظیم مصنف اور اہل علم ہستی ہو کر گزرے ہیں انکی جلالت علمی کا اندازہ انکی بیش بہا ذخیرہ کتب سے ہوتا ہے جن کی تعداد سترہ اور عربی زبان کی بڑی ہی مستند کتب شمار کی جاتی ہیں اس کے علاوہ حضرت فقیر اللہ کو شعر وسخن سے بھی دلچسپی تھی عربی، فارسی اور پشتو زبان میں اشعار کہتے تھے۔

ماخوذ یوسف زئی پٹھان، ۴۲۸، ۱۴۹۸ء، اسی طرح حضرت ہڈے ملا صاحب بھی ہڈے سے روانہ ہو کر سوات ،شمالی علاقہ جات کے مشہور شہر سیدوشریف میں تشریف لائے۔

بیعت:

حضرت بڑے ملا صاحب کے علاوہ حضرت اخوندزادہ عبدالغفور قادری سے آپ نے بیعت کی حضرت مولانا شیخ اخوندزادہ معروف بہ سٹھی صاحب زادہ مولانا مسعود صاحب ساکن موضع مالاکنڈ ایجنسی ،حضرت مولانا سعید صاحب ساکن کربوغہ ،حضرت مولانا عبدالوہاب مانکی شریف ،حضرت حاجی ابراہیم موضع بیدمنئی (مہمند پاکستان) لیکن ان میں جو شہرت بڑے ملا صاحب کو ہوئی وہ کسی دوسرے کو نصیب میں نہ آئی۔

جہاد بالسیف:

اس شہرت کی خاص وجہ یہ تھی کہ آپ کی زندگی کا ایک بڑا حصہ جہاد میں گزرا حضرت بڑے ملا صاحب اپنے مرشد کے وصال کے بعد ۱۸۷۷ء تک مختلف لڑائیوں میں پچیس سال تک جہاد کیا۔ جو انگریزوں کے ساتھ قبائلی اور شمالی علاقوں کے مسلمانوں نے کی ہیں آپ اعلیٰ پائے کے مجاہد اور غازیوں کے سپہ سالار تھے انگریزوں کو آپ نے زبردست شکست دی اس پوری جنگ میں آپ نے انگریزوں کو شدید پریشان رکھا۔

آپ کی دیگر خدمات:

آپ نے زندگی کے پچیس برس مسلسل جہاد میں ہی گزارے جہاد میں آپ مجاہدین کی روحانی اور دینی تربیت بھی کرتے رہے آپ کے اعلیٰ اخلاق سے مجاہدین بہت متاثر تھے اس کے علاوہ بھی آپ نے دور دراز علاقوں کے دورے کر کے دین اسلام کی خدمت سلسلہ قادریہ طریقہ پر جاری رکھی۔

وفات:

اس مرد مجاہد، مرد درویش، صاحب باطن بزرگ جس نے انگریزوں کے افسر اقتدار کو ہمیشہ پریشان رکھا ۱۳۱۹ھ 1902ء میں وفات پائی۔

آپ کے خلفاء:

آپ کے نامور خلفاء جنہوں نے افغانستان اور پاکستان دونوں ملکوں کو اپنے ارشاد و تلقین کا مرکز بنایا مولانا صاحب لگاؤ، حضرت صاحب تنجاک، صوفی علم گل شنواری، میاں صاحب موضی سرکاتڑی، حاجی صاحب ترنگ زئی، مولانا صاحب کلھتور اور بادشاہ صاحب سلدرمہمور مشہور ہیں۔(۱)

(۱) مولانا بڈے صاحب کے یہ تمام واقعات اولیاء کرام (پشتو) مطبوعہ ادارہ مطبوعات پاکستان کراچی سے ماخوذ ہیں۔ ترجمہ صوفیائے سرحد۔

حضرت مولانا محمد صدیقؒ استور گلگت:

تعلیم:

انہوں نے تعلیم دارالعوم دیو بند میں حاصل کی اور بعد میں آپ غوث زمان حضرت برکت اللہ جھاگوی سے متاثر ہوکر انکے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور اپنے پیرومرشد کے حکم سے استور میں جا کر آباد ہوئے اور پوری زندگی اس علاقہ میں خدمت دین کے لیئے وقف کر دی۔ حضرت برکت اللہ جھاگوی نے استور میں آپ کو خوبصورت مسجد بھی تعمیر کرا کر دی جس میں آپ مصروف تدریس رہے۔

شادی:

آپ نے مولانا صدیق صاحب کو شادی بھی استور سے ہی کروائی۔

وفات:

استور میں ہی آپ نے وفات پائی اور وہاں ہی آپ کی تدفین بھی ہوئی۔

حضرت مولانا عین اللہ چیلاس گوھر آباد گلگت:

حضرت مولانا عین اللہ چیلاس گوہر آباد کے رہنے والے تھے بڑے عالم دین تھے آپ کی ابتدائی زندگی اور تعلیم کے بارے میں کوئی درست روایت نہ مل سکی البتہ یہ بات طے ہے کہ آپ مستند عالم دین تھے اعلیٰ پائے کے خطیب تھے علوم ظاہری سے مالا مال تھے جب آپ کی ملاقات حضرت مولانا برکت اللہ جھاگوی سے ہوئی تو وہ آپ سے بہت متاثر ہوئے اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی حضرت قبلہ برکت اللہ جھاگوی نے ان کو سلوک کی منازل طے کروائی۔ اور پھر خلافت سے نوازا ان کا مزار پاک چیلاس گوہر آباد میں ہے۔

۱۔ انٹرویو حضرت پیر میاں محمد شفیع صاحبزادہ حضرت برکت اللہ جھاگوی

۲۔ ایضاً۔

ملاقات مقالہ نگار 25/10/08

کتابیات

۱۔	القرآن الکریم		
۲۔	المنجد	عیسوی، لویس مالوف	
۳۔	احیاء العلوم	غزالی محمد بن محمد، امام	بیروت مصر 1956ء
۴۔	آزادی کا خواب پریشاں	سردار مختار، خان ایڈوکیٹ	مسٹر بک ڈپو راولاکوٹ، آزاد کشمیر، 2007ء
۵۔	احوال العارفین	غلام فرید، حافظ	نذیر سنز پبلشرز لاہور، 1979ء
۶۔	انوار رحمانیہ فی الطریقۃ القادریہ الکنزانیہ	کنزانی، محمد السید	الوطنیہ بغداد، 1988ء
۷۔	اُولیاء کشمیر	پیرزاد، محمد طیب حسین	نذیر سنز پبلشرز اردو بازار لاہور، 2001ء
۸۔	اسلامیات بی۔اے پنجاب	اختیاری، غلام حسین	کتاب گھر اردو بازار، لاہور
۹۔	انوار شمسیہ گیلانیہ	قادری، غلام عباس، مولانا	دربارِ عالیہ بدھال آزاد کشمیر، 1988ء
۱۰۔	اُولیاء کشمیر غیر مطبوعہ	زاھد حسین نعیمی	
۱۱۔	الفتوحات الٰھیہ	شاہ ولی اللہ	مکتبہ شاہ ولی اللہ، دہلی، 1970ء
۱۲۔	البیہقی	امام البیہقی	اصح المطالع، دہلی، 1940ء
۱۳۔	بزرگان قادریہ	صدیقی، ناصر الدین، پروفیسر ڈاکٹر	اسلامک فاؤنڈیشن آف پاکستان کراچی سن طباعت ۱۹۹۹
۱۴	بیاض فیض	نقشبندی، مجددی، فیض عالم حاجی	نہر پبلشرز جہلم ۲۰۰۶ء

۱۵	بوستان قلندری	ملک محمد	چوہدری بک ڈپو، جہلم سن طباعت ۱۹۹۲ء
۱۶	بال جبریل	محمد اقبال، علامہ ڈاکٹر	پنجاب بک ڈپو لاہور ۱۹۹۹ء
۱۷	بخاری شریف	عبداللہ محمد بن اسماعیل امام البخاری	اصح المطابع مکی ۱۹۳۸ء
۱۸	بابا تاج الدین اولیاء	محمد فاروق سید، مولانا قلمی مضمون	۱۹۸۳ء
۱۹	پنج گنج کی دعوت فکر	مجاہد، طارق جہلمی	چوہدری برادران دینہ اور جہلم سن ۱۹۶۴ء
۲۰	تذکرہ خواجگان چشت اہل بہشت	صابری، صاحبزادہ مقصود احمد	نوری کتب خانہ لاہور ۱۲۶۱ھ
۲۱	تفسیر المظہری	پانی قاضی ثناءاللہ پانی پتی	حیدر آباد دکن، ۱۹۶۵ء
۲۲	تفسیر ضیاء القرآن	پیر محمد کرم شاہ الازہری، جسٹس	ضیاء القرآن پبلیشر لاہور، ۲۰۰۶
۲۳	تفسیر کبیر	رازی، امام فخر الدین	بیروت، ۱۴۱۵ھ
۲۴	تفسیر تبیان القرآن	سعیدی، مولانا غلام رسول	مکتبہ فریدیہ لاہور، ۲۰۰۵ء
۲۵	تفسیر معارف القرآن	مفتی محمد شفیع	مکتبہ تھانوی مولوی مسافر خانہ ایم اے جناح روڈ کراچی ۲۰۰۳ء
۲۶	تفسیر تفہیم القرآن	ابوالاعلیٰ مولانا محمد مودودی	المنصور پریس لاہور ۲۰۰۶ء
۲۷	تاریخ کشمیر	فوق محمد دین	لالہ زار پریس لاہور ۲۰۰۶ء
۲۸	تذکرہ صوفیاء کشمیر	بخاری، محمد یوسف، پروفیسر سید، ڈاکٹر	شعبہ کشمیریات اورنٹنل کالج پنجاب یونیورسٹی ۱۹۹۱ء
۲۹	تاریخ سندھنوتی	خان مسعود	ظہار سنز پروفیسر لاہور سن نداور
۳۰	تاریخ کشمیر	شبنم گل، عندلیب صابرہ	ندیم پرنٹر لاہور سن ۲۰۰۵ء

۳۱	تواریخ آئینہ تصوف	شاہ محمد حسن	مکتبہ صابریہ قصور، ۱۹۷۱ء
۳۲	تذکرہ مشائخ، قادریہ	کلیم، محمد دین، قادری	مکتبہ بنویہ لاہور ۱۹۷۵ء
۳۳	تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ	رضوی، عبدالمجتبیٰ، مولانا	کشمیر انٹرنیشنل پبلشرز لاہور ۱۹۸۹ء
۳۴	تذکرہ اولیاء کشمیر	آزاد، سید محمود	محکمہ اوقاف مظفر آباد آزاد کشمیر ۱۹۹۳ء
۳۵	تذکرہ غازی قلندر	مجاہد، طارق جہلمی	مجاہد اکیڈمی جہلم ۱۹۹۸ء
۳۶	تاریخ جدوجہد کشمیر	پریم ناز، بزاز	لالہ زار پریس میرپور آزاد کشمیر ۲۰۰۰ء
۳۷	ترمذی شریف	مکتبہ نور ابو عیسیٰ ترمذی	نور محمد کارخانہ تجارت، کتب کراچی ۱۹۹۷ء
۳۸	جموں کشمیر بک آف کالج	اسعد، محمد سعید	نیشنل انسٹیوٹ اسٹیڈیز میرپور اکتوبر ۲۰۰۴ء
۳۹	جوہر اقبال	طارق، عبدالرحمن	شیخ غلام حسین اینڈ سنز لاہور ۱۹۹۴
۴۰	جلوہ کشمیر	آفاقی، صابر، پروفیسر	زریر سنز پبلشرز لاہور ۲۰۰۱ء
۴۱	حقیقت تصوف	القادری، محمد طاہر، ڈاکٹر پروفیسر	منہاج القرآن پبلشرز لاہور ۱۹۹۷ء
۴۲	دستور حیات	حریری، غلام احمد	پوسیمار پبلشرز لاہور، ۲۰۰۶ء
۴۳	ریاض الصالحین	مترجم محمد صادق، مولانا	نعمان کتب خانہ، لاہور، ۱۹۷۷ء
۴۴	راج ترنگی	پنڈت کلہن	مکتبہ وہری ناگ، میرپور ۱۹۹۹ء
۴۵	روحی کشمیر	اویسی نجابت حسین، بابا	مجلس تحقیق فکر و فلسفہ کل پاکستان بزم فکر و نظر ۲۰۰۵ء
۴۶	سرالاسرار	جیلانی شیخ عبدالقادر	زاویہ پبلشرز دربار مارکیٹ محی الدین بلڈنگ لاہور، ۱۹۹۹ء

۴۷	سنن ابن ماجہ	امام ابن ماجہ	اسلامک اکادمی ناشران کتب اردو بازار لاہور ۱۹۹۲ء
۴۸	سنن نسائی	امام نسائی	میر محمد کتب خانہ مرکز علم و ادب آرام باغ کراچی نمبر ۱۱۹۹۸ء
۴۹	سیف الملوک	محمد بخش، میاں	ناشر چوہدری بک ڈپو دینہ روڈ جہلم ۱۹۹۰ء
۵۰	سائن سید میر بادشاہ	نعیمی، زاہد حسین، سید	جامع مسجد کنز الایمان شجاع آباد باغ ۲۰۰۳ء
۵۱	سالار عجم	ہمدانی عبدالرحمن سید، پروفیسر	مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور ۱۹۹۰ء
۵۲	شرح صحیح مسلم	سعیدی، غلام رسول، علامہ	فرید بک لاہور سن طباعت ۱۹۹۹ء
۵۳	شریعت و طریقت	تھانوی، اشرف علی، مولانا	دارالاشاعت اسلام لاہور اپریل ۱۹۸۱ء
۵۴	شمالی علاقہ جات کی آئینی حیثیت	ایڈوکیٹ، خان، اعجاز افضل، سرور	ادارہ معارف اسلامی لاہور
۵۵	شجرہ قادریہ رشیدیہ	شیخ احمد فاروقی القادری	کراچی پریس ۱۹۶۹ء
۵۶	عوارف المعارف ج ۱	سہروردی، شہاب الدین، عمر شیخ مصر	مکتبہ الوھبہ ۱۲۹۲ھ
۵۷	عہد فعلیہ	صفدر، صفدر حیات	ندیم یونس پرنٹر لاہور ۲۰۰۶ء
۵۸	عارف کھڑی	محمد سلطان، میاں	چوہدری برادران جی ٹی روڈ دینہ جہلم ۱۹۹۲ء
۵۹	علوم الاولیاء	حیدر شاہ، پیر، سید	آستانہ عالیہ پناگ شریف کوٹلی ۲۰۰۲ء
۶۰	عین الفقر	حیدر شاہ پیر، سید	آستانہ عالیہ پناگ شریف کوٹلی ۲۰۰۱ء

۶۱	عالم تصوف اور کشمیر	بخاری، محمد یوسف، ڈاکٹر، سید	کلیم یوسف فہیم یوسف ۱۵۴ میکلور روڈ لاہور ۲۰۰۱ء
۶۲	غنیۃ الطالبین	شیخ عبدالقادر، مترجم محمد صدیق ہزاروی مولانا	مطبوعہ ضیاء القرآن پبلشرز لاہور ۲۰۰۵ء
۶۳	فتح اللہ شلطاری قادری	نقشبندی، محمد سلیم الدین	ایم ایس اینڈ استباق پرنٹر لاہور ۱۹۹۵ء
۶۴	فتح اللہ شطاری قادری	مجددی، منیر حسین	جامع مسجد الفردوس گلہار کوٹلی آزاد کشمیر ۱۹۹۰ء
۶۵	قراقرم ھندوکش	منظور علی	اسلام آباد پریس ۱۹۸۵ء
۶۶	کشف المحجوب	علی، ہجوری، مترجم گوہر فضل الدین	ضیاء القرآن پبلشرز لاہور ۲۰۰۴ء
۶۷	کیمیائے سعادت	غزالی محمد بن محمد، امام مترجم ذوالفقار احمد	ضیاء القرآن پبلشرز لاہور ۲۰۰۶ء
۶۸	کشمیر کی جنگ آزادی	غازی ملت، محمد ابراہیم سرور	دھرتی پبلشرز ۴ راولاکوٹ ۲۰۰۷ء
۶۹	گلگت بلتستان کی تاریخی وآئینی حیثیت	اسعد، محمد سعید	انسٹی ٹیوٹ آف کشمیر آفیسرز میرپور مارچ ۲۰۰۴ء
۷۰	مقالات ضیاء الادمت	الازہری، پیر محمد کرم شاہ جسٹس	ضیاء القرآن پبلیشرز لاہور، ۲۰۰۲ء
۷۱	مقالات سعیدی	سعیدی، غلام رسول، مولانا	مکتبہ فریدیہ لاہور ۱۹۹۹ء
۷۲	مقالات کاظمی	کاظمی احمد سعید	مکتبہ کاظمیہ ملتان، ۱۹۹۹ء
۷۳	منہاج السوی من حدیث النبوی	القادری محمد طاہر پروفیسر، ڈاکٹر	منہاج القرآن، ۲۰۰۵ء
۷۴	مسند احمد	امام احمد	دارالحدیث قاھرہ، ۱۴۱۶ھ
۷۵	صحیح مسلم	امام مسلم بن الحجاج	احسان پبلشرز لاہور، ۱۹۷۶ء

۷۶	مؤطا امام مالک	مالک بن انس	احسان پبلشرز لاہور ۱۹۹۵ء
۷۷	مفردات	راغب اصفہانی، امام	بیروت مصر ۱۹۷۰ء
۷۸	متاع زندگی	غازی ملت، محمد ابراہیم سردار	دھرتی پبلشرز راولاکوٹ ۲۰۰۵ء
۷۹	مکمل تاریخ کشمیر	فوق محمد دین، منشی	لالہ زار پریس میرپور ۲۰۰۵ء
۸۰	صبا محمد	اطہر غلام حسین	کتب خانہ مینار لاہور ۱۹۹۰ء
۸۱	مشکوٰۃ	امام ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب مصری	سید محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی ۲۰۰۵ء
۸۲	نفحات الانس	حاجی عبدالرحمن مولانا	مکتبہ مطبوعہ لیسی ۱۸۵۸ء
۸۳	نہایہ	عمادالدین	المکتبہ ایران ۱۳۴۲ھ
۸۴	نیرنگ عشق (مثنوی)	محمد بخش، میاں	چوہدری بک ڈپو دہنہ روڈ جہلم ۱۹۹۸ء

☆☆☆

اختتامیہ

اس مقالہ "پاکستان کے شمالی علاقوں میں بیسویں صدی کے ممتاز بزرگانِ قادریہ کی دینی اور علمی خدمات" میں اس حقیقت کو ثابت کیا گیا ہے۔ تصوف کوئی نو وارد چیز نہیں، بلکہ یہ لفظ تاریخی اعتبار سے دورِ تابعین میں متعارف تھا اور بے تکلف استعمال کیا جاتا تھا۔ تاریخی اعتبار سے یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ لفظ تصوف فقہیہ، محدث، مفسر سے قدیم ہے۔ اگر ان الفاظ پر اعتراض نہیں تو تصوف پہ اعتراض لایعنی ہے۔

دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ تصوف کے مفہوم کے مترادفات کا قرآن میں جا بجا تذکرہ کیا گیا ہے۔ مثلاً متقین، صدیقین، صادقین، صادقات، قانتین، قانتات، خاشعین، موقنین، مخلصین، عابدین، ذاکرین، مقربین، مشاہدین، صابرین، محسنین وغیرہ وغیرہ۔

حقیقت یہ ہے کہ تصوف روحِ دین ہونے کے ناطے قرآنِ حکیم میں معناً جا بجا مذکور ہے، جبکہ علمی سطح پر دیگر اصطلاحات کی طرح روحانی نظام کے لئے تصوف کی اصطلاح بعد میں رائج ہوئی۔

عملی طور پر اصحابِ صفہ کی جماعت ہر لحظہ مسجد نبی ﷺ اور اس کے ملحقہ چبوترہ میں موجود رہتی تھی۔ صوفیہ نے خانقاہوں میں اسی عمل نبی ﷺ کا احیاء کئے رکھا۔

یہ حضور ﷺ کی امت کہ وہ عظیم لوگ ہیں جو صحابہ کرام اور تابعین عظام کی صحبتوں سے مکمل طور پر فیضیاب تھے اور انہوں نے اس مشن کا بیڑا اُٹھایا۔ کفرستانوں کا رُخ کیا۔ یہ لوگ لشکر و سپاہ کے بغیر کفرستانوں میں داخل ہو جاتے اور لاکھوں دلوں کو نورِ ایمان سے منور کرتے۔ زیرِ نظر مقالہ میں بزرگانِ قادریہ کا تذکرہ ہے۔ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ کی شخصیت پوری دنیا اور خصوصاً برِ صغیر اور

پاکستان کے شمالی علاقوں میں قادری علماء مشائخ کی دینی و عملی خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ' متوفی 561ھ نے خلفاء بنو عباس کا جو دور پایا وہ مسلمانوں کی اخلاقی پستی اور ظلم اور بربریت کا دور تھا۔ بغداد فتنوں اور مناظروں کا گڑھ تھا۔ دینِ اسلام اپنی حقیقی رعنائی کھو چکا تھا اور گمراہی کا سیلاب پھیل چکا تھا۔

ایسے زمانے میں آپ نے معاشرتی برائیوں کے خلاف جہاد کیا۔ دینِ اسلامی کو ازسرِ نو زندہ کر کے بدعات و گمراہی سے پاک کیا اور بجا طور پر "محی الدین" کہلائے۔ آپ کی درس و تدریس اور ارشاد و تلقین کے طریقے نے عوام الناس کو بڑا متاثر کیا۔ آپ نے جس انداز سے دینِ اسلام کی تبلیغ کی۔ اس کے اثرات پوری دنیا میں پھیل گئے۔ لوگ آپ سے والہانہ محبت کرنے لگے اور آپس کے اختلافات و تفرقات ختم کر کے اسلامی اخوت و اتحاد اور شفقت اور محبت کے رشتے میں بندھ گئے۔

آپ کی شخصیت نے اس دور کے ہر طبقے کو متاثر کیا اور خاص و عام آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہونے لگے۔ آپ کے انہی مریدین، تلامزہ، معتقدین اور خلفاء نے اپنی عقیدت مندی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے آپ کو "قادریؒ" کہلانا شروع کیا۔ یہ سب دینِ اسلام پر خلوص دل اور سختی کے ساتھ عمل کرنے کی وجہ سے ہوا۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ' کے بعد آپ کے خلفاء تلامزہ مریدین اور معتقدین نے آپ کے مشن کو آگے بڑھایا۔ انہوں نے تبلیغ اسلام کے لئے بڑی گرانقدر خدمات انجام دیں اور دنیا کے گوشے گوشے میں اسلام کو صحیح روح کے ساتھ پہنچایا۔ دیگر خطوں کے ساتھ ساتھ آپ کے خلفاء اور اولاد تبلیغ و اشاعت اسلام کی غرض سے برِصغیر پاک و ہند میں بھی وارد ہوئی اور یہاں بھی اسلام کا بول بالا کیا۔ سچی بات یہ ہے کہ پاکستان کے شمالی علاقوں، بشمول کشمیر میں اسلام تو تھا، مگر مسلمان برائے نام مسلمان تھے۔ بزرگانِ قادریہ کے چشم و چراغ سید علی ہمدانی یہاں تشریف لائے۔ آپ کے ہمراہ سات سو جید علماء کرام تھے، جن

میں محدث فقیہ، مفتی، قاضی ماہرین تعلیم، حفاظ اور قراء حضرات شامل تھے۔ آپ نے مختصر عرصے میں اس خطے کی کیفیت بدل دی۔ مساجد کا قیام، مدارس کا قیام، شرعی عدالتوں کا قیام، آپ ہی کا مرہونِ منت ہے۔ یہاں آپ نے حکمرانوں کے تعاون سے مکمل اسلامی نظام قائم کیا۔ آپ کے دستِ اقدس پر 37000 نئے ہندو مسلمان ہوئے۔ الحمدللہ آج خطۂ کشمیر میں مسلمانوں کی آبادی 85% ہے۔ یہ آپ ہی کی کاوشوں کا ثمر ہے۔ آپ کے بعد بھی آپ کے جانشینوں، علماء، مشائخ، قادریہ نے اپنے خلفاء تلامذہ، معتقدین، متبعین اور متوسلین کو نہ صرف دینِ اسلام پر سختی سے عمل کراتے رہے، بلکہ تمام امتِ مسلمہ کو اتحاد المسلمین کا درس بھی دیا اور مساجد اور خانقاہوں سے باہر نکل کر انگریزوں اور ہندوؤں کے خلاف جہاد بھی کیا۔

موجودہ دور میں پاکستان اور اس کے شمالی علاقہ جات بشمول آزاد کشمیر میں نام نہاد سیاستدان عوام کو دھوکہ دینے اور ملکی سالمیت کو نقصان پہنچانیمیں مصروف ہیں۔ علماء سوء زکوٰۃ کے پیسے پر پل کر فرقہ پرستی کو ہوا دے رہے ہیں اور اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانے میں مصروف ہیں۔ ''صوفیائے خام''، ''پدرم سلطان بود'' کا نعرہ لگا کر دینِ اسلام سے بے بہرہ نظر آتے ہیں اور عوام کو بیوقوف بنا کر نذرانے جمع کیے جا رہے ہیں۔

عوام الناس مغربی تہذیب کے دلدادہ ہیں۔ دینی و دنیاوی اور کسی بھی تعمیری کام میں دلچسپی نہیں لے رہے ہیں بلکہ کیبل اور VCR پر فحش بھارتی اور انگریزی فلمیں دیکھنے، منشیات کا استعمال کرنے، ناجائز ذرائع سے راتوں رات دولت کما کر دولتمند بننے میں مصروف ہیں۔

غرضیکہ ہر طرف نفسا نفسی کا عالم ہے۔ افراتفری، قتل و غرت گری، لوٹ کھسوٹ اور اغواء کی وارداتوں نے ہر شخص کی زندگی اجیرن کر رکھی ہے۔ سرکاری اہلکار اور عہدیدار، پارٹی بازی، اقربا پروری، رشوت، سفارش اور لسانی و صوبائی تعصبات کا شکار ہیں۔ جس کے باعث تقریباً ہر شخص پریشان ہے۔

عہدِ بنو عباس میں جس طرح بغداد میں ایسے مخدوش حالات میں صوفیاء کے سرخیل حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ نے معاشرتی برائیوں کے خلاف جہاد کیا۔ دینِ اسلام کو اپنے عمل سے زندہ کیا اور

عہدِ مغلیہ میں حضرت شیخ احمد سرہندی المعروف مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے برِصغیر کے مسلمانوں کو گمراہی سے بچانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اسی طرح آج بھی پریشان حال امتِ مسلمہ کی نگاہ کسی ایسے برگزیدہ بندے کی متلاشی ہیں تاکہ امتِ مسلمہ بے دینی اخلاقی پستی کے بھنور سے نکل سکیں۔ آج اگر غور کیا جائے تو مسلمان کا خون دنیا میں ارزاں ہے۔ گوانتاموبے جیسی بدنامِ زمانہ جیل میں مسلمان قیدیوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں۔

ایک طرف دین کی غلط تشریح کر کے معصوم مسلمانوں کو جنت کا جھانسہ دے کر ان کو خودکش بم دھماکوں کی ترغیب دی جاتی ہے، جس کی وجہ سے آئے روز بھرے بازاروں میں خودکش بم دھماکے ہورہے ہیں، جس سے معصوم بچے، نوجوان، عورتیں اور بوڑھے اپنی معصوم زندگیوں سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ کتنے گھر ویران ہوتے ہیں، کتنے سہاگ لٹتے ہیں، کتنی گودیاں خالی ہوتی ہیں اور کتنے لوگ اس وحشت سے دین سے دور ہوتے ہیں، لیکن ایک طبقہ ہے جو نہ کسی کی بات مانتا ہے اور نہ خود اصلاح احوال کی کوشش کرتا ہے اور اس سے دینِ اسلام کو بدنام کئے جارہا ہے۔

ان حالات میں صرف حقیقی صوفیائے کرام کا طبقہ ہی ایسا ہے جو ملک وملت کو تباہی سے نکال سکتا ہے اور انہی کی محبت اختیار کرنے سے انسان کو ذہنی اور قلبی سکون میسر آسکتا ہے۔ حقیقی صوفیاء کرام عالم باعمل ہوتے ہیں، ہر وقت کسی نہ کسی انداز سے ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے ہیں، ان کی صحبت میں بیٹھنے سے انسان کا دل اللہ کی طرف مائل ہوتا ہے۔ انہیں دیکھنے سے اللہ یاد آتا ہے۔ یہ مخلوق کے محتاج نہیں ہوتے، بلکہ صرف اللہ کے محتاج ہوتے ہیں۔ اپنی ہمہ تن توجہ مخلوقِ الٰہی کے دکھ درد دور کرنے میں صرف کرتے ہیں۔ کسی کو تکلیف نہیں دیتے، بلکہ دشمنوں کو بھی معاف کردیتے ہیں۔ سچوں کا ساتھ دیتے ہیں۔ لوگوں کے عیوب پر پردہ پوشی کرتے ہیں۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے سختی سے عامل ہوتے ہیں اور غیبت کرنے کے بجائے لوگوں کو علیحدگی میں نہایت حکمتِ عملی کے ساتھ برائیوں سے اجتناب اور اسلام پر عمل کرنے کی تلقین کرتے

ہیں۔ مریدوں کی تعداد بڑھانے کے بجائے خلوصِ دل سے ان کی تربیت پر توجہ دیتے ہیں۔ تبلیغ اسلام اور رشد وہدایت کا فریضہ انجام دیتے ہوئے ان کو ہر حال میں صبر کرنے، اللہ کا شکر ادا کرنے اور اس کی رضا پر راضی رہنے کا عملی درس دیتے ہیں۔ موجودہ ماحول کو سدھارنے کا سب سے موثر حل یہی ہے کہ جہاد بالنفس و جہاد بالعلم کیا جائے۔ صوفیاء کرام کی صحبت اختیار کی جائے، تاکہ ذکرِ الٰہی کی برکات سے امن و سلامتی، اخوت ومحبت کی فضاء پروان چڑھے۔ معاشرتی برائیوں کا خاتمہ ہو اور اسلامی اقدار پروان چڑھیں، کیونکہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب بھی امتِ مسلمہ پر کوئی کڑا وقت آیا اور مسلمان تباہی اور بربادی کا شکار ہوئے تو صرف صوفیاء کرام کی ہی کوششوں سے حالات کے دھارے بدلے اور مسلمانوں میں انقلاب برپا ہوا۔

امید ہے کہ قارئین اس مقالہ کے مطالعے کے بعد اس کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوں گے۔ اس طرح ہر ایک فرد اپنے اپنے طور پر معاشرے کی اصلاح میں اپنا بھرپور کردار ادا کر سکے گا۔ انشاء اللہ

وما توفیقی الا باللہ والحمد للہ رب العالمین و صلی اللہ تعالیٰ علی خیرِ خلقہٖ محمد و آلہٖ اجمعین۔

محمد اسرائیل خان (مقالہ نگار)

شعبہ قرآن وسنۃ، جامعہ کراچی، کراچی۔

تاریخ 11-5-11